بزمِ اشرف کے چراغ

پروفیسر احمد سعید



بزمِ اشرف کے چراغ

پروفیسر احمد سعید

ایم۔اے (تاریخ) ؛ ایم۔اے (سیاسیات)

مکتبۂ احیاء العلوم الشرقیہ

"التصویر"۔۔۔ ۶۲۔ چیمبرلین روڈ۔ لاہور

طابعین ——— مسعود و محمود

ناشر ——— الاشرف مطبوعات لاہور

تاریخ اشاعت ——— ۲۵ مئی ۱۹۷۵ء

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— مکتبۂ جدید پریس۔ لاہور

کتابت ——— محمد الیاس نقشبندی

قیمت ——— 20/1/-

سرورق ——— اسلم کمال

کتاب منگوانے کا پتہ

۳۹۔ عالمگیر روڈ۔ اسلام پورہ۔ لاہور

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ آغاز

خدا بھلا کرے عبدالوحید صدیقی کا جنہوں نے میری پہلی کتاب مولانا اشرف علی تھانوی اور تحریکِ آزادی کی اشاعت کے وقت مجھے اس کام کی طرف متوجہ کیا۔ یہ کام اگرچہ دیکھنے میں تو معمولی نظر آتا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے جملہ خلفاء کی حیاتِ بصیرت افروز تحریر کی جائے مگر جب اس کام کو آج سے چار سال قبل شروع کیا تو اس کے سخت اور مشکل ہونے کا بخوبی علم ہو گیا۔ پہلے تو ان جملہ مجازین کے پتے معلوم کرنا بھی کارے دارد اور جب پتے معلوم ہو گئے تو ان حضرات سے کچھ اپنے متعلق لکھوانا یہ اور بھی مشکل۔ کیونکہ حضرت قدس سرہ کی تعلیم کا بنیادی پہلو اپنے آپ کو مٹانا اور فنا کرنا ہوتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی امداد اور نصرت میرے شاملِ حال نہ ہوتی تو یہ کام ہرگز ہرگز پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ مثلاً مولوی منفعت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جو پتہ اشرف السوانح میں چھپا ہوا ہے اسی پر خط لکھ دیا۔ اب یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ بقیدِ حیات ہیں بھی یا نہیں۔ اب قدرتِ خداوندی ملاحظہ ہو کہ ان کے صاحبزادے پرانے مکان کو چھوڑ کر پندرہ سال قبل ایک نہایت دور دراز گوشے میں چلے گئے۔ حسنِ اتفاق سے ڈاکیہ ان کو جانتا تھا تو وہ ان تک پہنچ گیا۔ ادھر اکثر حضرات اپنے حالات بتانے سے گریز کرتے رہے مگر میں بھی اپنی ضد پر قائم رہا۔ ایک صاحب کو تیرہ یا چودہ خطوط لکھے مگر وہ اس پر راضی ہوتے نظر نہ آتے تھے بالآخر جب ان کو بہت ہی مجبور کیا تو فرمانے لگے کہ اچھا حالات لکھ تو دوں گا مگر ایک شرط ہے کہ آپ یاددہانی نہ کرائیں یہ اور بھی بڑا مسئلہ تھا دو ماہ کے لگ بھگ گزر گئے مگر جواب سے محروم

ادھر شرط بھی بڑی کڑی بالآخر یہ ترکیب نکالی کہ ایک کارڈ پر صرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ لکھ کر بھیج دیا مقصد حل ہو گیا وہ خوش بھی ہو گئے ان کی شرط بھی قائم رہی اور میرا کام بھی نکل آیا۔ جیسا کہ آپ فہرست سے ملاحظہ فرمائیں گے کہ بہت سے مجازین کے حالات رہ گئے میں نے اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کر چھوڑی مگر کچھ حضرات کا پتہ معلوم نہ ہو سکا اور کچھ حضرات کے لواحقین کی عدم دلچسپی اور سستی کے باعث ان کے حالات شامل نہ ہو سکے اگر خدا کو منظور ہوا تو اگلے ایڈیشن میں ان کا تذکرہ بھی ہو جائے گا۔ حالات کو مرتب کرتے وقت میرے ذہن میں صرف ایک بات تھی کہ قارئین کو یہ بتلایا جائے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی تعلیمات کیا تھیں اور وہ کس طرح زندگی میں انقلاب برپا کر دیتی تھی۔ حضرت قدس سرہ کی تعلیمات، خانقاہ کا نقشہ اور حضرت کے ذاتی واقعات کو تحریر میں لانا دراصل یہی سب سے بڑا مقصد تھا۔ اس مواد کو جمع کرنے کے لئے مجھے کس قدر تگ و دو کرنا پڑی اس کا اندازہ آپ اس امر سے کر سکتے ہیں کہ پاکستان ہندوستان برما اور امریکہ میں بے شمار حضرات کو اس سلسلہ میں ۶۸۰۰ سے زائد خطوط تحریر کئے۔

آخر میں حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب، حضرت نجم احسن صاحب نگرامی، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا عبدالشکور صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کام میں دلچسپی لی اور میرے ساتھ دل کھول کر تعاون فرمایا۔ محب مکرم جناب مولانا غلام محمد صاحب شاگرد خاص حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مسودہ کے بارے میں نہایت مفید مشورے دیے۔ اس کتاب کا نام بھی آپ ہی کا عطا کردہ ہے۔

پروفیسر احمد سعید

ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ

۲۲ اپریل ۱۹۷۵ء

مفتی محمد شفیع

مجازِ بیعت

مفتی محمد شفیع صاحب قصبہ دیوبند میں ۱۳۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ دار العلوم دیوبند میں اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کی اور وقت کے جید علمائے علامہ سید انور شاہ کشمیری مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا سید میاں اصغر حسین مولانا رسول خان صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند میں ہی علم دین کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ شروع ہی سے دین کی خدمت مقصدِ اعلیٰ قرار پائی تھی اس لئے محض ۵ روپے ماہوار وظیفہ پر دار العلوم میں خدمات انجام دیتے رہے اور جب ۲۶ سال بعد دار العلوم سے استعفیٰ دیا تو اس وقت مشاہرہ محض ۶۵ روپے تھا حالانکہ اس دوران مدرسہ عالیہ کلکتہ سے سات سو روپے ماہوار تنخواہ کی بار بار پیش کش کی گئی

تھانہ بھون میں پہلی حاضری

جب آپ عربی علوم کا تیسرا سال پورا کر چکے تو آپ کے والد مولانا محمد یٰسین صاحب آپ کو اپنے ہم سبق حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی خدمت میں لے گئے اور آپ سے مشورہ کیا کہ آیا مفتی صاحب کو فلسفہ کی کتابیں پڑھائی جائیں یا نہیں۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا ضرور پڑھو تم فلسفہ پڑھ لو گے تو تمہیں انشاء اللہ اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا بلکہ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اس کو پڑھ کر اس کا رد کر سکو گے۔

سب سے پہلے آپ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے دستِ مبارک پر بیعت

کی تھی۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب حضرت شیخ الہند مالٹا سے رہا ہو کر دیوبند تشریف لائے تھے اگرچہ مفتی صاحب زمانہ طالب علمی سے حضرت شیخ الہند کی خدمت میں حاضری کا شرف رکھتے تھے اور حضرت بھی نہایت شفقت فرماتے تھے۔ اسارت مالٹا سے پہلے دو رمضان آپ کے ساتھ تمام تراویح میں شرکت کی سعادت بھی حاصل تھی مگر اس وقت طالب علمی کی وجہ سے حضرت نے بیعت کرنا پسند نہ فرمایا تھا حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہ کی طرف رجوع کیا اور آپ کے دست مبارک پر تجدید بیعت کی اس کا تذکرہ خود آپ کی اپنی زبانی سنیے۔ "یوں تو احقر کو حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ سے عقیدت و محبت کا تعلق اس وقت سے ہے جبکہ احقر نے پوری طرح ہوش بھی نہ سنبھالا تھا۔ طفولیت کے لہو و لعب لوسی مقاصد بنے ہوئے تھے۔ کیونکہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص مرید اور تمام موجودہ بزرگوں کے بے حد معتقد تھے۔ بچپن ہی سے بزرگوں کے حالات اکثر سنایا کرتے تھے۔ جس نے دل میں بزرگوں کی عظمت و محبت کا نقش غیر محسوس طور پر کندہ کر دیا تھا۔ بالخصوص سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ساتھ چونکہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ شریک درس اور ہم سبق رہتے تھے اور بے تکلف تعلقات نوعمری کے زمانے سے تھے۔ ان کے حالات و فضائل و مناقب اکثر بیان فرمایا کرتے تھے۔ جن میں سے چند چیزیں اس وقت یاد آئیں۔ فرماتے تھے کہ آپ کا انتظام اوقات ابتدار عمر ہی سے تھا۔ اس لئے آپ کے سب کام ہمیشہ بسہولت و عافیت اطمینان کے ساتھ پورے ہوتے تھے کبھی نہیں دیکھا گیا کہ جس وقت میں کوئی سبق یا تکرار یا مطالعہ مقرر ہو اس میں کوئی دوسرا کام کرتے ہوں یا اس کو وقت سے آگے پیچھے کرتے ہوں۔ اکثر تین یا چار سبق رہتے تھے ہر سبق کی حاضری کے نہایت پابند تھے اور اوقات مدرسہ میں جو وقت سبق سے باقی رہتا اس میں سب سبقوں کا تکرار کر لیتے۔ دوپہر کو کھانے کے بعد قیلولہ اور عصر کے بعد تفریح کے لئے کبھی جنگل کی طرف چلے جانا اور کبھی شہر میں کسی جگہ پر جا کر تقریر و وعظ یا کسی دوسرے فرقہ سے مناظرہ وغیرہ کرنا۔ اس زمانے میں نصاریٰ کے پادری اور آریہ مبلغین بکثرت پھرتے تھے اُن سے بہت مرتبہ مناظرہ کیا۔ احقر کہتا ہے کہ طالب علمی سے فارغ ہونے اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے تعلق کے بعد حضرت نے آج

کل کے مناظروں میں مفاسد محسوس کیئے تھے اس کے بعد مطلقاً ترک کر دیا) مغرب کے بعد سے عشار تک سب کتابوں کا مطالعہ، عشار کے بعد متصل آرام فرمانا آخر شب میں تہجد کے لئے اٹھ جانا یہ ہمیشہ کا معمول تھا جس پر آپ طالب علمی کے زمانے سے پابندی کے ساتھ عامل تھے۔ نہ آپ کو کبھی کسی سبق وغیرہ سے غیر حاضر دیکھا گیا اور نہ کبھی ایسا مشغول کہ رات کے سونے وغیرہ میں خلل پڑے۔ امتحان کے قریب عموماً طلبار رات کے اکثر حصے میں کتابوں کا مطالعہ اور تکرار کیا کرتے تھے، بعض اوقات مولانا بھی اول شب میں شریک ہوئے لیکن جب سونے کا وقت آتا تو یہ فرما کر اٹھ جاتے تھے کہ اب میرا وقت پورا ہو گیا۔ اس حسنِ نظم اور ضبطِ اوقات کی یہ برکت تھی کہ باوجود اور طلبار سے کم محنت کرنے کے ہمیشہ اساتذہ کی نظروں میں سب سے اعلیٰ اور مقبول رہتے تھے۔ جمعہ کے روز جمعہ کا اہتمام غسل و تبدیلِ لباس وغیرہ میں مشغول رہتے اور جمعہ کے بعد سب اساتذہ کی خدمت میں حاضری کا معمول تھا۔

الغرض بچپن ہی سے حضرت کے حالات و فضائل سُن کر دل میں عظمت و محبت بحمد اللہ تعالیٰ قائم تھی پھر کچھ ہوش سنبھالا تو گھر میں "بہشتی زیور" "اصلاح الرسوم" وغیرہ حضرت کی تصانیف پڑھیں اور دیکھیں ان سے اور بھی زیادہ عقیدت پیدا ہو گئی اسی کے ساتھ اس وقت کے دوسرے اکابر بیدی و سندی شیخ الاسلام قدوۃ الانام حضرت شیخ العرب والعجم مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ اور حضرت نادرہ روزگار شیخ العلمار حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری قدس سرہٗ وغیرہم کے حالات طیبہ اور فضائل و فواضل بھی حضرت والد ماجد سے سنا کرتا تھا۔ ان سب بزرگوں سے یکساں عقیدت و محبت قلب میں پاتا تھا۔ پھر جب مدرسہ دیوبند میں عربی تعلیم کی متوسط کتابوں تک پہنچا تو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کا شرف کبھی والد ماجد کے ساتھ اور کبھی تنہا حاصل ہوتا رہا۔ تا آنکہ حضرت اقدس رحمہ اللہ کی عظمت و محبت اس طرح قلب میں راسخ ہو گئی کہ باوجود نو عمری کے زمانہ کے اوقاتِ درس سے جتنا وقت بچتا وہ اکثر حضرت ممدوح کی خدمت میں گزرنے لگا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ احقر ہدایہ وغیرہ پڑھتا تھا۔ اسی زمانہ میں ایک دو سال حق تعالےٰ نے اس کی توفیق عطا فرمائی کہ رمضان المبارک میں پوری شب حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر شریکِ تراویح رہا۔ کیونکہ حضرت اقدس کا معمول رمضان میں ہمیشہ

سے یہ تھا کہ تمام شب قرآن مجید سنا کرتے تھے۔ پہلے نوافل میں سننے کا معمول تھا۔ پھر دوسرے خدام نے شرکت کی درخواست کی تو نفل کی جماعت میں کثرت مکروہ ہونے کے سبب یہ معمول فرما لیا تھا کہ فرض عشاء مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر کے مکان تشریف لے آتے تھے اور تراویح مکان پر تمام رات میں پوری کی جاتی تھیں۔ حضرت اقدس کو بھی اس ناکارہ پر بے حد شفقت تھی اگر کسی روز حاضر نہ ہوا تو دریافت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ بخار کی وجہ سے دو روز حاضر نہ ہوا تیسرے روز جب پہنچا تو دیکھا کہ حضرت کسی جگہ جانے کے لئے کھڑے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسی ناکارہ کے گھر کا قصد فرمایا تھا۔ اس عرصہ میں احقر نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ حضرت مجھے بیعت فرما لیجئے۔ ہمیشہ یہی فرمایا کہ طالب علمی سے فارغ ہو جاؤ جب کریں گے مگر قضا و قدر اسی عرصہ حضرت ممدوح کا قصد بیت اللہ کا ہوا اور وہاں سے قیدِ فرنگ کے حوادث رونما ہوئے جس کی انتہا قید مالٹا پر ہوئی اور یہ طویل و عریض مدت حضرت اقدس کی مفارقت میں گذری اس مفارقت کے زمانے میں احقر کی درسیات ۱۳۳۵ھ میں پوری ہو گئیں۔ درسیات سے فراغت کے بعد اب پھر یہ ولولہ دل میں تازہ ہوا کہ کسی شیخ سے تعلق قائم کرنا چاہیئے۔ حضرت اقدس کی اسارت و مفارقت اس وقت اور بھی زیادہ شاق و شدید محسوس ہوئی مگر کوئی امر اختیار میں نہ تھا۔ اوقات خالی ضائع ہو رہے تھے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے مشورہ دیا کہ بالفعل تم اس سلسلے میں حضرت اقدس حکیم الامت قدس سرہٗ سے تربیت و تعلیم حاصل کرو، پھر بیعت اپنی خواہش کے موافق حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی واپسی کے بعد ان سے کر لینا۔

یہی قصد کر کے احقر سب سے پہلے بسلسلہ تربیت ۱۳۳۶ھ میں تھانہ بھون میں حاضر ہوا اور بے کم و کاست یہی مضمون عرض کیا کہ میں نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالےٰ سے بیعت کی درخواست کی تھی حضرت نے فراغت از طالب علمی کے بعد وعدہ فرمایا مگر اب حضرت مالٹا میں تشریف رکھتے ہیں اور وقت خالی گذر رہا ہے۔ آپ سے اصلاح و تربیت چاہتا ہوں اس میں اگر بیعت ہونا ضروری ہو تو مجھے بیعت فرمالیں ورنہ جیسی رائے ہو، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بیعت تو حضرت کی واپسی پر انہیں سے کرنا البتہ اصلاح واجبات میں سے ہے اس میں دیر نہ کرو مجھ سے جو کام ہو سکتا ہے میں

اس کے لئے حاضر ہوں۔ پھر فرمایا اب میں بتلاتا ہوں کہ اس سلسلہ میں تمہارے ذمہ کیا کام ہوگا اور میرے ذمہ کیا۔ تمہارے دو کام ہیں ایک اپنے حالات کی اطلاع دوسرے اس پر جو میں مشورہ دوں اس کا اتباع اور میرا کام یہ ہوگا کہ حالات کے مناسب جو عمل تمہارے لئے سمجھ میں آئے اس کا مشورہ دے دوں پس خلاصہ تمہارے عمل کا دو لفظ ہیں اطلاع و اتباع، پھر حضرت اقدس نے کچھ تسبیحات اور معمولات کی تلقین فرمائی اور ضروری نصائح کے بعد رخصت فرمایا۔ واپس آکر کچھ روز اسی سلسلہ میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے خط و کتابت رہی مگر بہت کمی کے ساتھ کہ اس وقت تک اس طرز سے کچھ دلچسپی کم تھی۔ کچھ تعلیم کا سلسلہ مدرسہ میں شروع کر دینے کے سبب اوقات زیادہ مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد تھوڑے عرصہ میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ تعالیٰ مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے، اب تو اپنی خواہش اور حضرت والا کی تجویز کے موافق حضرت کی خدمت میں رہنے گیا۔ بیعت کے لئے درخواست کی تو فرمایا کیا جلدی ہے کر لیں گے پھر ایک روز چند حضرات کی بیعت حضرت نے منظور فرمائی تھی اور بعد مغرب ان کو وقت دیا تھا مجھے اطلاع ہو گئی میں بھی اس وقت پہنچ گیا مسکرا کر فرمایا تم بھی آ گئے۔ بہت اچھا اور ناکارہ کو شرف بیعت سے مشرف فرمایا لیکن چونکہ زمانہ تحریکات خلافت کے زور شور کا تھا اور حضرت ان ایام میں بکثرت سفر میں رہتے تھے، پھر کچھ عرصہ دیوبند میں قیام بھی ہوا تو بیماری میں ہوا اس لئے اپنا کچھ حال عرض کرنے اور استفادہ کا وقت نہ ملا۔ یہاں تک رمضان ۱۳۳۹ھ میں حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ اس عالم ہی سے رحلت فرما گئے حضرت کی وفات کا جو غم ساری دنیا کو تھا مجھ جیسے غلام کو زیادہ ہونا ناگزیر تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا غم یہ تھا کہ میں استفادہ سے محروم رہا۔ وفات کے بعد ایک مدت تک تو طبیعت پر ایسی افسردگی رہی کہ کام میں جی تھا نہ کسی کام کی ہمت اس کے بعد جب یہ حالت کچھ کم ہوئی تو اپنی فکر دامن گیر ہوئی اور اب پھر تھانہ بھون کا عزم کیا۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ چلیں اور حضرت حکیم الامت (قدس سرہ) سے میرے بارے میں توجہ فرمانے کی سفارش کر دیں۔ والد صاحب کے ساتھ تھانہ بھون حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے تصوف کا شوق تو شغل طبعی کے ہے لیکن کام کرنے کی فرصت نہ قوت کیونکہ کچھ تو خلقۃً ضعیف ہونے کچھ کثرت مشاغل تعلیم وغیرہ سے گھرا

ہوا ہوں اس لئے میں اپنے سے مایوس ہوں کہ اس طریق میں کوئی قدم رکھ سکوں حضرت والا نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ صرف اقویا کے لئے ہے۔ ضعفا کے لئے نہیں پھر فرمایا کہ بزرگوں کا مقولہ ہے" طرق الوصل الی اللہ تعالیٰ بعدد انفاس الخلائق اور یہ بھی فرمایا کہ بحمد اللہ کسی عطائی کی دوکان نہیں کہ ایک ہی دوا سب کو دے ہم تم کو ایسی چیز بتلادیں گے جس میں نہ فرصت کی ضرورت نہ قوت کی وہ صرف دو چیزیں ہیں ایک تقویٰ کی پابندی، دوسرے لایعنی سے بچنا خواہ لایعنی کام ہو یا کلام کوئی مجلس وغیرہ پھر فرمایا بتاؤ اس میں کونسا وقت خرچ ہوگا بلکہ میرا مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ بہت سا وقت بچ جائے گا اور کچھ قوت کی ضرورت نہیں کیونکہ فرائض و واجبات تو کوئی مشکل کام نہیں۔ نوافل تم پر میں لازم نہیں کرتا۔ البتہ معاصی سے بچنا لازم ہے سو اس میں کچھ لگان نہیں ہوتا اور نہ کسی فرصت کی اس میں ضرورت ہے۔ ایک دو روز احقر نے قیام کیا۔ بڑی شفقت و محبت سے معاملہ فرماتے تھے اس طرزِ تعلیم و معاملۂ شفقت نے میرے قلب کے گوشہ گوشہ کو حضرت کی محبت سے بھر دیا۔ یہ واقعہ غالباً ۱۳۴۲ یا ۱۳۴۳ھ کا ہے۔ اس کے بعد مسلسل خط و کتابت اور آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوگیا اور تقریباً بیس سال حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری اور صحبت میں رہنے کی دولت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ مگر حسرت افسوس ہے کہ اپنی مثال وہی ہوگئی کہ بارہ برس (بلکہ بیس برس) دلی میں رہے بھاڑ ہی جھونکا حضرت کے کمال اور اس پر کمال شفقت میں کوئی تردد نہیں ہوسکتا لیکن اس کو کیا کہے کہ ؎

ماندارم مشامے کہ توانست شنید
ورنہ ہر دم وزد از گلشن وصلت نفحات

اپنی استعداد ہی کچھ نہ ہو اور عمل ہی کچھ نہ کریں تو کام کیسے چلے اس لئے یہ ناکارہ تو ناکارہ ہی رہا بلکہ اس کا خوف ہے کہ ایسے قطب وقت اور مرشد کامل کی صحبت حق تعالیٰ نے عطا فرما کر حجت تمام کر دی اب اپنی کوتاہی کہیں موجب وبال نہ بن جائے لیکن حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مصرعہ جو حضرت اکثر پڑھا کرتے تھے اور غالباً احقر کے کسی خط میں بھی تحریر فرمایا تھا کچھ

موجب تسلی ہوجاتا ہے وہ یہ ہے۔ میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے اور سب سے بڑی چیز حدیث کا ارشاد ہے۔ "ھم الجلساء لا یشقی جلیسھم" اس لئے شکر کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے جلیس ہونے کی تو دولت عطا فرمائی ہے اور ان کے لئے کیا مشکل ہے کہ بھوسہ کو بھی گندم کے بھاڑ میں لگالیں،

وما ذالك علی الله بعزیز۔

۱۳۴۹ھ میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے آپ کو اپنا مجاز بیعت قرار دیا۔

خانقاہ تھانہ بھون میں آپکی خصوصیت

حضرت تھانوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت بنایا تھا۔ آپ اپنے مریدین اور خلفاء کی استعداد کا جائزہ لے کر ہر ایک کو اس کے مناسب ریاضت یا دوسرے دینی امور تفویض کیا کرتے حضرت مفتی صاحب نے بچپن ہی سے جس ماحول میں آنکھیں وہ سراسر دیانت و تقویٰ کا بے نظیر ماحول تھا جس کا اثر آپ کی زندگی کے ہر پہلو پر شروع ہی سے نمایاں تھا۔ اس لئے حکیم الامت قدس سرہ نے آپ کو اوراد و وظائف اور ریاضت و مجاہدہ میں زیادہ لگانے کی بجائے آپ کی دینی فراست ٹھوس علمی استعداد اور منجھے ہوئے خالص علمی ذوق کے پیش نظر آپ کو اکثر و بیشتر تصنیف و تالیف علمی تحقیقات اور فتویٰ وغیرہ کا کام سپرد فرمایا اسی لئے آپکو حضرت کی تصانیف فتاویٰ اور دوسری علمی تحقیقات میں ہاتھ بٹانے کا خوب موقعہ ملا۔ حضرت تھانوی قدس سرہ ہر مشورہ طلب تحقیقی کام میں آپ سے مشورہ لیتے۔ اس دور کی تمام علمی تحقیقات میں آپ حضرت قدس سرہ کے ساتھ کسی نہ کسی درجہ شریک رہے بارہا ایسا ہوتا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کسی تصنیف کی ضرورت محسوس فرماتے لیکن مشاغل یا ضعف کے باعث خود یہ کام نہ فرما سکتے تو یہ کام حضرت مفتی صاحب کے سپرد کر دیا جاتا مثلاً حیلہ ناجزہ اور احکام القرآن۔ ان کاموں کے لئے حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے آپ کو تھانہ بھون بلایا اور اپنی نگرانی میں یہ کام کروایا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے تمام خلفاء علم و عمل دیانت و تقویٰ اور اصلاح و ارشاد کے درخشاں آفتاب ہیں لیکن اپنے پیر و مرشد کے علمی مزاج کو سب سے زیادہ حضرت مفتی صاحب نے اپنایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت قدس سرہ کو فتاویٰ کے بارے میں سب سے زیادہ اعتماد آپ ہی کی علمی تحقیقات پر ہوتا تھا آپ

کے فتاویٰ پر حضرت حکیم الامت کو جس قدر اعتماد تھا اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے کئی بار اپنے ذاتی معاملات میں حضرت مفتی صاحب سے فتویٰ طلب کر کے اس پر عمل کیا۔ ایک مرتبہ کسی ذاتی معاملہ میں حضرت تھانوی نے آپ سے استفتا فرمایا۔ جواب ملنے پر حضرت تھانوی قدس سرہ نے خط میں تحریر فرمایا "آپ کا فتویٰ ملا اللہ تعالےٰ آپ کی عمر دراز کرے۔ پڑھ کر دو خوشیاں ہوئیں ایک تو اس کی کہ علم حاصل ہوا دوسری اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں"

حضرت مفتی صاحب نے اپنا رسالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھ کر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا اس کے جواب میں جو خط حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے آپ کو تحریر فرمایا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے دل میں آپ کا کتنا عزت واحترام موجود تھا۔ تحریر فرمایا۔ "از اشرف علی عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ القاب اس لئے نہیں لکھا کہ سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کے والد ماجد صاحب کے تعلق اخوۃ پر نظر کر کے تو عزیزم لکھنے کو جی چاہتا ہے مگر آپ کے کمالات کو دیکھ کر اس لکھنے کو بے ادبی سمجھا اور اگر کمالات پر نظر کے اس سے بڑھا کر لکھوں تو حضرت استاذی مولانا محمد یعقوب کا ملفوظ مبارک اس سے روکتا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ زیادہ تعظیمی الفاظ اپنے مخصوصین کو لکھنا موہم اجنبیت ہے اس کو بھی دل گوارا نہ کرتا تھا"۔

فتاوی دار العلوم دیوبند۔ اسلام کا نظام اراضی۔ ختم نبوت۔ حیلۂ ناجزہ۔ احکام القرآن۔ تفسیر معارف القرآن۔ آلات جدیدہ۔ اوزان شرعیہ۔ اصول اللغۃ اور اسلامی معاشیات آپ کے علم وفن کی دلیل ہیں۔

ڈاکٹر عبدالحئی

مجازِ بیعت

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب کی پیدائش ۱۸۹۸ء میں ہوئی۔ آپ کے اجداد میں منشی نادر حسین صاحب علم وادب میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ دنیوی و علمی وجاہت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمتِ دینی و باطنی سے بھی نوازا تھا وہ مشہور بزرگ حضرت شاہ غلام رسول صاحب رسول نماکانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مریدِ خاص اور مجازین میں سے تھے۔ ان ہی منشی نادر حسین صاحب کی صاحبزادی حضرت ڈاکٹر صاحب کی دادی تھیں۔ آپ کے جدامجد مولوی کاظم حسین صاحب بڑے صاحبِ علم صاحبِ دِل صاحبِ باطن اور صاحب تاثیر و تاثر بزرگ تھے۔ مولوی کاظم حسین صاحب۔ مولانا شاہ ابوالخیر صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تربیت کردہ اور مجازین میں سے تھے۔ انکے صاحبِ باطن اور ذی تاثر ہونے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت حکیم الامت قدس سرہ کالپی کاظم حسین صاحب کے وطنِ اقامت تشریف لے گئے اور ان ہی کے مہمان ہوئے۔ ایک نشستِ میں حضرت تھانوی کے بالکل سامنے مولوی کاظم حسین بیٹھے ہوئے تھے ان کے پیچھے خواجہ عزیز الحسن مجذوب بیٹھے تھے مگر کاظم حسین صاحب کو اس کا علم نہ تھا کہ خواجہ صاحب انکے پس پشت بیٹھے ہیں۔ حضرت تھانوی کے ملفوظات ہو رہے تھے کہ دفعتہً مولوی کاظم حسین صاحب گھبرا کر بول اٹھے کہ خواجہ صاحب آپ پیچھے کیوں بیٹھے ہیں حضرت کی توجہ آپ پر ہو رہی ہے اور میں بیچ میں پڑ گیا ہوں۔ میرا دل بے قابو ہوا جاتا ہے"۔ یہ ان کے ذی تاثر ہونے کی ایک مثال ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب نے ابتدائی تعلیم کے بعد صرف ونحو اور فارسی درسیات کی تکمیل مولوی کاظم حسین صاحب کی زیرِ نگرانی کی۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم کی طرف توجہ ہوئی۔ کانپور میں سکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایم اے او کالج علی گڑھ سے بی اے کیا لکھنؤ یونیورسٹی سے قانون کی سند حاصل کی۔

حضرت تھانوی سے تعلق

حضرت تھانوی قدس سرہ سے کس طرح تعلق پیدا ہوا۔ اس کا تذکرہ خود ان کی اپنی زبانی سن لیجئے "حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ حقیقت میں ہمارے محسن و رہنما ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں آپ کانپور میں ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر فائز تھے تو میرے خسر ڈپٹی علی سجاد صاحب مدظلہ وہیں نائب تحصیلدار تھے۔ یہ دونوں صاحب علی گڑھ کالج میں ہم جماعت بھی تھے اور بے تکلفی اور محبت کا تعلق بھی تھا۔ کانپور کے دورانِ قیام میں روزانہ علی سجاد صاحب سے ملنے آیا کرتے تھے اور دیر تک نشست رہتی۔ اس نشست میں حضرت خواجہ صاحب حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں فرمایا کرتے تھے اور اپنے اشعار بھی بڑے ذوق وشوق کے ساتھ سنایا کرتے تھے۔ انہیں تاثرات کے تحت میں علی سجاد صاحب اور حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ میں خط وکتابت شروع ہوگئی پھر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تحریک پر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کالپی تشریف لے گئے (کالپی ضلع جالون۔ جھانسی۔ یو۔پی کسی زمانے میں ہم لوگوں کا عارضی وطن تھا) چنانچہ یکم جنوری ۱۹۱۸ء کو حضرت کا وعظ موسوم بہ "الکاف" ہمارے ہی مکان پر ہوا تھا۔ ہمارے خاندان کے کم وبیش بیس پچیس افراد نے شرفِ بیعت حاصل کیا جس میں بوڑھے جوان عورت مرد حتیٰ کہ ملازم تک شامل تھے۔ بعد میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس خاندان پر مجھ کو بڑا اعتماد ہے۔ اس زمانے میں میں اسکول کا طالب علم تھا اور میں سب کے ساتھ بیعت نہیں ہوا تھا۔ پھر ۱۹۱۸ء میں بغرض تعلیم علی گڑھ چلا گیا اور وہاں پانچ سال تعلیم حاصل کرتا رہا۔ پھر ۱۹۲۵ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ اس تمام زمانۂ طالب علمی میں حضرت والا کو صرف امتحان میں پاس ہونے کے لئے دعا کے لئے خط لکھا کرتا تھا لیکن جب میں قانون کے آخری سال میں تھا میں نے

پہلی بار حضرت والا کو اس مضمون کا خط لکھا کہ اب تک تو میں صرف امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کے واسطے خط لکھتا رہا ہوں لیکن اب درخواست کرتا ہوں کہ حضرت اب مجھے ایسی راہ پر لگا دیں جس سے تزکیہ نفس حاصل ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت دل میں پیدا ہو اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا۔ کیا خوب۔ قانون کی تعلیم اور ایسے خیالات اس پر میں نے عرض کیا کہ اگر یہ مقصود تعلیم قانون کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتا تو میں آج ہی اس کو ترک کرنے کے لئے تیار ہوں۔

اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا میں فتویٰ تو نہیں دیتا لیکن تعلیم سے فراغت کے بعد مجھ سے زبانی بات کر لیں۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء میں امتحان پاس کر لینے کے بعد جب میں تھانہ بھون حاضر ہوا (اس سے قبل بھی چند بار حاضری کا اتفاق ہو چکا تھا) تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ تعلیم قانون کے متعلق عند الملاقات زبانی گفتگو کے لئے تحریر فرمایا تھا اس پر حضرت نے بے ساختہ فرمایا کہ مجھے تو صرف یہی کہنا تھا کہ تارک الوکالت ہونا بہتر ہے بہ نسبت متروک الوکالت ہونے سے بس اس وقت حضرت نے اسی قدر فرمایا میں نے دل میں سوچا کہ ابھی تو میں نے وکالت شروع بھی نہیں کی پھر تارک اور متروک کے کیا معنی مگر قلندر آنچہ گوید دیدہ گوید۔ ۲۰ اگست ۱۹۲۷ء کو میں تھانہ بھون حاضر ہوا تھا اس وقت حضرت والا نے ازراہِ شفقت بیعت فرما لیا تھا یہ میری زندگی کا سب سے زیادہ محترم اور سعادتِ کبریٰ کا دن تھا۔ اللھم لک الحمد و لک الشکر اکثیراً دائماً۔ پھر اس کے بعد میں نے دس سال وکالت کی مگر اس تمام مدت میں وکالت سے قطعاً مناسبت پیدا نہیں ہوئی بلکہ تمام وقت تکدر تلخیوں اور ناگواری ہی میں گذرا۔

چونکہ میرے خاندان کے اکثر افراد کو ہومیو پیتھیک سے دلچسپی تھی اور شغل بھی یہی تھا اس لئے مجھے بھی اس طریقہ علاج کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ ضرور رہی اور حصولِ فن کے لئے کچھ مناسبت بھی رہی اور کچھ مواقع بھی ملتے رہے اس کے متعلق میں نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو مطلع بھی کر دیا تھا۔

خدا داد بات ہے کہ ۱۹۳۵ء کے آخر میں کچھ ایسے اتفاقات اور حالات رونما ہوئے کہ

مجھ کو سلسلۂ وکالت کے قائم رکھنے میں شدید تردد پیدا ہو گیا۔ بالآخر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ صریح ایما پاکر اور اپنے ایک عزیز ہومیوپیتھک ڈاکٹر کی ترغیب و تحریک اور معاونت حاصل ہونے پر میں نے ستمبر ۱۹۳۵ء میں قطعی فیصلے کے ساتھ وکالت کو ختم کر دیا اور جنوری ۱۹۳۶ء سے توکلاً علی اللہ یعنی باضابطہ اور مستقلاً ہومیوپیتھک پریکٹس شروع کر دی اور اس امر کی اطلاع اسی وقت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دی جس کے جواب میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات میرے وہم و گمان میں بھی کبھی نہیں آئی تھی بہ عنوان بشارت یوں ارقام فرمائی۔

بشارت

میں نے سابعہ التابعہ میں مجازینِ صحبت کے ذکر کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ مجھ کو ان صاحبوں کے متعلق بعض حالات کا انتظار ہے اگر وہ حالات رونما ہو گئے تو ان کو مجازینِ بیعت میں داخل کر دوں گا اور یہ حالات ہر ایک میں جدا جدا ہیں۔ آپ کے لئے ترکِ وکالت کا انتظار تھا جو بحمد اللہ واقع ہو گیا اس لئے آپ کو مجازین بیعت میں داخل کر کے توکلاً علی اللہ اجازت دیتا ہوں کہ آپ بیعت طالبین کو کیا کریں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

حضرت والا رحمۃ اللہ کی یہ مبارک تحریر پڑھ کر دفعتاً دل و دماغ پر ایک سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ کچھ عجیب طرح کی شرم و ندامت کی کیفیت تھی اور بڑا ہی حیرت و استعجاب کا عالم رہا میں ہمیشہ یہ سمجھا کرتا تھا کہ خلافت اور بیعت کے منصب کے وہ لوگ اہل ہوتے ہوں گے جو شیخ کی تعلیم و تربیت اور نفس کے مجاہدات و ریاضات اور تزکیہ نفس کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہوں گے اور ان کی استعداد باطنی نہایت قوی مجلّا اور مصفّٰی ہوتی ہوگی اور جن پر اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت و حکمت کے دروازے کھل جاتے ہوں گے۔ یہ بات یقیناً اپنے مقام پر بالکل صحیح اور مستند ہے۔ یہ خیالات و محسوسات میرے لئے عقدہ لاینحل بن گئے۔ اپنے تمام حالات باطنی دفعتاً پیش نظر ہو گئے میری زندگی مشاغل روزمرہ کے اشغال اور تعلقات دنیوی سے ہمیشہ پراگندہ اور بدحواس زندگی رہی نہ کبھی معمولات کی پابندی رہی اور نہ کبھی اوراد و وظائف کا اہتمام رہا مگر یہ حضرت حکیم الامت مجدد

ملت قدس سرہ کا انداز و اعجاز تعلیم و تربیت ایسا ہی عجیب و غریب تھا کہ اس زمانے کے سالکین کی اہلیت و استعداد باطنی کو دیکھتے ہوئے اور دین کی ضرورتوں اور تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اور معاشی ماحول میں روز افزوں فسق و فجور اور الحاد کی زیادتی کے اندیشے جات کو سامنے رکھتے ہوئے سالکین کے تزکیہ نفس اور اصلاحِ باطن اور تعلق مع اللہ اتباع شریعت اور سنت کی اہمیت اور عظمت کے پیدا کرنے کے لئے ایسی سہل الحصول تدابیر تجویز فرماتے تھے اور اپنے معجزانہ اور الہامانہ مواعظ اور ملفوظات سے سالکین کے دلوں میں خاطر خواہ انقلاب عظیم پیدا فرما دیتے تھے اس دور میں مجددیت کا منصب حضرت کے لئے خاص الخاص ہے جس کو ہر عقیدے اور مسلک کے لوگ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ حضرت اس عصر کے امام تصوّف اور مجتہدِ طریقت تھے۔ حضرت کے فیضانِ توجہ سے جانے کتنے رہروان طریق اور جویائے حق بلا کسی کاوش کاوش کے بسہولتِ تمام منزلِ مقصود پر پہنچ کر فائز المرام ہو گئے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے میرا تعلق بیعت سے حضرت کی وفات تک سترہ سال رہا۔ اس عرصہ میں میں نے التزاماً اپنے حالات کا عریضہ ہر ہفتہ ارسال خدمت کیا ہے۔ اس التزام میں الحمدللہ کبھی ناغہ نہیں ہوا اس کے علاوہ الحمدللہ میری بڑی خوش نصیبی اور سعادتِ کبریٰ کا سرمایہ یہ ہے کہ اکثر حضرت والا کی تقریریں اور وعظ بالمشافہ سُنے ہیں اور مجلسِ ملفوظات میں بقدر اپنی فرصت اور گنجائش وقت کے اکثر شریک رہا ہوں اور مختلف تقریبات میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا ہے۔ حضرت کے ساتھ سفر بھی کیا ہے اور حضرت کے دولت کدہ پر مہمان خصوصی رہنے کی بھی سعادت نصیب ہوئی ہے اور حضرت کے خوانِ کرم پر تنہا بھی کھانے کی سرفرازی حاصل ہوئی اور دعوتوں میں بھی شرکت کی مسترتیں نصیب ہوئی ہیں۔ حضرت کی خدمت میں اکثر جو ہدیے پیش کئے ہیں ان کو شرفِ قبولیت عطا ہوا ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شفقتِ بزرگانہ اور محبتِ مربیانہ سے اس ذرہ ناچیز کو اپنے عطایا تبرکات سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔ مجلسوں میں بھی حضرت کی توجہاتِ خاص کا اکثر موردِ فیض باطنی اور روحانی ہوا ہوں ۔ ع

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میری قسمت کی یہ بھی معراج سعادت ہے کہ مرض الموت کے آخری ایام میں حضرت والا قدس سرہ العزیز نے از خود مجھ سے ہومیوپیتھک علاج کی خواہش ظاہر فرمائی اور تین دن تک ہومیو پیتھک علاج جاری رہا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے علاج شروع ہونے پر پہلے ہی مجھ سے یہ فرمایا کہ تم اطمینان سے علاج کرو انجام مجھے معلوم ہے اور دوران علاج ایک ایسی بات فرمائی جس سے میرے دل وجان میں ایک ارتعاشی کیفیت پیدا ہو گئی جس کے شرح و بیان کے لئے میری تمام قوت اظہار آج تک عاجز و قاصر ہے۔ بس اسی قدر ممکن ہے کہ واقعہ تحریر کر دوں اور کیفیات کا تموج اپنے دل ہی میں رہنے دوں۔ دوران علاج ایک دن تنہائی میں مجھ کو بلا کر فرمایا کہ بھائی مجھ سے پرہیزی غذائیں نہیں کھاتے بنتیں میں نے عرض کیا کہ حضرت چونکہ اسہال بعدی میں حضرت کے ضعف اور مرض کے لحاظ سے ہلکی اور زود ہضم غذائیں ہی تجویز کی جا سکتی ہیں۔ فرمایا۔ جی ہاں۔ ساری مشق اور احتیاط پرہیز ہمارے ہی لئے ہے ہم نے تو تم سے کوئی پرہیز کرایا نہیں صرف معمولی نوک پلک درست کر کے جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ خیر۔ اب کچھ تو غذا میں وسعت ہونا چاہیئے۔ میرے اوپر جو کیفیت شرم وندامت اور رعب کی طاری تھی مجھ سے کچھ جواب ہی نہ بن پڑا۔ میں نے عرض کیا حضرت اپنے مرغوبات کا اظہار فرمادیں۔ فرمایا بھائی میں تو دیہاتی ہوں مجھ کو تیل کی تلی ہوئی چیزیں دہی بڑے وغیرہ پسند ہیں خیر اچھا نہ سہی۔ انڈے کھا سکتا ہوں۔ چائے پی سکتا ہوں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا کس تعداد میں کس مقدار میں۔ میں نے مؤدبانہ یہ عرض کر دیا کہ حضرت کی جس قدر بھی خواہش ہو۔ تین دن کے بعد حضرت کے ایک سابق مزاج دان طبیب تشریف لے آئے اور حضرت کے ایماء سے انہوں نے علاج اپنے ہاتھ میں لے لیا لیکن حضرت کا کمال اور دل نوازی دیکھئے ایک پرچہ تحریر فرما کر مجھے دیا جس میں لکھا تھا کہ چونکہ حکیم صاحب میرے پرانے طبیب ہیں اور دوا پرہیز کا صحیح اندازہ رکھتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کے اصرار پر ان کا علاج شروع کر دیا ہے۔ آپ اپنے طور پر کچھ اور خیال نہ فرمادیں۔ فقط

مختصر یہ کہ اس وقت میری جو موجودہ حالت ظاہری و باطنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام تر انعامات و احسانات جو میرے شاملِ حال ہیں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کا کرشمہ ہے ؎

عاقبت پیرِ مغاں نے ایسی کچھ ڈالی نظر
میری ہستی مظہرِ اعجاز ہو کر رہ گئی

یا پھر تحدیثِ نعمت پر یہ عرض کرتا ہوں۔

؎ باریابِ مجلسِ اشرف رہا ہوں عارفیؔ
یہ شرف میرے لئے سرمایۂ صد ناز ہے
دیکھتے ہیں مجھ کو عزت کی نگاہ سے اہلِ دل
اللہ اللہ ان کی نسبت میں بھی کیا اعجاز ہے

سب کا خلاصہ یہ ہے ؎

کیمیا ئیست عجب بندگیٔ پیرِ مغاں
خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

اب دعا یہ ہے کہ اے اللہ بغیر کسی استحقاق کے جب آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے ایسے مقبول برگزیدہ اور مقرب بندے سے وابستہ فرمایا ہے تو اے اللہ اس زندگی میں اس نسبت گرامی کے صدقے میں حضرت مرشد شیخ کے صحیح ذوق و صحیح مسلک کی اتباع کامل و واثق و راسخ عطا فرمائیں اور انہی کی وابستگی میں محشور فرمائیے اور اپنے محبوب نبی کریم رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ نصیب فرمایئے اور اپنی رضائے کاملہ کا موجب بنایئے۔ اور حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے فیوض و برکات ان کی تصانیف و مواعظ کے ذریعہ سے تمام امت مسلمہ کو مستفیض فرمائیے۔

مولانا محمد یوسف بنوری

مُجازِ صُحبت

مولانا محمد یوسف بن مولانا سید محمد زکریا پشاور کے ایک گاؤں میں ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ میں پیدا ہوئے چونکہ آپ کے عزیزوں میں بعض خاندان کابل میں آباد تھے اس لئے آپ کی ابتدائی زندگی پشاور شہر اور افغانستان میں گزری۔ بسم اللہ کابل کے ایک مکتب میں ہوئی اور قرآن کریم اور دینی علوم کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم پشاور اور افغانستان کے جید علماء سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے اعلیٰ تعلیم کے لئے دار العلوم دیوبند کا رُخ کیا۔ وہاں دو سال علوم کی اعلیٰ تعلیم کے بعد جب حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری دار العلوم دیوبند سے کنارہ کش ہو گئے تو اساتذہ اور طلباء کا جو قافلہ ان کے ہمراہ ڈابھیل ضلع سورت گیا تھا۔ آپ بھی اس قافلہ کے ایک فرد تھے۔

دورہ حدیث کی آخری سند حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حاصل کی۔ مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے اساتذہ کے تلمذ اور رفاقت نے آپ کے علوم کو چار چاند لگا دیے۔ دار العلوم دیوبند ہی کی سرزمین میں آپ کو مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے موطا مالک میں شرفِ تلمذ اور استفادہ کا موقع ملا تھا اور ان سے خصوصی تعلق پیدا ہو گیا تھا اس لئے ڈابھیل میں سہ ماہی اور ششماہی امتحانات کے پرچے اساتذہ نے دیکھنے کے بعد بمشورہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب سالانہ اور آخری امتحان سے قبل ہی آپ کا بعہدہ مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تقرر ہو گیا تھا۔ ادھر حضرت شاہ صاحب نے آپ سے فرما دیا تھا کہ میں

تمہیں اپنے ساتھ ملحق کر دوں گا" (یہ مبارک الفاظ ایسے ہی فرمائے تھے اس لئے ان کو باقی رکھا گیا)
مقصد یہ تھا کہ تم میرے ساتھ رہو گے اور علمی مسودات کی تبییض و ترتیب میں میرے ساتھ کام کرو گے
چنانچہ فراغت کے بعد شعبان ۱۳۴۶ھ سے جمادی الاول ۱۳۴۸ھ تک آپ حضرت شاہ صاحب
کی خدمت میں رہے اور مختلف موضوعاتِ حدیث و کلام حضرت کے حکم سے مکمل کرتے رہے۔

۱۳۵۲ھ میں حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد "جامعہ اسلامیہ" ڈابھیل میں تدریس
کا کام شروع کیا اور صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۳۵۶ھ مجلس علمی ڈابھیل
کی طرف سے مصر، یونان، ترکی اور حجاز مقدس کا سفر کیا اور تقریباً ڈیڑھ سال تک ان بلاد میں قیام فرمایا
اس سفر میں آپ نے بڑی بڑی علمی شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں اور عام استفادہ کیا۔ اس سلسلہ میں
علامہ محمد زاہد کوثری، شیخ خلیل خالدی مقدسی، شیخ عمر بن حمدان مالکی مغربی شیخ حبیب اللہ بن مایا بن
شنقیطس قابل ذکر ہیں۔

جنوری ۱۹۵۱ء میں پاکستان تشریف لے آئے اور "دار العلوم اسلامیہ" ٹنڈو الہ یار میں شیخ التفسیر
اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور علومِ قرآن و حدیث سے طلبہ کو سیراب فرماتے رہے
اور چند سال بعد کراچی تشریف لے آئے اور استخارہ کی غرض سے حرمین شریف کا سفر اختیار کیا اور
حج سے فراغت کے بعد ایک علمی ادارے کی "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" کے نام سے بنیاد ڈالی۔

عربی ادب اور شاعری

عربی ادب میں آپ نہایت بلند پایہ ادیب اور اونچے درجے کے ذوقِ عربیت کے مالک
ہیں۔ زبان و قلم میں شوکت و سلاست، فصاحت و بلاغت، متانت و پختگی آپ کا طغریٔ امتیاز ہے
آپ کے علمی و ادبی مضامین دنیائے عرب کے کسی بھی بلند پایہ ادیب سے کم نہیں، عرب ممالک
کے اہل علم کو اس کا اعتراف ہے اور آپ کی تالیفات اور علمی مقالات اس پر شاہد ہیں۔ سرورِ کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں دو قصیدے لکھے ہیں جن میں سے ایک ہندوستان میں لکھا تھا جسے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کے سامنے پڑھا اور جو قاہرہ کے علمی رسالہ "الاسلام" میں شائع ہوا

اور علماء و فضلاء سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ تدریس کے ساتھ آپ کا محبوب فطری مشغلہ تصنیف و تالیف رہا، چنانچہ آپ نے بلند پایہ علمی تالیفات مرتب فرمائیں جن میں "معارف السنن" شرح جامع ترمذی" "بغیۃ الاریب فی احکام القبلۃ والمحاریب" "نفحۃ العنبر" فی ہدی الشیخ انور" قابل ذکر ہیں۔ یہ سب کتابیں عربی زبان میں ہیں۔

حضرت حکیم الامت سے تعلق

۱۳۵۸ھ میں تھانہ بھون باجازت حاضری ہوئی یہ دوسری حاضری تھی پہلی حاضری ۱۳۵۲ھ صفر میں ہوئی تھی۔ دوسری حاضری کے بعد مراسلت جاری رہی۔ اس دوران میں ایک خط آیا کہ توکل علی اللہ آپ کو مجازِ صحبت مقرر کیا ہے۔ عذر کیا قبول نہ ہوا۔

آپ نے ۱۳۵۶ھ ذی الحجہ میں مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا محمد شفیع الدین صاحب نگینوی مہاجر مکی خلیفہ حضرت مولانا امداد اللہ المہاجر المکی کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور عند البیعت مجاز بنائے گئے

حضرت تھانوی کی ذکاوت اور حسنِ انتظام عدم اضاعت اوقات اور کمالِ تربیت اور اصلاحِ نفس کی کمال اہلیت اور علوم تصوف میں مجتہدانہ ذوق و بصیرت یہ صفات و کمالات آپ کے نزدیک ان کی حیاتِ طیبہ کے نمایاں پہلو ہیں۔

مولانا فقیر محمد

مجازِ بیعت

آپ کے والد صاحب کا نام خان محمد خان ہے۔ مہمند ایجنسی میں ۱۹۱۱ء کے لگ بھگ پیدائش ہوئی۔ آپ کے دادا خائستہ خان بہت بڑے عالم باعمل بزرگ تھے۔ آپ کے والد صاحب نے آپ کو دینی تعلیم کے لئے وقف کیا چونکہ اپنے آبائی علاقہ میں دینی تعلیم کا کوئی بندوبست نہ تھا اس لئے تحصیل چارسدہ میں قرآن مجید اور چھوٹی کتابیں پڑھ کر امرتسر میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے اور تعلیم کے سلسلہ میں تقریباً دس سال تک امرتسر میں رہے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے آپ کے ذہن میں اگر کوئی سوال پیدا ہوتا تھا اس کا جواب خود بخود آپ کے ذہن میں آجاتا اور یہ سب کچھ حضرت مفتی صاحب کی توجہ کا نتیجہ تھا۔ فرماتے ہیں ایک دفعہ میرے ذہن میں ایک ایسا سوال پیدا ہوا جس کے متعلق میرا خیال تھا کہ اس کا جواب کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ جب مَیں نے وہ سوال حضرت استاذی سے کیا تو آپ نے دو الفاظ سے مجھے مطمئن کر دیا۔ صاحبِ کشف ہونے کی وجہ سے ہنس کر فرمانے لگے کہ "اب تو مطمئن ہو گئے کہ نہیں تمہارا تو خیال تھا کہ اس کا جواب بہت مشکل ہے۔ یہ سب کچھ حضرتِ حکیم الامت قدس سرہ کی برکت سے ہے۔"

آپ اس تمام عرصہ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ ساتھ تھانہ بھون تشریف لے جاتے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے ملاقات کے بعد سے حضرت مفتی صاحب جب کبھی حدیث

تفسیر یا وعظ فرماتے تو آپ پر محبت یا خوف کی وجہ سے گریہ طاری ہو جاتا اور ابھی تک یہی حالت ہے۔ حدیث شریف یا درسِ قرآن مجید کے دوران جب آپ پر گریہ طاری ہوتا تو چڑیاں آپ کے سر پر آکر بیٹھ جاتیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کو سر ہلانے سے منع کرتے اور فرماتے کہ صحابہ کرامؓ کی بھی یہی شان تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اگر کوئی پرندہ ان کے سر پر بیٹھ جاتا تو وہ اتنے جم کر بیٹھ جاتے کہ پرندہ ان کے سر سے نہیں اڑتا تھا۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی مجلس میں بھی آپ پر گریہ طاری ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب آپ کو چھوڑ کر اکیلے ہی تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے پوچھا کہ فقیر محمد کا کیا حال ہے حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ آج کل بہت گریہ طاری ہے اور اسی وجہ سے ان کو چھوڑ آیا ہوں کہ کہیں حضرت کو تکلیف نہ ہو تو حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ "اس کے گریہ سے مجھ کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی" جب بھی آپ تھانہ بھون تشریف لے جاتے تو حضرت حکیم الامت مصافحہ کے وقت فرماتے "رونق آگئی رونق آگئی"۔

ایک مرتبہ آپ رمضان المبارک میں حضرت مفتی صاحب کے ہمراہ تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ صبح کی نماز حضرت حکیم الامت خود پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دن نماز میں گریہ طاری ہوا جو نماز کے بعد بہت زیادہ ہو گیا اور آپ روتے روتے مصلّٰی تک آپ کے ہاتھ چومنے کے لئے پہنچے۔ حضرت مفتی صاحب آپ کو کھینچ رہے تھے کیونکہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی طبیعت بہت ہی نازک تھی اور ڈر تھا کہ کہیں ان کے ساتھ آپ کو بھی خانقاہ سے نہ نکال دیں لیکن حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا "مولوی فقیر محمد حوصلہ کرو اپنی جگہ بیٹھو"۔

طالب علمی کے زمانے ہی سے حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے خط و کتابت شروع کر دی اگر کبھی خط میں کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو حضرت قدس سرہ بہت ڈانٹتے تھے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو دیکھتے ہی دنیا سے تعلق منقطع ہو گیا۔ ہر وقت آخرت ہی سامنے رہتی۔ حضرت قدس سرہ سے اپنا تعلق یوں بیان فرمایا "حضرت رحمۃ اللہ علیہ میرے لئے آئینہ باطن تھے ہر عیب اور خوبی مجھے ان

کے ذریعے سے معلوم ہوتی تھی اور اس کی اصلاح بھی کرتے۔ ان کی مجلس سے مجھے جو کچھ ملا ہے میں اسے ظاہر نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ راز کی باتیں ہیں۔ حضرت دین اور دنیا دونوں کے کفیل تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا جاؤ شادی کرو شادی پر جو خرچ ہوگا میں دیدوں گا۔ بیعت کے لئے مَیں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تو آپ نے تحریر فرمایا کہ اجازت ہے جب تھانہ بھون آؤ تو یہ خط لیٹر بکس میں ڈال دو۔ میں نے جب خط پڑا تو خوشی کے مارے باقی خط نہ پڑھا اور تھانہ بھون پہنچ کر خط لے کر ہاتھ میں دے دیا۔ حضرت نے فرمایا اتنی بے پرواہی نکلو خانقاہ سے۔ مَیں خانقاہ سے نکل کر عید گاہ جا پہنچا۔ وہاں بیٹھ کر رو رہا تھا کہ کچھ لوگ مولانا شبیر علی صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ خانقاہ کا ایک آدمی وہاں رو رہا ہے کہیں وہ مر نہ جائے۔ مولانا صاحب نے حاجی شمشاد علی صاحب کو پانی دے کر بھیجا۔ انہوں نے مجھے بلایا اور عصر کے وقت خانقاہ لے آئے۔ حضرت اقدس خود نماز پڑھا رہے تھے۔ مَیں نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی اور گریہ طاری ہو گیا پھر حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ عداوت تھوڑی ہے۔ سہارن پور جاؤ اور وہاں سے خط و کتابت کرو اور طریقہ سے کام کرو۔ مَیں وہاں سے فوراً رات کی گاڑی سے سہارن پور گیا۔ ایک دو خط لکھنے کے بعد مجھے معاف کیا اور بیعت فرمایا۔ جب حضرت قدس سرہ مجھے ڈانٹ کر میری اصلاح فرماتے تو بعد میں یہ فرماتے کہ "میرا حوصلہ کم نہیں تم سرحد کے رہنے والے ہو اور ہم بلخ کے رہنے والے ہیں مگر اصلاح بھی ضروری ہے"۔ ایک دفعہ ایک خاص مجلس تھی وصل بلگرامی مرحوم اس مجلس میں خاص لوگوں کو بلا رہے تھے۔ وصل صاحب نے حضرت سے فرمایا کہ مولوی فقیر محمد کو بلاؤں۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا "ضرور ضرور اسے تو ڈانٹ ڈپٹ کر ہم نے سیدھا کر لیا ہے"۔

آپ پر حضرت قدس سرہ کی خاص توجہ تھی۔ جب حضرت قدس سرہ نے دانت بنوانے کی غرض سے لاہور کا سفر اختیار کیا تو راستہ میں حضرت حکیم الامت نے آپ کا تذکرہ جن الفاظ میں کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت قدس سرہ کی آپ پر کس قدر عنایات تھیں۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے آپ کو مجازینِ بیعت کی فہرست میں داخل کرتے ہوئے مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا۔

خود بخود قلب میں وارد ہوا کہ میں تم کو تلقین وبیعت دونوں کی اجازت دے دوں چنانچہ توکلاً علی اللہ تعالیٰ اجازت دیتا ہوں اگر کوئی طالبِ حق درخواست کرے انکار نہ کریں اور اپنے خاص دوستوں کو اس کی اطلاع کردیں اور مجھ کو اپنا پتہ جس سے ڈاک پہنچ سکے لکھ بھیجیں میں اپنی یادداشت میں اس کو درج کروں گا۔ فقط اشرف علی"

اس پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ جناب مولوی شبیر علی صاحب کے ذریعہ سے دوسری اطلاع ارسال فرمائی اور تحریر فرمایا کہ (یہ پرچہ مولوی فقیر محمد سرحدی کو دے دیا جاوے اگر موجود ہوں، ورنہ تلف کردیا جاوے) وھو ہذا۔ از اشرف علی۔ مشفقم مولوی فقیر محمد سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بیساختہ میرے قلب میں وارد ہوتا ہے کہ تم کو بیعت اور تلقین کی اجازت توکلاً علی اللہ تعالیٰ دے دوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم سے نفع پہنچاوے، سو اگر تم سے کوئی طالب بیعت اور تلقین کی درخواست کرے تو تم انکار نہ کرنا۔ انشاء اللہ تعالیٰ جانبین میں برکت ہوگی اور اپنے خاص خیرخواہوں کو اس اجازت کی اطلاع کردینا اور اپنا پتہ جس سے ڈاک میں خط پہنچ سکے لکھ کر میرے پاس بھیج دینا۔ میں اہلِ اجازت کے پتے اپنے پاس منضبط رکھتا ہوں اور موقع پر شائع کردیتا ہوں۔ والسلام از لکھنؤ امین آباد پارک نمبر ۳۷ معرفت شیخ محمد حسن صاحب باقی خیریت ہے الحمدللہ صحت ہوگئی صرف ضعف کسی قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ دوستوں سے جلد ملاوے۔

۹ رجب ۵۰ھ"۔

ایک دفعہ پٹنہ میں مولانا فقیر محمد صاحب نے دعا کی کہ یا اللہ مجھے حضرت سے کسی وقت بھی جدا نہ کرنا۔ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے ایسی قبول فرمائی کہ چھ ماہ صبح سے شام تک کسی وقت بھی ان سے جدا نہ ہوئے۔ حضرت حکیم الامت کی خدمت کا یہ شرف مولانا عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ اور آپ دونوں کو حاصل ہوا۔ علالت کی حالت میں آپ دونوں تمام رات حضرت قدس سرہ کی خدمت

کرتے ایک دفعہ حضرت نے فرمایا تم دونوں نے میری بہت خدمت کی ہے۔ دونوں حضرات نے عرض کی کہ "یہ تو آپ کی کرم نوازی ہے کہ آپ ہم پہاڑی لوگوں سے خدمت کرواتے ہیں ورنہ آپ کے تو ہزاروں خادم موجود ہیں" حضرت قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "یہ دونوں میری خدمت بھی کرتے ہیں اور میرا احسان بھی مانتے ہیں"۔

آپ نے حضرت قدس سرہ سے اپنی آخری ملاقات کا حال یوں بیان فرمایا "وفات سے ایک ہفتہ قبل تھانہ بھون سے چلا۔ وہ آخری وقت تھا۔ ہر چیز گریہ معلوم ہوتی تھی۔ مسجد کے ستون محراب شریف۔ سہ دری شریف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا گھر سب رو رہے تھے۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی ہے اور میں یہ صدمہ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے وہاں سے نکلا۔ ایک ہفتے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں پھر وطن سے تھانہ بھون گیا۔ مزار شریف پر حاضری دی گریہ طاری تھا۔ خواجہ صاحب اور ڈپٹی صاحب تشریف لائے اور مجھے خانقاہ لے گئے اور دل سے ایسا رونا نکلتا تھا کہ سب خانقاہ والے رو رہے تھے ایک ماہ رہ کر پھر وطن واپس آگیا۔ اب یتیم بے سہارا رہ گیا ہوں۔ خدا مدد کرے"۔

خواجہ عزیز الحسنؒ مجذوب

مُجازِ بیعتؒ

خواجہ عزیز الحسن مجذوب کی تاریخ پیدائش ۱۲ جون ۱۸۸۴ء ہے۔ ایم اے او کالج علی گڑھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر فائز ہو گئے مگر سات برس بعد نصف تنخواہ پر محکمہ تعلیم میں اپنی خدمات منتقل کروالیں اور انسپکٹر آف سکولز کے عہدہ پر ترقی پائی۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو آپ سے خصوصی تعلق تھا۔ ۱۳۲۶ھ میں حضرت تھانوی قدس سرہ الٰہ آباد تشریف لائے خواجہ صاحب کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ بے تابانہ جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے۔ اپنی پہلی ملاقات کے متعلق خود فرمایا" جلتی دھوپ میں دو ڈھائی میل کی مسافت طے کر کے پہنچا۔ حضرت اس وقت قیلولہ فرما رہے تھے۔ نماز ظہر کا وقت آیا۔ حضرت بیدار ہو کر قیامگاہ سے باہر نکلے۔ حضرت والا حسب عادت نیچی نگاہیں کئے مستانہ وار جھومتے ہوئے اس شان سے تشریف لا رہے تھے کہ چہرہ مبارک تو نہایت شاہانہ مگر لباس بالکل فقیرانہ بالکل سادہ کرتہ اور کرتے کے اوپر کا بٹن کھلا ہوا۔ کاندھے پر رومال آنکھیں سرمگیں خمار آلود اور چونکہ سو کر تشریف لا رہے تھے لہٰذا قدرے سرخی مائل اور بال بھی کسی قدر بکھرے ہوئے تھے بس کسی یہ شعر بالکل حسب حال تھا اور ہو بہو صادق آرہا تھا ؎

قبا وا کردہ و کاکل پریشاں کردہ می آید

بہ بیں ایں بے سر و ساماں چہ ساماں کردہ می آید

حضرت تھانوی سے تعلق کے بعد آپ کی زندگی میں ایک انقلاب رونما ہو گیا تھا حقوق العباد کی ادائیگی پر خصوصی توجہ فرمانے لگے۔ ایک مرتبہ تھانہ بھون سے اپنے گھر تشریف لے جا رہے تھے سٹیشن ماسٹر سے کہا کہ میرے پاس اتنا زائد سامان ہے۔ میرے سامان کا وزن کر لیں تاکہ میں کرایہ ادا کر سکوں۔ سامان چونکہ کچھ زیادہ نہیں تھا اس لئے سٹیشن ماسٹر کہنے لگا کہ کوئی بات نہیں ایسے ہی لے جائیں مگر آپ اپنی بات پہ مصر رہے کہ سامان کا وزن کروایا جائے۔ اس بات کو دیکھ کر سٹیشن ماسٹر ایک دوسرے شخص کو انگریزی میں کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص نشے میں ہے۔ یہ سن کر خواجہ صاحب نے فرمایا "ہاں مجھے حقوق العباد کی ادائیگی کا نشہ چڑھا ہوا ہے"۔ خود حضرت تھانوی قدس سرہ نے آپ کے تقویٰ وطہارت کے متعلق فرمایا کہ "تقویٰ وطہارت بڑی چیز ہے مگر آج کل ہر طبقے میں اس کی کمی ہے۔ علماء و مشائخ میں اس کی کمی بہت مذموم ہے اور خدا کا فضل ہوتا ہے تو غیر علماء کو یہ دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ دیوبند مدرسہ میں خواجہ صاحب کا قیام ہوا شب کا وقت ہوا۔ خواجہ صاحب نے مہمان خانہ میں خادمِ مدرسہ کو روشنی کرنے کا حکم دیا۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ اگر یہ لالٹین اور تیل آپ کا نجی ہے تو پھر کوئی حرج نہیں اور اگر مدرسہ کا ہے تو میں خود انتظام کر لوں گا"۔ ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہ اور خواجہ صاحب جونپور سے بنارس کا سفر کر رہے تھے۔ صبح کی نماز حضرت حکیم الامت نے ڈبہ کے فرش پر ادا کی۔ حضرت خواجہ صاحب کو ڈبہ کی پاکی پر شبہ ہوا اور دریافت فرمایا کہ کیا اس پہ نماز ہو جائے گی۔ اس پر حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا "خواجہ صاحب کو تو تقویٰ کا ہیضہ ہو گیا ہے"۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ اور خواجہ صاحب کے تعلق کی مثال حضرت امیر خسرو اور اور حضرت سلطان جی رحمہم اللہ کی مانند تھی۔ ایک مرتبہ سفر دہلی میں خواجہ صاحب حضرت تھانوی قدس سرہ کے ہمراہ تھے۔ ایک روز حسبِ معمول سیر کے لئے تشریف لے گئے جو احباب سفر میں ساتھ تھے ان کو اس وقت ساتھ چلنے کی ممانعت فرما دی گئی۔ خواجہ صاحب بھی واپس جانے لگے تو حضرت قدس سرہ نے ان کو واپس بلا لیا۔ راستہ میں خواجہ صاحب سے فرمایا کہ "ممانعت تو ان لوگوں کے لئے

بھی جن سے بے تکلفی نہیں ہے۔ اگر ہر عورت چاہنے لگے کہ میرے ساتھ بی بی کا تعلق رکھا جائے تو یہ اس کی حماقت ہے"۔ ایک مرتبہ خواجہ صاحب نے حضرت قدس سرہ کو ایک خط لکھا حضرت سے والہانہ عقیدت ومحبت کی بنا پر خط کافی طویل ہوگیا۔ آخر میں طوالتِ مضمون پر معذرت چاہی اس پر حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا "محبوب کی زلفیں جتنی دراز ہوں اتنی ہی پسند ہوتی ہیں" ایک مرتبہ خواجہ صاحب تھانہ بھون تشریف لے گئے کچھ روز قیام کے بعد جب واپس جانے لگے تو کچھ نقد ہدیہ پیش کرنے کے لئے اپنی اچکن کی اوپر والی جیب سے روپیہ نکالنے لگے لیکن چونکہ جیب تنگ تھی اس لئے روپیہ نکالنے میں توقف ہوا اور کچھ دیر لگی۔ حضرت قدس سرہ نے اس پر مزاحاً فرمایا کہ روپیہ نہیں نکلتا تو اچکن ہی اتار کر مجھے دے دیں میں خود ہی نکال لوں گا"۔

ایک مرتبہ حضرت قدس سرہ نے خواجہ صاحب کے متعلق فرمایا کہ "خواجہ صاحب بے حد بے نفس آدمی ہیں" حضرت تھانوی قدس سرہ آپ کے اس شعر کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا تو خواجہ صاحب کو انعام دیتا۔

ہر تمنّا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت نے خواجہ صاحب کو ۴۰ یوم سکوت کا حکم دیا۔ ادھر حضرات فرنگی محل حضرت خواجہ صاحب کے کلام کے دلدادہ تھے جب ان کو حضرت قدس سرہ کے اس حکم کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کی خدمتِ اقدس میں ایک عریضہ لکھا کہ خواجہ صاحب کی شاعری ہم سب کے لئے غذائے روح ہے اور یہاں صرف مخصوص سامعین کی نشست ہوتی ہے۔ اس لئے درخواست ہے کہ یہاں کی نشست کو اس سے مستثنیٰ فرما دیں۔ حضرت قدس سرہ نے جواب دیا کہ میرا اور خواجہ صاحب کا تعلق مریض اور طبیب کا ہے۔ طبیب کا فرض ہے کہ وہ جن چیزوں کو مفید سمجھے استعمال کرائے اور جن کو مضر سمجھے ان سے پرہیز کرائے خواجہ صاحب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اگر چاہیں تو کسی دوسرے طبیب سے رجوع کرلیں۔ خواجہ صاحب نے جب یہ خط پڑھا تو چیخیں نکل گئیں غش کھا کر گر پڑے

بہت دیر بعد ہوش آیا تو روتے روتے فرمایا کہ "حضرت نے یہ کیسے لکھ دیا کہ دوسرے طبیب سے رجوع کیا جا سکتا ہے" یہ تھا عشق کا عالم حضرت تھانوی قدس سرہ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ صاحب کی حالت بہت ناقابلِ بیان ہو گئی تھی۔ آپ کی زبان پر اکثر یہ اشعار رہنے لگے۔

پھرتا ہوں دل میں یار کو مہماں کئے ہوئے
روئے زمیں کو کوچۂ جاناں کئے ہوئے
مَیں بے قرار کس کو خبر ہے کہ قلب میں
سامان صد قرار ہوں پنہاں کئے ہوئے

حضرت قدس سرہ کے انتقال کے بعد یہ فقرہ "اللہ میرے حضرت کے درجات کو بلند کرے" آپ کا تکیہ کلام بن گیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی ہندو وکیل سے کسی مقدمہ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے لیکن درمیان میں بار بار کہہ رہے تھے "اللہ میرے حضرت کے درجات کو بلند کرے۔ اللہ میرے حضرت کے درجات کو بلند کرے۔"

۱۷ اگست ۴۴ ۱۹ء کو چمنستانِ اشرفی کا یہ بلبل ہزار داستان اس دار فانی سے رخصت ہو کر وہاں پہنچ گیا جہاں کچھ عرصہ قبل اس کا محبوب گل سرسبد گلستان چشتیہ (حضرت تھانوی قدس سرہ) زینت بخش ہو چکا تھا۔

تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ذکرِ مجذوب

مولانا مسیح اللہ خان

مجازِ بیعت

آپ ۱۳۲۹ھ میں علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم درجہ ششم تک سرکاری سکول میں حاصل کی ساتھ ہی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ چونکہ دنیوی تعلیم سے کوئی مناسبت نہ تھی اس لئے دینی تعلیم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے اور دار العلوم دیوبند سے جملہ علومِ دینی میں سندِ فراغ حاصل کی۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے غائبانہ عقیدت تو بہشتی زیور اور دیگر کتب کے دیکھنے سے بچپن ہی میں پیدا ہو گئی تھی جس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ "حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے غائبانہ عقیدت ایسی تھی کہ باوجودیکہ بہت سے مشائخ کو دیکھا اور ان کے حلقے میں بسا اوقات بیٹھنے کا اتفاق ہوا مگر حضرت کے علاوہ کبھی کسی دوسرے کی طرف خیال بھی نہیں ہوا" آپ نے پہلی مرتبہ علی گڑھ میں حضرت قدس سرہ کی زیارت کی۔ دار العلوم دیوبند میں تشریف لانے کے بعد حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور باقاعدہ خط و کتابت شروع کر دی۔ پھر غالباً اسی سال حضرت سے بیعت کی درخواست کی جس کو آپ نے منظور فرما لیا۔ اصلاحی تعلق قائم ہونے کے بعد آپ برابر پابندی کے ساتھ اپنے باطنی حالات کی حضرت حکیم الامت کو اطلاع فرماتے رہے۔ رمضان المبارک کا زمانہ تھانہ بھون میں گزارتے۔

۱۳۵۱ھ میں آپ حسبِ معمول رمضان المبارک گذارنے تھانہ بھون تشریف لے گئے وہاں سے واپسی پر حضرت حکیم الامت کو خط لکھا جس کے جواب میں ۲۵ شوال ۱۳۵۱ھ کو حضرت قدس سرہ

نے آپ کو خلافت سے نوازا۔

آپ کا شمار حضرت قدس سرہ کے مخصوص خلفاء میں ہوتا ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اپنی علالت کے زمانہ میں گیارہ مخصوص خلفاء کے نام ایک اعلان کے ذریعے شائع فرمائے جس میں تحریر فرمایا کہ "اپنے چند مجازین کے نام لکھتا ہوں جن کی طرز تعلیم پر مجھے اعتماد ہے۔" ان گیارہ مخصوصین میں آپ کا نام بھی شامل تھا۔ حضرت حکیم الامت کو آپ پر جو خصوصی اعتماد تھا اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی کے دریافت کرنے پر حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ عیسیٰ (یعنی حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب) اور مسیح دونوں بڑھ گئے ہیں"۔ ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت نے جلال آباد ایک جلسہ میں سب لوگوں کے سامنے آپ سے فرمایا کہ "میرے جی میں ایک بات ہے اسے میں کیوں نہ کہہ دوں اور میں سب کے سامنے صاف صاف کہتا ہوں کہ مولوی مسیح اللہ صاحب سے مجھے محبت ہے"۔ حضرت حکیم الامت نے ایک بار آپ سے فرمایا کہ جو بات بار بار تقاضے کے ساتھ تمہارے دل میں آوے بس اسی پر عمل کرنا۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے آپ کو خصوصی عقیدت و محبت ہے یہی سبب ہے کہ شائد ہی آپ کی کوئی ایسی مجلس ہوگی جو حضرت حکیم الامت کے ملفوظات و ارشادات عالیہ کے بیان سے خالی ہو۔ جب کبھی اپنے شیخ کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ایک عجیب سوز عشق کی کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی ہے۔ جب کبھی کوئی مسئلہ بیان فرماتے ہیں تو بار بار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اپنے شیخ کی برکت سے عرض کر رہا ہوں۔ جلال آباد کے زمانہ قیام میں آپ ہمیشہ تھانہ بھون بالالتزام حاضر ہوتے رہے۔ خانقاہ میں مجلس عام و خاص ہر ایک میں آپ کو حاضری کا شرف حاصل تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ خاص مجلس میں آپ صرف اکیلے ہی ہوتے تھے۔ غایت احترام کی وجہ سے آپ حضرت قدس سرہ کے سامنے بہت کم بقدر ضرورت کلام فرماتے تھے۔ اس پر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ "آپ بولا کریں اور فرمایا کہ یہ میں نہیں کہہ رہا حضرت نے فرمایا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ مجھ سے بے تکلف ہوں ذرا بولا کریں"۔ اس سے حضرت قدس سرہ کا آپ سے خصوصی تعلق ظاہر ہے۔

مولانا عبدالعلیم

مجاز

مولانا عبدالعلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ موضع پنڈریہ ڈاک خانہ بڑا شام بازار ضلع بردوان کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار دیوانی عدالت کے سررشتہ دار اور نہایت ہی متمول اور صاحب جائیداد تھے۔ اپنے اکلوتے بیٹے (مولانا عبدالعلیم) کے لئے آپ کا کہنا یہ تھا کہ اگر میں اپنے بچے کو انگریزی پڑھاؤں گا تو اسکو دنیوی فائدہ تو ضرور ہوگا مگر میرا نقصان ہوگا اور اگر اسے کسی دینی درسگاہ کے حوالے کروں تو میری اور میرے بچے دونوں کی بھلائی ہوگی اسی لئے انہوں نے مولانا عبدالعلیم صاحب کو مولانا محمد اسحٰق بردوانی (خلیفہ حضرت حکیم الامت) کے زیر سایہ جامع العلوم کانپور میں تحصیلِ علم کے لئے بھیج دیا جہاں آپ نے دینی تعلیم حاصل کی۔ بردوان کا خطہ ہندوؤں کا تھا مگر سب لوگ آپ کی بے حد تعظیم کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کو تاحیات زبردستی یونین بورڈ کا صدر منتخب کرتے رہے۔ اس کے ذریعہ سے آپ رفاہ عام کے کام بھی بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ آپ کے تقویٰ وطہارت کے سبب ہندو سب ڈویژنل آفیسر تک آپ کے مداح تھے۔ ہندو آفیسر جب کبھی یونین بورڈ کے معائنہ کے لئے آتے تو آپ سے ازراہِ عقیدت درخواست کرتے کہ اپنی تسبیح ہمارے سروں پر پھیر دیجئے۔

مولانا ولی محمد بٹالوی

مجاز بیعت

مولانا ولی محمد صاحب بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کی والدہ نہایت دیندار اور عابدہ و زاہدہ تھیں اور اپنے بیٹے کے ولی ہونے کی دعائیں کیا کرتی تھیں۔ ایف اے تک انگریزی تعلیم حاصل کی اور فوج کے دفتر میں ہیڈ کلرک مقرر ہوئے۔ پوچھنے پر اکثر دنیوی تعلیم کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ تو جہالت کی تعلیم تھی۔ اللہ تعالےٰ نے ذہن اور فہم کمال کا عطا فرمایا تھا۔ اپنے کام میں اس قدر ہوشیار تھے کہ تمام افسر آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ ادھر حضرت تھانوی قدس سرہ سے تعلق پیدا ہوا۔ ادھر دل میں عشق الٰہی کی آگ لگ گئی اور ترکِ ملازمت کا پختہ ارادہ کر لیا۔ ایک روز گھر کا تمام فرنیچر اور سامان وغیرہ اکٹھا کر کے نیلام کر دیا۔ دوسرے تمام ساتھی حیران تھے کہ انہیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ سمجھانے لگے کہ آپ کے تمام افسر آپ سے خوش ہیں۔ آپ کی ترقی کے بھی مزید امکانات ہیں مگر استعفیٰ دے کر مدرسہ مظاہر العلوم میں داخلہ لے لیا۔ ملازمت چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی چونکہ سرکاری ملازمت چھوڑ کر مدرسہ میں تعلیم شروع کی تھی۔ اس لئے لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ الزام تراشی کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ حضرت ناظم صاحب نے آپ کے خورد و نوش کا انتظام محلے میں کسی کے گھر کر دیا۔ آپ فرماتے تھے کہ جب کھانا لینے جاتا تو اکثر سالن باسی ہوتا اور بعض اوقات مکھی وغیرہ تک پڑی ہوتی چنانچہ دو پیسے کا گڑ لا کر اس کے ساتھ روٹی کھا لیتا۔ حضرت تھانوی قدس سرہ کو جب مظاہر العلوم میں آپ کے داخلے کا علم ہوا تو ناظم صاحب کو تحریر فرمایا کہ ولی محمد میرا خاص آدمی ہے اس کا خاص خیال رکھنا۔ جب حضرت قدس سرہ کی چھٹی

مدرسہ پہنچی تو مدرسہ کے جملہ اراکین میں شور مچ گیا۔ وظیفہ مقرر ہوا۔ جب عام لوگوں کو معلوم ہوا کہ اتنی بڑی قربانی دے کر انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا ہے تو وہ بہت متاثر ہوئے۔ نواب ڈھاکہ جو حضرت قدس سرہ کے بہت معتقد تھے ایک معقول ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس پر فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنا کرم کیا کہ جس طرح اونچے پیمانے کا خورد و نوش ملازمت کی حالت میں تھا اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے پہنچا دیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم ہی میں مدرس مقرر ہو گئے۔ غالباً ۱۹۳۰ء میں رنگون کے ایک دینی مدرسہ میں درس و تدریس کے شغل میں مصروف ہو گئے۔

قیام پاکستان کے بعد راولپنڈی میں مدرسہ آثار الولی کی دوبارہ بنیاد رکھی اور دینی کاموں میں مشغول ہو گئے۔ ۲۱ر اپریل ۱۹۵۹ء کو راولپنڈی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

سیّد شاکر علی

مجاز صحبت

سید شاکر علی صاحب سرکاری ملازم تھے اور ملازمت کے سلسلہ میں زیادہ تر لکھم پور میں رہے شروع میں نہایت شوقین مزاج اور آزاد خیال انسان تھے۔ فطرتاً شعر و شاعری کا بہت ذوق تھا بڑے ظریف الطبع انسان تھے۔ کوٹ پتلون میں ملبوس رہتے تھے۔ غالباً ۱۹۲۲ء میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ حضرت سے تعلق کے بعد ان میں بڑا حیرت انگیز انقلاب رونما ہوا۔ لباس پوشاک میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔ داڑھی رکھ لی۔ گول پنج کلی ٹوپی لمبا کرتہ ہاتھ میں تسبیح۔ اسی ہیئت سے اپنی باقی ماندہ ملازمت ختم کی نماز قضاء عمری کا جب اہتمام کیا تو ایک ایک دن میں دس دس دن کی نماز قضا ادا کی۔ اس کے علاوہ تہجد اشراق چاشت اوابین نہایت پابندی سے ادا کرنے لگے۔ سب سے بڑی بات یہ کی کہ ملازمت کے سلسلے میں جن جن لوگوں سے رشوت لی تھی وہ سب رقوم ان لوگوں کا پتہ نکال نکال کر انہیں واپس کیں یہ سب حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے تعلق کا نتیجہ تھا۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر ان کے ملنے والوں میں بہت سے لوگوں کے دلوں میں دین کی محبت اور عظمت پیدا ہو گئی۔ حضرت حکیم الامت نے آپ کو مجازینِ صحبت میں شامل کر لیا تھا۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے پر الہ آباد اور پھر کانپور میں ہومیو پیتھک ڈاکٹری شروع کی۔ ۱۹۴۷ء میں کراچی تشریف لے آئے یہیں اسی سال جنت الفردوس کی راہ لی۔

شفیق احمد گنگوہی

مجازِ صحبت

شفیق احمد گنگوہی صاحب ۱۸۹۴ء میں گنگوہ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ کی عمر دس برس بھی نہیں تھی کہ اپنے پھوپھا شیخ نجف علی صاحب جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے ان سے نماز کے آداب سیکھنے لگے۔ ابتدائی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ چونکہ مالی حالت اچھی نہ تھی اس لیے دن میں ٹیوشن کرتے اور رات میں خود اپنی پڑھائی کرتے۔ بچپن ہی سے دوسروں کی مدد کرنا اپنا فرضِ اولین تصور کرتے۔ ۱۹۱۵ء میں پہلی مرتبہ بھوپال میں الیگزینڈر بورڈنگ میں صدر مدرس مقرر ہوئے اس بورڈنگ میں شاہی خاندان کے فرزندان رہتے تھے۔ جب کبھی بیگم صاحبہ بھوپال معائنہ کے لئے آتیں تو آپ کے حسنِ انتظام کی تعریف کیا کرتیں۔ ۱۹۳۴ء میں سلیمانیہ اورینٹل کالج میں پرنسپل مقرر کیے گئے اور ۱۹۵۰ء میں پنشن حاصل کی۔

شروع ہی سے آپ زندگی میں تصنع اور بناوٹ کے سخت مخالف تھے، سادہ زندگی پسند فرماتے تھے اور اپنے احباب کو بھی اس کی تلقین کرتے، نماز پابندی کے ساتھ وقت پر ادا کرتے۔ ایک مرتبہ ایک انگریز افسر نے ڈیوٹی پر تاخیر سے آنے کا سبب پوچھا تو فرمایا یہ نماز کا وقت ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ نماز آپ بعد میں بھی ادا کر سکتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا نماز پہلے نوکری بعد میں وہ افسر آپ کے اس بے باکانہ جواب سے بہت متاثر ہوا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ سے ۱۳۵۰ھ میں بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا۔ حضرت قدس سرہ نے آپ کو مجازینِ صحبت کی فہرست میں داخل فرمایا۔

شیخ ثامن علی سندیلوی

مجازِ بیعت

شیخ ثامن علی صاحب کے والد کا نام حاجی ضامن علی تھا۔ آپ کی قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی میں پیدائش ہوئی۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد تقریباً ایک سال محکمہ مال میں ملازمت کی لیکن طبعی مناسبت نہ ہونے کے سبب یہ ملازمت چھوڑ دی اور لکھنؤ کے ایک پرائیویٹ سکول میں ملازمت اختیار کرلی اور ساتھ ساتھ سلسلہ تعلیم بھی جاری رکھا تا آنکہ ۱۹۲۱ء میں الہ آباد سے بی اے بی ٹی کر کے گورنمنٹ ہائی سکول میں مدرس مقرر ہوگئے۔ ملازمت کا بیشتر حصہ سیتاپور کانپور اور للت پور میں گزرا۔

غالباً ۱۹۱۵ء میں جب حضرت حکیم الامت قدس سرہ ہردوئی میں اپنے مجازِ صحبت محمود الحق حقی صاحب ایڈووکیٹ کے یہاں تشریف لائے تو حضرت کی شہرتِ عام کی بنا پر ثامن علی صاحب بھی ملاقات کے لیے گئے۔ یہ حضرت تھانوی قدس سرہ سے پہلی ملاقات تھی اور یہیں سے حضرت تھانوی قدس سرہ سے اصلاحِ باطن کا آغاز ہوتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق آپ کو غالباً ۱۹۳۰ء میں اجازت بیعت و تلقین سے نوازا گیا اس وقت آپ گورنمنٹ ہائی سکول کانپور میں ملازم تھے۔

۱۹۴۸ء میں پاکستان تشریف لائے۔ چند ماہ کراچی میں قیام کے بعد مستقلاً سکھر میں قیام پذیر ہوگئے۔ ۱۹۵۰ء میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

مولانا ابرار الحق حقی

مجازِ بیعت

آپ کے والد محمود الحق حقی صاحب بھی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے مجازِ صحبت تھے آپ کا سلسلہ نسب حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی سے جا ملتا ہے۔ مولانا ابرار الحق کی ابتدائی تعلیم عربی، فارسی، اردو گھر پہ ہوئی۔ پھر سہارن پور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں داخل ہوئے۔ دوران طالب علمی آپ نے اپنی صالح اور ملکوتی زندگی کو اس طرح پیش کیا کہ مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ آپ کی طرزِ زندگی سے بہت متاثر ہوئے۔ دوران طالب علمی آپکو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ ہر ہفتہ سہارن پور سے تھانہ بھون حاضری ہوتی رہی۔ خصوصاً ایام تعطیل اپنے پیر و مرشد ہی کی خدمت میں گذارتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حکیم الامت کی خصوصی توجہ حاصل ہوئی۔ آپ کو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی طرف سے کم عمری ہی میں خلافت عطا کی گئی۔ اپنے پیر و مرشد کے حکم سے آپ نے ہردوئی جیسے کفرستان میں علم دین کی وہ شمع روشن کی جس کی روشنی سے عام مسلمان مستفید ہو رہے ہیں۔ ہردوئی میں ہی ایک مدرسہ اشرف المدارس کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسہ میں مقامی طلبہ کے علاوہ بیرونی اضلاع بمبئی۔ گجرات۔ حیدرآباد اور میسور وغیرہ کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں۔

اپنی دینی تڑپ اور لگن کے پیش نظر آپ نے اپنے پیر و مرشد کی قائم کردہ مجلس دعوۃ الحق میں جو کافی عرصہ سے گوشہ گمنامی میں تھی ہردوئی میں از سر نو قائم کیا۔ اس مجلس کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ اب اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی اب اس مجلس کی زیر نگرانی تبلیغی کام بھی ہو رہا ہے اور روح پرور اجتماعات بھی ہوتے رہتے ہیں جس کے سبب مسلمانان ہردوئی کے اندر ایمان کی حرارت پیدا ہوتی ہے۔

مولانا رسول خان

مجازِ بیعت

مولانا رسول خان صاحب ۱۸۷۱ء میں ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے. دیوبند میں تعلیم حاصل کی تعلیم سے فراغت کے بعد میرٹھ کے مدرسہ میں مدرسِ اول مقرر ہوئے بعد میں مولانا محمد احمد مہتمم دار العلوم دیوبند نے اپنے یہاں بلا لیا۔ آپ کے بارے میں مہتمم صاحب نے جو کلمات تحریر فرمائے وہ یوں تھے "مولوی صاحب ایک جامع معقول و منقول اور نہایت تجربہ کار با استعداد صالح و متدین شخص ہیں۔ سب علوم مستحضر ہیں۔ تقریر نہایت صاف اور طرز بیان موثر و دل آویز ہے" جب دار العلوم دیوبند میں کانگرس کا زور بڑھ گیا تو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے مشورہ اور اجازت سے اورنٹیل کالج لاہور تشریف لے آئے۔ تقریباً ۲۰ سال تک درس و تدریس کی اعلیٰ خدمات انجام دے کر ستمبر ۱۹۵۴ء میں سبکدوش ہوئے۔ اورنٹیل کالج لاہور کے آخری چار سالوں میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب کی درخواست پر جامعہ اشرفیہ میں پہلے جز وقتی طور پر پڑھانا شروع کیا۔ اور ریٹائرمنٹ کے بعد مستقل طور پر جامعہ اشرفیہ میں حدیث پڑھاتے رہے اور یہ تعلق وفات تک قائم رہا۔

آپ نے پہلے اپنے استاد حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے بیعت کی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد حکیم الامت قدس سرہ سے تعلق قائم ہوا۔ حضرت قدس سرہ نے ۳ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ میں آپ کو چاروں سلسلوں میں خلافت عطا فرمائی تھی۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ۱۹۳۰ء میں جب لاہور کا سفر اختیار کیا تو آپکی آمد و روانگی کی خبر کو آپ کی طبیعت کے پیش نظر خفیہ رکھا گیا لیکن اس کے باوجود

جب آپ لاہور میں تشریف لائے تو آپ کی آمد کی خبر شہر میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ بعد عصر مولانا رسول خان صاحب۔ مولانا عبدالحیٔ کیرانوی اور مولانا کریم بخش حضرت قدس سرہ سے ملاقات کی غرض سے تشریف لائے مولانا رسول خان صاحب کو تو ملاقات کی اجازت ہوگئی مگر باقی حضرات سے عذر کر دیا گیا۔ اس سے بھی حضرت قدس سرہ سے آپ کا قریبی تعلق ہونا ظاہر ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں کوئی ایسا عالم ہو گا جو آپ کا یا آپ کے شاگردوں کا شاگرد نہ ہو۔ ان تلامذہ میں قاری محمد طیب صاحب۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب۔ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری۔ مولانا شمس الحق سید صاحب افغانی۔ مولانا خیر محمد صاحب۔ مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ایک سو پندرہ سال کی عمر تک پہنچ جانے کے باوجود کبھی چشمہ استعمال نہیں کیا۔ ۱۳۹۱ھ میں اپنے آبائی وطن اچھڑیاں تشریف لے گئے۔ انتقال سے ایک دن پہلے رات کے وقت فرمایا کہ " وہ دیکھو شیطان کمرے میں گھس آیا ہے۔ پھر بڑی سختی اور رعب کے ساتھ فرمایا " اس شیطان کو باہر نکالو۔ اہل خانہ میں سے ایک آدمی کو کہا کہ لاٹھی لے کر اس کو مارو اور خود انگلی کے اشاروں سے بتاتے رہے اور وہ صاحب وہاں لاٹھیاں مارتے رہے حتیٰ کہ شیطان بھاگ گیا اور آپ نے فرمایا " اللہ کا شکر ہے کہ وہ دفع ہو گیا " پھر یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ملائکہ مبشرین کے جرگہ سے مصافحہ کر رہے ہیں اور فرمانے لگے کہ " معلوم ہے کہ یہ جو جرگہ آیا ہے اس کی غرض کیا ہے "۔ اتنے میں آپ کی بڑی صاحبزادی نے آپ سے اپنے گھر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا " نہ جاؤ آج میری آخری رات ہے کل تو میں آپ سے رخصت ہو جاؤں گا " چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۴ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء آپ کا انتقال ہو گیا۔

مولانا کفایت اللہ

شاہجہاں پوری

مجازِ بیعت

آپ محلہ جھنڈ جنگلہ شاہ جہاں پور کے باشندہ ہیں۔ شاہ جہاں پور کے قدیم ترین مدرسہ عین العلم میں فارسی اور جملہ علوم و فنونِ عربیہ کی تعلیم حاصل کی۔ منشی سید سلطان حسن میاں صاحب سے فارسی اور مفتی عبدالغنی سے درس نظامی کی تعلیم پائی۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں سندِ فراغ و دستارِ فضیلت حاصل کی۔ ۱۹ صفر ۱۳۴۰ھ بمطابق یکم نومبر ۱۹۲۱ء مدرسہ سعیدیہ جامع مسجد میں دینیات اور عربی کی تعلیم پر مقرر ہوئے ۱۹۳۱ء میں اسی مدرسہ میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ادب۔ حدیث اور جملہ علوم و فنون مروجہ کی نیک نامی کے ساتھ اس طرح تعلیم دیتے رہے کہ طلبار اور کارکنانِ مدرسہ خوش رہے۔ مدرسہ کی نگرانی اور دیکھ بھال اور فتویٰ نویسی کے فرائض بھی آپ کے سپرد کیے گئے۔

نیک طبیعت سادہ مزاج بے تکلف اور مستعد شخص ہیں۔ اپنے ذاتی کام بھی خود ہی انجام دیتے ہیں۔ آپ کی معاملہ فہمی اصابتِ رائے اور دیانت داری پر سب کو بھروسا اور اطمینان ہے حافظ ذاکر علی ایڈوکیٹ نے آپ کی کارکردگی کے بارے میں لکھا "مولوی کفایت اللہ مدرسہ سعیدیہ میں کئی سال مدرس رہے اور اب کئی سال سے صدر مدرس ہیں۔ میں نے ان کے کام کو برسوں دیکھا اور اچھا پایا محنتی شخص ہیں اور استعداد اچھی ہے۔ روپے پیسے کے معاملات میں قابل اطمینان ہیں منکسر المزاج ہیں اور مولویوں کی طرح گروہ بندی اور فتنہ اور فساد نہیں کرتے ہیں۔ مولانا مولوی اشرف علی

صاحب تھانوی کے خلیفہ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ جہاں کہیں بھی آپ مدرس ہوں گے۔ وہ درسگاہ ترقی پذیر ہوگی"۔

آپ کو تعلیم و تبلیغ اور مذہبی کاموں سے لگاؤ ہے۔ اسی سبب تبلیغی جماعت اور مجلس دعوۃ الحق ہر دوئی کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ مدت دراز سے ہر دوشنبہ کو نماز مغرب سے نماز عشار تک مسجد محلہ سنزئی شاہ جہاں پور میں اعزازی طور پر ترجمہ قرآن کریم بیان کرتے ہیں جس کو سامعین شوق اور توجہ سے سنتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً مناسب انداز میں بدعات و مرزائیت کی تردید کرتے رہتے ہیں۔ اس کا خیال رکھتے ہیں کہ ان کے قول و فعل سے کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے پرائے سب مداح ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

علمار و صلحار اور مشائخ عظام سے ملنے جلنے اور ان سے استفادہ کرنے کا شوق ہمیشہ سے ہے۔ حکیمانہ مواعظ و تالیفات کے پڑھنے اور اساتذہ وغیرہ کی زبانی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے کمالاتِ علمیہ کا حال سننے سے محبت و عقیدت پیدا ہوئی اور آپ سے خط و کتابت شروع کر دی۔ آغاز رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ کو پہلی بار تھانہ بھون حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی اور ۱۸ر رمضان المبارک کو بعد نماز ظہر خانقاہ میں حضرت قدس سرہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ وطن رہتے ہوئے حضرت کی صحت و عافیت اور اطلاعِ حال و استفادہ کے واسطے مکاتبت کا سلسلہ جاری رہا۔ تقریباً ایک سال کے فصل سے دس مرتبہ حضرت کی خدمت میں تھانہ بھون حاضری ہوئی۔ حضرت قدس سرہ جب علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لائے تو وہاں بھی دو مرتبہ حاضری ہوئی۔ حضرت والا ہمیشہ لطف و کرم اور خصوصی شفقت فرماتے رہے۔ مجلس میں عرض و معروض کا سلسلہ بھی جاری رہا جس کو حضرت نے کبھی منع نہیں فرمایا۔ بزمانہ قیام خانقاہ اکثر حضرت مفتی محمد حسن صاحب کا ساتھ رہتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے ایک مرتبہ آپ سے فرمایا کہ "حضرت قدس سرہ نے آپ کے اور میرے متعلق آج فرمایا کہ مجھ کو آپ لوگوں سے محبت ہے"۔

آپ کو حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ۵ر مئی ۱۹۳۵ء کو بذریعہ مندرجہ ذیل خط بیعت و تلقین کی

اجازت فرمائی "نئی بات یہ ہے کہ کئی روز سے بے ساختہ قلب میں وارد ہو رہا ہے کہ توکلاً علی اللہ ورجاءً النفع عباد اللہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دے دوں۔ اگر کوئی طالبِ حق اس کی درخواست کرے تو قبول کر لیں اور اپنے خاص احباب کو اس کی اطلاع کر دیں۔ اللہ برکت فرماوے اشرف علی" پھر خانقاہ کے پرچہ النور بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ میں جدید مجازینِ بیعت کی فہرست میں آپ کا نام بھی شائع کر دیا۔

جب کوئی چاہتا ہے اور طالب ہوتا ہے تو ارشادِ مرشد کی تعمیل میں اس کو داخلِ سلسلہ کر لیتے ہیں۔

مولانا حکیم عبدالخالق

مجازِ بیعت

مولانا حکیم عبدالخالق صاحب ٹانڈہ ہوشیار پور میں ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد میاں غلام نقشبند ایک نیک و صالح بزرگ اور بڑے زمیندار تھے۔ حکیم صاحب نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب سے ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید اصغر حسین صاحب سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد لکھنؤ کے طبیہ کالج میں داخلہ لیا اور نہایت اعزاز کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ امرتسر میں اپنا مطب قائم کیا۔ طب کا مشغلہ آپ کا ذریعہ معاش نہ تھا بلکہ یہ محض خدمتِ خلق کی غرض سے اختیار کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے تعلق قائم فرما دیا وہاں پہ دینی رنگ اور زیادہ چڑھ گیا۔ ہر سال رمضان المبارک خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں گذارتے تھے حضرت حکیم الامت نے آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت سے نوازا تھا۔

جب حکیم صاحب کی بیوی کا انتقال ہوا تو آپ نے حضرت تھانوی قدس سرہ کو اس کی اطلاع دی پھر مکرر خط لکھا کہ "میں پہلے بھی حضرت کو اطلاع دے چکا ہوں کہ میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ میری اہلیہ مجھے اس قدر محبوب تھی کہ مجھے اس کی جدائی کا تحمل نہیں۔ مجھے کسی پہلو قرار نہیں اب میرے لئے اندھیر ہے حضرت کوئی علاج ارشاد فرمائیں جس سے میرے دل کو قرار ہو۔ حضرت حکیم الامت نے جواب میں ارشاد فرمایا دنیا آرام کا گھر ہی نہیں ہمارا اصل گھر آخرت ہے

اصل آرام وہیں ملے گا۔ یہاں ہر تکلیف کے لئے تیار رہنا چاہیئے اور جس تکلیف سے آخرت بنتی ہو اس کا تحمل کرنا چاہیئے" جب یہ خط حکیم صاحب کو پہنچا تو حضرت کی خدمت میں لکھا کہ "خط مل گیا۔ حضرت کے تجویز کردہ علاج کو پڑھا ایک جادو اور شو منتر ہاتھ آگیا۔ غم کے سب بادل چھٹ گئے۔ دل کو قرار آگیا" حضرت حکیم الامت نے جب یہ خط پڑھا تو فرمایا کہ "مجھے حکیم صاحب کے اس خط سے بے حد خوشی ہوئی ہے۔"

ایک مرتبہ آپ نے حضرت قدس سرہ کی خدمت میں تحریر کیا کہ تصورِ شیخ سے طبیعت میں ایک قسم کا انتشار پیدا ہوتا ہے تو حضرت نے اس پر تحریر فرمایا ؎

دست بوسی چوں رسید از فضلِ شاہ
پائے بوسی اندر آں دم شد گناہ

آپ نے ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت کی خدمت میں تحریر کیا کہ اہلِ امرتسر حضور کی عنایت عامہ سے بہت خوش ہیں" اس پر حضرت قدس سرہ نے جواب میں تحریر فرمایا "میں خود ان کی محبت سے بہت متاثر ہوں۔

حکیم صاحب کو اپنے شیخ کے ساتھ جو محبت و عقیدت تھی اس کا اندازہ فیوض الخالق کے دیباچہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے انہوں نے مرتب کیا تھا۔ آپ نے عرض حال کے زیرِ عنوان لکھا "یہ مجموعہ حضرت سیدی و سندی حکیم الامت مجدد الملت قطب الارشاد حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کے ملفوظاتِ مبارکہ کا ہے جو اس خاکسار نے پانچ سال کے ہر ماہ رمضان شریف کی حاضری خانقاہ کے موقعہ پر حضرت والا کی مجلس شریف میں بیٹھ کر سنے اور ان کے متفرق حصوں کو ایک جگہ جمع کر کے حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس کو پسند فرمایا اور اس کا نام فیوض الخالق تجویز فرمایا چونکہ ان ملفوظات میں علوم و معارف کا ایک خاص ذخیرہ ہے اس لئے ان کو طباعت میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۱ فروری ۱۹۴۵ء کو آپ نے وفات پائی۔

مولانا شیر محمد

مہاجر مدنی

مجازِ بیعت

مولانا شیر محمد صاحب گھوٹکی سکھر میں سنہ ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید محمد عارف شاہ صاحب فارسی کے جید عالم اور بہت نیک آدمی تھے۔ ہر وقت تسبیح و تحلیل میں مصروف رہتے اپنے بڑے کا ادب بھی حد درجہ کرتے۔ یہاں تک کہ جب کبھی باہر جاتے تو اپنے بڑے چچازاد بھائی سے اجازت لے کر جایا کرتے۔ مہمان نوازی میں گھوٹکی شہر میں ان کے مثل کوئی اور نہیں تھا۔ اگر کبھی دشمنوں پر بھی کوئی تکلیف آن پڑتی تو ساری باتوں کو بھلا کر ان کی مدد کو جا پہنچتے۔

مولانا شیر محمد صاحب نے قرآن شریف ناظرہ پڑھ کر سندھی زبان میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد فارسی اور دیگر علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اپنی زمینداری کے کام میں مصروف ہو گئے۔ شکار اور گھوڑ سواری میں بہت ماہر تھے۔ اپنے والد کی طرح شروع ہی سے نماز روزہ کے پابند تھے۔ قرآن شریف کے ورد میں بھی کبھی ناغہ نہ ہونے دیتے۔ دیانت داری میں آپ بے مثل تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو بہت سے زیورات ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے ملے۔ اسی وقت تمام شہر میں اعلان کروا دیا کہ جس کے ہوں نشانی بتلا کر لے جائے۔ ایک ہندو آیا اس نے صحیح نشانی بتلا دی چنانچہ اس کو تمام زیورات بحفاظت پہنچا دیے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق آپ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ آپ کی تمام عمر دینی علوم کی خدمات

میں گزری اور عملی زندگی کا ہر پہلو عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا تھا۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واقوال کی اطاعت و پیروی کو فرضِ عین اور جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔ حُبِ رسول میں آپ کو فنا فی الرسول کا درجہ حاصل تھا۔ جب بھی کسی مجلس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ آتا تو آپ کی آنکھوں سے بے اختیار اشک رواں ہوجاتے۔ اکثر تنہائی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعت پڑھتے رہتے۔ اپنے ایک عزیز کو فرمایا کرتے تھے کہ "حبیب اللہ دعا کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں سو جاؤں مجھے ادھر چین نہیں آتا" اکثر یہ شعر بھی وردِ زبان رہتا۔

فرض کردم کہ بیادے تو دلم خرسند است
لیکن ایں دیدۂ دیدار طلب را چہ علاج

اگرچہ کئی بار آپ نے حج اور روضہ مبارک کی زیارت کی تھی مگر واپسی پر آپ پر پہلے سے زیادہ گریہ طاری ہوجاتا تھا۔ انجامِ کار آپ نے اس جذبہ محبت میں سرشار ہوکر وطن اولاد اور جملہ علائق دنیوی کو ترک کر کے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور عمر کے آخری چودہ سال بارگاہِ رسول میں گزار کر وہیں دفن ہونے کی ابدی سعادت حاصل کی۔ اگرچہ آپ کو وطن میں معیشت و معاشرت کی تمام و کمال سہولتیں حاصل تھیں۔ نیک و سعید اولاد موجود تھی مگر محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بے پناہ جذبے کے تحت آپ نے تمام آسائشوں کو ترک کر کے جوارِ پاک میں بقیہ زندگی اس طرح گزاری کہ چودہ برس تک خود اپنے ہاتھ سے اپنی روٹی پکا کر کھاتے رہے۔

سادگی آپ کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ مولانا منظور نعمانی نے اس ضمن میں لکھا کہ "جب الفرقان بریلی سے شائع ہونا شروع ہوا تو اس کے ابتدائی دور میں گھوٹکی سکھر سے سالانہ چندہ کا ایک منی آرڈر آیا۔ مرسل کا نام صرف "شیر محمد" لکھا ہوا تھا اور تحریر کی سادگی سے اس کا شبہ بھی نہیں ہوا کہ یہ کوئی طالب علم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ خریداروں کے رجسٹر میں صرف شیر محمد لکھ دیا۔ عرصہ کے بعد الفرقان میں ایک مضمون کے بارے میں ان صاحب کا خط آیا جس میں امداد الفتاویٰ کے حوالہ سے اس مسئلہ کے متعلق حضرت تھانوی کی ایک خاص تحقیق کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس خط سے پہلی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی عالمِ دین ہیں۔ جب مولانا

کے پاس الفرقان کا شمارہ پہنچا جس میں ان کا نام مولانا شیر محمد لکھا ہوا تھا تو ممدوح نے مجھے لکھا "میں عالم نہیں ہوں عامی ہوں۔ اکابر کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہے ان سے کچھ باتیں معلوم ہوگئی ہیں اس لئے میرے نام کے ساتھ مولانا نہ لکھا جائے۔"

حضرت تھانوی سے تعلق

آپ کو مسائل فقہ سے کافی دلچسپی تھی اسی غرض سے پنجاب اور سندھ کے علماء سے مسائل میں استفادہ فرماتے رہتے۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے بھی اسی سلسلہ میں بذریعہ خط و کتابت کئی مسائل دریافت فرمائے۔ اس طرح حضرت قدس سرہ کی کتابیں دیکھنے کا موقعہ ملا اور حضرت سے بیعت ہونے کا شوق پیدا ہوا اور اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے ایک خط میں کیا۔ حضرت قدس سرہ نے جواب میں فرمایا کہ میں خیرپور کسی کی دعوت پر آنے والا ہوں آپ مجھ سے خیرپور میں ملاقات کریں چنانچہ خیرپور میں آپ نے حضرت قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت سے تعلق سے پہلے آپ کے خاندان میں مروجہ رسوم و رواج کا بہت زور شور تھا مگر بیعت کے بعد آپ نے تمام رسومات کا خاتمہ کیا۔

سندھ میں ایک زمانہ میں کانگرس کا بہت زور شور تھا اور آپ کے اکثر احباب آپ کو کانگرس میں شرکت کی دعوت دیتے تھے مگر آپ فرماتے کہ ہم اپنے شیخ حضرت تھانوی کے پیچھے ہیں۔ اس معاملے میں ہماری کوئی رائے نہیں ہے۔

ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں کسی شخص نے حج بدل کرانے کے لئے رقم ارسال کی اگرچہ آپ کے یہاں بہت سے حضرات موجود رہتے مگر آپ نے حج بدل کے لئے آپ ہی کو منتخب فرمایا چنانچہ آپ نے حضرت تھانوی کے حکم پر عمل فرمایا۔

۱۳۸۶ھ میں آپ نے مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔

مولانا عبدالمجید بچھرانوی

مجازِ بیعت

مولانا عبدالمجید بچھرانوی ضلع مرادآباد کے راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن اور جوانی کے آغاز تک ہل چلاتے اور زمینداری کرتے رہے پھر اچانک ایک روز گھر سے بھاگ کر انبالہ حضرت سائیں توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں پہنچ گئے۔ آپ کے گھر والے تلاش کرتے کرتے انبالہ جا پہنچے اور سائیں توکل شاہ صاحب سے عرض کیا کہ ہمارا لڑکا آپ کے پاس آگیا ہے۔ حضرت نے آپ کے مونڈھے پکڑ کر ہلائے اور فرمایا "یہ ہمارا مست ہے" اس بات نے اتنا اثر دکھایا کہ زمینداری چھوڑ دینی تعلیم شروع کر دی اور حضرت گنگوہی سے بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔ تعلیم کے دوران اپنے استاد کے گھر کا کام کرتے، بچے کھلاتے آٹا پسواتے اور سخت سے سخت کام کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔

جب سوامی شردھانند نے آگرہ میں مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے شدھی تحریک کا آغاز کیا تو حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے مولانا عبدالکریم گمتھلوی اور آپ کو تبلیغی کاموں پر مقرر کیا۔ ان حضرات کو تبلیغ کے دوران نہ تو کسی سے کھانا کھانے کی اجازت تھی، نہ ہی نذرانہ یا چندہ وصول کرنے کا حکم تھا اور سواری لینے کی بھی ممانعت کر دی گئی تھی۔ آپ نے تبلیغ کے دوران عائد کی گئی تمام پابندیوں کو بخوشی تسلیم کیا اور بیس سال کے قریب بھرت پور، الور، گوڑگاؤں متھرا اور آگرہ میں دینی مدارس قائم کئے آپ کو تنخواہ خانقاہ امدادیہ سے ملتی رہی جو تیس روپے سے زائد کبھی نہیں ملی۔ اگرچہ دیہات میں سواری

مفت مل جاتی تھی مگر آپ ہمیشہ صندوق سر پر رکھ کر پیدل سفر کرتے۔ تبلیغ کے دوران مناجات مقبول یا حضرت تھانوی کے وعظ کی کتاب ساتھ رکھتے تھے۔ اس طرح ساتھ ہی ساتھ کتابوں کی تجارت بھی شروع کر دی اور جب تھانہ بھون سے تنخواہ بند ہوگئی تو آہستہ آہستہ ایک ایک دو دو کتابیں چھپوا کر دہلی میں ایک مسجد کے امام صاحب اور تھانہ بھون میں اپنے گھر میں رکھتے تھے۔

حضرت تھانوی کی مشہور کتاب تربیت السالک آپ ہی نے چھپوائی تھی یہ وہ کتاب ہے جو پاکستان میں تیس روپے تک بکی ہے پہلی مرتبہ کے بعد اب تک اس کو چھپوانے کی کسی میں ہمت نہیں ہوئی چونکہ تصوف کی کتاب ہے اس لئے اس کا فروخت ہونا مشکل تھا جب مولانا نے حضرت تھانوی سے کہا کہ میں چھپوا لوں تو آپ نے فرمایا کہ تمہاری نہ تو کوئی دوکان ہے نہ کتب خانہ یہ کیسے فروخت ہوگی۔ مولانا نے فرمایا کہ دوکاندار تو اس کو لے گا نہیں۔ میں چھپوا کر کچھ قرضداروں کو دیدوں گا۔ پھر جو باقی رہ جائے گی ہر سال زکوٰۃ میں دیتا رہوں گا۔ آپ کتاب کی اشاعت میں برابر دلچسپی لیتے رہے۔ مختلف کاتبوں سے نمونہ لکھوا کر حضرت تھانوی قدس سرہ کو دکھایا اور آپ کی پسند کے کاتب سے کتابت کروائی۔ پھر دہلی سے مختلف کاغذوں کے نمونے حضرت کی خدمت میں تھانہ بھون لے گئے اور جب یہ کتاب چھپ کر تیار ہوئی تو حضرت قدس سرہ نے اسے اپنے سر پر رکھ کر فرمایا کہ میری کوئی کتاب اتنی اچھی اور میری مرضی کے موافق نہیں چھپی ہے۔ مولانا عبدالمجید صاحب کو یہ بھی فرمایا کہ ایک چھوٹا سا پرچہ اشتہار کی صورت میں چھپوا لو میں اپنے خطوط میں رکھ دیا کروں گا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت قدس سرہ کی عادت یہ تھی کہ اگر کوئی کتاب کا پتہ پوچھتا تو کبھی اس کو سفارش نہ کرتے کہ فلاں کتب خانے سے خریدو اور یہ فرماتے کہ لوگ اس کو ترجیح سمجھیں گے۔

حضرت تھانوی سے تعلق

علم دین سے فراغت پر آپ نے تھانہ بھون میں مستقل رہائش اختیار کر لی جو کم و بیش تیس سال جاری رہی۔ آپ نے خانقاہ میں ذکر اس قدر کثرت سے کیا کہ دوسرے پیر بھائی کہتے تھے کہ

یہ پاگل ہو جائیں گے۔ حضرت تھانوی نے آپکو ۱۳۳۵ھ میں خلافت سے نوازنے کے ساتھ ساتھ وعظ کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی تھی جب حضرت قدس سرہ نے سفر کرنا بند کر دیا تو حضرت وعظ کے لئے آپ ہی کو بھیجا کرتے تھے۔

مولانا عبدالمجید صاحب نے حضرت گنگوہی کی وفات کے بعد حضرت تھانوی سے تعلق قائم کیا اور راہِ سلوک میں خوب محنت و مشقت کی۔ آپ کو کشف بہت ہونے لگا تھا یہاں تک کہ معمولی جڑی بوٹی بھی بولتی تھی کہ میں فلاں بیماری کا علاج ہوں۔ آپ نے ایک کاپی لے کر اس میں اپنے کشف اور جو بات ذہن میں آتی جمع فرمالی حضرت کو اسکی اطلاع ہوگئی تو ایک روز مجلس میں گول مول الفاظ میں سب کے سامنے کہا کہ یہ بڑا بننے اور اپنے کو بڑا سمجھنے کا مرض بہت برا ہے اگر کوئی ایسا مریض میری مجلس میں ہے تو یہاں سے چلا جائے۔ یہ بھی دراصل آپ کا بہت بڑا امتحان تھا کہ آیا خود اپنی غلطی کو مانتے ہیں یا نہیں۔ آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مجھ میں یہ مرض ہے۔ حضرت قدس نے فرمایا فوراً خانقاہ سے نکل جاؤ اور اہل خانقاہ سے کہا کہ ان سے کوئی بات نہ کرے۔ آپ نے وہ کاپی جلا دی اور سارا دن حجرے میں پڑے رہتے صرف نماز پڑھنے کے لئے باہر نکلا کرتے۔ دعا و استغفار کرتے رہتے کہ ایک روز حضرت قدس سرہ نے خود بخود کہلا بھیجا کہ مجھے خوش کرنا ہے تو آج نماز پڑھا دو آپ نے حسبِ حکم نماز پڑھائی اور حضرت کعب ابی مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بولنا بند کر دیا تھا اور پھر ان کی بریت پر جو آیات نازل ہوئی تھیں وہ نماز میں پڑھیں۔ نماز کے بعد حضرت تھانوی نے اعلان کیا کہ اب ان سے بولنے کی اجازت ہے اور اس واقعہ سے اگر کوئی ان کی تذلیل کرے گا تو اس کے اعمال حبط ہو جائیں گے مولانا کے پاس جو رقم تھی وہ حضرت قدس سرہ کو پیش کی کہ ہدیہ قبول فرمالیں وہ قبول فرمایا اور آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ میں نے ایسا مسہل آپ کو دیا ہے جو پہلے کسی کو نہیں دیا تھا۔ الحمدللہ آپ کامیاب ہوئے اور مجھے یہی امید تھی کہ آپ اسے برداشت کریں گے۔

آپ نے ۷ مارچ ۱۹۵۲ء کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔

مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

مجازِ بیعت

مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پور نرجا کے ایک گاؤں میں ۱۳۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ دس بارہ برس کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ گھر پر عربی اور فارسی کی ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد ۱۳۳۱ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۵ھ میں سندِ فراغ حاصل کی۔ علامہ سید انور شاہ صاحب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب آپ کے اساتذہ گرامی تھے۔ دورانِ تعلیم ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اصلاحِ اعمال کی فکر اور ذوقِ عبادت عطا فرمائی تھی۔ اجتماعات سے الگ تھلگ رہنے کے عادی تھے۔ خوش نصیبی سے طالب علمی کے زمانہ ہی میں آپ کو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی خدمت میں حاضری اور تربیتِ باطنی کا شرف حاصل ہو گیا اور نصابِ تعلیم کو پورا کر کے خانقاہِ تھانہ بھون کے ہو رہے۔ آپ کی فطری قابلیت کو اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی تربیت سے چار چاند لگا دیے اور بہت جلد باطنی تربیت مکمل کر کے حضرت قدس سرہ کے خلفاء مجاز میں شامل ہو گئے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کی وفات کے بعد آپکی ذات طالبین کا مرجع بن گئی۔ فتح پور کے زمانہ قیام میں قرب وجوار کے اضلاع کے علاوہ دوسرے علاقوں کے لوگ آپ تک پہنچتے رہتے اس کے بعد آپ گورکھپور تشریف لے آئے اور گورکھپور ایک دینی اور روحانی مرکز بن گیا۔ پھر آپ نے یہاں سے الہ آباد منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا جہاں آپ کی مقبولیت کا اس پیمانہ پر ظہور ہوا جو کبھی

کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواص اولیاء کے لئے ہوتا ہے۔

مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کو تلاوت کلام پاک کے لئے سختی سے تاکید کرتے اور نفاق جیسے روحانی خبث سے بچنے کی ہمیشہ تلقین فرماتے۔ اپنا محاسبہ کرنا ان کے ہر مرید پر لازم تھا۔ آپ کے اندازِ تربیت میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے اسلوبِ اصلاح کی جھلک پائی جاتی تھی۔ جو اپنی اصلاح کے لئے آتا اس پر خود بھی کڑی نظر رکھتے اور محاسبہ نفس کی تاکید فرماتے۔ مخاطبین میں وکلاء بیرسٹر جج اور اعلیٰ حکام سے لے کر رمضانی اور جمن سب موجود ہوتے مگر ہر شخص کا محاسبہ اس طرح کیا جاتا تھا جو اس شخص کے خاص نفسیاتی حالات کے لحاظ سے مفید ہو۔ فرمایا کرتے تھے کہ "یہ سمجھنا کہ میں صرف ڈانٹنا ہی جانتا ہوں بلکہ ضرورت کی بنا پر خلوص کے ساتھ اس کو اختیار کرتا ہوں ورنہ اگر خلوص نہ ہوتا تو کیوں کہتا۔ اور یہ سب کیوں خاموش رہتے" صبح کی مجلسِ خاص میں منتہی طلبا اور علماء شریک ہوتے اور بعد نماز ظہر کی مجلس میں عام لوگوں کو شرکت کی اجازت ہوتی۔ متوسلین و مریدین کی اصلاح کی خاطر وصیۃ السالکین۔ وصیۃ الاخلاص۔ وصیۃ الاخلاق۔ توقیر العلماء جیسی معرکۃ الآراء کتابیں تصنیف فرمائیں۔

آپ کا شمار حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ممتاز خلفاء میں ہوتا ہے۔ حضرت حکیم الامت کی آپ پر خاص عنایات تھیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "۱۳۴۶ھ کی پہلی حاضری تھانہ بھون میں روزانہ مجلسِ خاص و عام میں شرکت ہوتی تھی۔ ایک روز مجلس میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے مولانا وصی اللہ صاحب کا تذکرہ ایک خاص محبت و عنایت اور تحسین کے انداز میں فرمایا اور مجھ سے دریافت کیا کہ کیا آپ ان کو جانتے ہیں۔ تھانہ بھون کے اس قیام نے میرے قلب میں اپنے ہم سبق (شاہ وصی اللہ) کی سبقت کو قابلِ رشک اور اپنی تاخیر کو قابلِ حسرت و افسوس بنا دیا تھا۔ اس سوال پر بے ساختہ حضرت قدس سرہ کے سامنے یہ شعر نکل گیا ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

اس پر حضرت قدس سرہ نے ایک خاص لطف کے انداز میں ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ "ہاں یہاں یہی

دستور ہے کہ کسی کو صحرا دیا جاتا ہے کسی کو سہرا دیا جاتا ہے ہر ایک کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس پر راضی رہنا چاہیئے" بات آئی گئی ہوگئی لیکن اپنے اس صحرانورد ہم سبق دوست کے کمالات کی عظمت ہمیشہ دل میں رہی۔ اس وقت بھی میں یہ سمجھا کرتا تھا کہ حضرت حکیم الامت کے خلفاء میں ایک خاصی تعداد ایسے حضرات کی ہے جو اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب ہیں مگر ان کی روشنی اس آفتاب عالم تاب کے سامنے ظاہر نہیں ہوتی ان میں خصوصیت سے شاہ وصی اللہ صاحب اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب پر نظر جاتی تھی اور حضرت قدس سرہ کی وفات کے بعد ان آنکھوں نے اس کا مشاہدہ کر لیا کہ ان دونوں بزرگوں کی مجلس ایک کیمیا تاثیر رکھتی تھی"۔

زندگی کے آخری سالوں میں مختلف امراض کے سبب بمبئی میں آپ کا قیام ہونے لگا اور اللہ تعالٰے نے حضرت شاہ صاحب کے اس قیام بمبئی کو اہل بمبئی کے لئے رشد و ہدایت اور رحمت کا وسیلہ بنا دیا۔ شاید ہی اللہ کے کسی اور بندے سے اہل بمبئی کو اس قدر وسیع پیمانے پر اور اتنا عمیق دینی فائدہ پہنچا ہو۔ اللہ تعالٰے نے بمبئی کے تاجروں اور دوسرے اونچے طبقوں میں آپ کے سینکڑوں عشاق پیدا کر دیے جو خالص دنیادار تھے آپ کی صحبت کے سبب وہ اللہ والے بن گئے۔

۲۲ر نومبر ۱۹۶۷ء کو آپ نے حج کی غرض سے بحری سفر اختیار فرمایا اور ۲۵ر نومبر ۱۹۶۷ء کو جہاز پر ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔ مکہ مکرمہ میں آپ کو دفن کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر منشائے ایزدی کے تحت آپ کو سمندر کے حوالے کر دیا گیا۔

مسعود علی ندوی

مجازِ صحبت

آپ نے بارہ بنکی کے ایک قصبہ بھیارہ میں قدوائی خاندان کے ایک زمیندار گھرانے میں آنکھ کھولی۔ شہرت نے بچپن ہی سے قدم لینے شروع کر دیے تھے۔ سیاسی اور قومی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات میں آگے آگے تھے اور بقول مولانا عبدالماجد دریاآبادی "تحریک موالات والوں کی ایک دنیا شوکت علی کے اس خلیفہ یا لیفٹیننٹ کے نام اور کام سے گونج رہی تھی۔"

مولانا شبلی نعمانی پر اپنے حسن خدمات سے سکہ بٹھا دیا تھا۔ ان میں فطری دبدبہ تھا اور علمی کاموں میں انتظامی قابلیت سے زیادہ ان کا دبدبہ کام کرتا تھا۔ مولانا شبلی کی وفات کے بعد جب علمی جانشینی کی دستارِ فضیلت حضرت سید سلیمان ندوی کے سر بندھی تو دارالمصنفین کے پریس اور تمام انتظامی کام آپ کے سپرد کئے گئے۔ دارالمصنفین کی تمام عمارت، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شاندار مسجد، شبلی کالج کا وسیع کانووکیشن ہال آپ ہی کے ذوق کی یادگار ہیں۔

بڑے خوش گفتار، خوش سلیقہ اور خوش مزاج انسان تھے جس محفل میں بیٹھتے اس پر اپنی باتوں سے چھا جاتے تھے۔ ایک زمانہ میں آپ اعظم گڑھ میں تہذیب کے معلم سمجھے جاتے تھے۔ زندہ دلی شگفتہ مزاجی کے بادشاہ تھے ٹینس کے نہایت اچھے کھلاڑیوں میں شمار ہوتے تھے۔

آپ، کھانے پینے کے معاملہ میں بہت لطیف المزاج تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت پھولپوری خلیفہ

حضرت تھانوی قدس سرہ نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ "حاجی عبدالستار صاحب جو میرے پیر بھائی تھے۔ ان کو سفرِ حج میں واجد علی شاہ کا ایک باورچی ملا جو بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس نے ان کو کھانا پکانے کے لئے ایک نہایت عجیب چیز بتلائی جس کا میں نے تجربہ کیا اور بہت مفید پایا۔ اس نے کڑوے تیل کو گھی بنانے کا ایک قاعدہ بتایا اور اس قاعدے سے بالکل پتہ نہیں چلتا کہ کڑوا تیل ہے اس کڑوے تیل سے بریانی، پلاؤ جو مرضی پکائیں کسی کو تمیز نہیں ہو سکتی۔ اعظم گڑھ میں ہمارے پیر بھائی مسعود علی ندوی ہمارے مہمان ہوئے تو میں نے اسی طرح کڑوے تیل سے پلاؤ پکا کر کھلایا مولوی صاحب حالانکہ کھانے پینے میں بہت لطیف المزاج تھے لیکن ان کو بھی نہ پتہ چلا"۔

حضرت تھانوی قدس سرہ سے مدتوں باغی رہے مگر پھر زمانے نے ایسا جھکایا کہ ان ہی کے قدموں سے لگ گئے۔ تھانہ بھون جا کر لمبی حاضری دی اور حضرت تھانوی سے تعلق کے بعد اوراد و نوافل وغیرہ کے سختی سے پابند ہو گئے۔ حضرت سے تعلق یہاں تک بڑھ گیا کہ حضرت قدس سرہ نے مجازِ صحبت کے اعزاز سے نوازا۔

۲۷ راگست ۱۹۶۷ء کو آپ نے جنت کی راہ لی۔

مولانا صغیر محمد

مجازِ بیعت

آپ کی پیدائش ۱۸۳۴ء میں مغل ٹولی کملا میں ہوئی۔ مولانا صغیر محمد کے والد مولانا حافظ عزیز محمد صاحب مولانا حافظ نور محمد صاحب کے لڑکے تھے جنہیں حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت نامہ دے کر کابل سے بالاکوٹ آنے کا حکم دیا تھا۔ نور محمد صدیقی صاحب کابل سے بالاکوٹ آتے ہوئے لاپتہ ہو گئے۔ آپ کے صاحبزادہ عزیز محمد صاحب نے کانپور سے حفظِ قرآن کے بعد کلکتہ کے عالیہ کالج میں تعلیم حاصل کی پھر تجارت اور درسِ قرآن کے سلسلہ میں کلکتہ سے ڈھاکہ ہوتے ہوئے کملا پہنچے۔ کملا شہر میں الہ آباد کے مغل خان صاحب بہت بڑے تاجر تھے۔ انہوں نے اپنے نام سے موسوم کر کے ایک محلہ کا نام مغل ٹولی رکھا۔ مغل خان صاحب کی لڑکی سے عزیز محمد صاحب کی نسبت ہوئی۔ مغل ٹولی میں شاہ شجاع کی ایک مسجد تھی۔ اس میں انہوں نے ایک مدرسہ قائم کیا اور اس مسجد کی امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔ مولانا صغیر محمد صاحب نے اپنے والد سے قرآن حفظ کیا اور ابتدائی کتب پڑھیں۔ کچھ دنوں جونپور میں مولانا ابوالبشیر صاحب سے مشکوٰۃ اور جلالین پڑھیں پھر کانپور تشریف لے گئے اور درسِ نظامی کی تکمیل کی یہیں حضرت تھانوی قدس سرہ سے تعلق پیدا ہوا آپ قرآن مجید بہت ہی عمدہ پڑھتے تھے اور اسی وجہ سے حضرت تھانوی قدس سرہ آپ سے بہت محبت کیا کرتے تھے اور بسا اوقات آپ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن مجید سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ مولوی صغیر محمد تم مکہ معظمہ جا کر قاری عبداللہ سے فن قرأت میں تعلیم حاصل

کرو"۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے شاہی مسجد کی امامت اور مدرسہ عزیزیہ کی خدمت شروع کی۔ آپ کے یہاں ایک لڑکا ہوا جس کا نام بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے رفیق احمد تجویز کیا اور بعد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اسے مکہ معظمہ بھیجا گیا جہاں اس نے قاری عبداللہ صاحب سے علم قرات کی تکمیل کی۔

مولانا صغیر محمد سات سال کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے تھانہ بھون تشریف لائے۔ ۴۰ روز قیام کے بعد حضرت حکیم الامت نے آپ سے فرمایا کہ بصرہ، رنگون اور بنگال میں اشاعتِ قرآن کی خدمت کرو۔ چنانچہ آپ نے دو سال بصرہ اور دو سال رنگون میں قرآن کی خدمت کے بعد مستقل طور پر مدرسہ عزیزیہ کملا میں رہائش اختیار کر لی اور جو قتاً فوقتاً حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی خدمت میں تھانہ بھون حاضری دیتے رہے اور حضرت سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ مدرسہ عزیزیہ میں خدمات کے دوران میں صرف آٹھ سو نابینا حضرات کو قرآن حفظ کرایا۔ آپ ہمیشہ بعد نماز عصر نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب سے بیان فرماتے۔ جمعہ کے بعد ہمیشہ تفسیر قرآن بیان فرماتے۔ ۲۰ سال تک روزانہ بعد نماز عشا پندرہ پارے تلاوت کرتے نیز ایک منزل تہجد میں پڑھا کرتے تھے۔ ملفوظاتِ اشرفیہ کا مطالعہ کرتے اور متعلقین کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیتے رہتے۔

۴۱۔ مدارس قائم کیے اور ہر سال ان مدارس کو دیکھنے جایا کرتے تھے۔ سال میں علمی مذاکرہ کے لئے تین ماہ مقرر کر رکھے تھے جن میں مختلف اضلاع کے علماء سے مسائل پر گفتگو کرتے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں نعتِ عزیزی، خطباتِ عزیزی، آداب المساجد، دولت بے زوال، تحقیقِ مسلمان، مسئلہ قربانی، مسئلہ حج اور الاصلاح شامل ہیں۔

مولانا قاری محمد طیب

مجازِ بیعت

۱۳۱۵ھ میں بمقام دیوبند پیدا ہوئے۔ آپ نسبی طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب چالیس سال دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور اسی دوران میں چار سال ریاست حیدر آباد دکن کی عدالتِ عالیہ کے مفتی رہے آپ کے دادا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دنیا ر اسلام کے مشہور و معروف بزرگ اور ربانی عالم تھے۔ جنہوں نے ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی جو آج ایشیا ر کی بے نظیر مذہبی یونیورسٹی سمجھی جاتی ہے۔ آپ کے دادا کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہزار ہا کی تعداد میں ہندو بیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں جو حلقہ دارالعلوم کہلاتا ہے اس لئے یہ خاندان پورے ملک اور بیرونی حلقہ اثر میں وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

۱۳۲۲ھ میں مولانا محمد طیب کو بعمر سات سال دارالعلوم دیوبند میں داخل کیا گیا۔ وقت کے ممتاز بزرگوں کے عظیم الشان اجتماع میں مکتب نشینی کی تقریب عمل میں آئی۔ دو سال کی مدت میں قرآن شریف تجوید و قرأت کے ساتھ حفظ کیا۔ پانچ سال میں فارسی۔ ریاضی اور حساب کا کورس مکمل کیا اور آٹھ سال میں دارالعلوم سے عربی کا نصاب پورا کیا۔ اس طرح ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۸ء میں تعلیم سے فراغت پا کر آپ نے سندِ فضیلت حاصل کی۔ دورانِ تعلیم میں دارالعلوم کے تمام اساتذہ آپ کے ساتھ بوجہ خاندانی شرف اور آبائی نسبت کے شفقت و محبت سے پیش آتے تھے اور مخصوص طریق پر تعلیم و

تربیت میں حصہ لیتے رہے، حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علماء و اساتذہ سے حاصل ہوئی اور بہت سے بزرگوں کی ہمت اور توجہ آپ کے ساتھ تھی، علامۃ العصر مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ فن حدیث میں آپ کے استاد ہیں۔

تکمیلِ علوم کے بعد آپ نے دارالعلوم میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا۔ بوجہ ذکاوت و علم اور خاندانی وجاہت و نسبت کے طلبہ میں آپ کے ساتھ گرویدگی پیدا ہوگئی۔

۱۳۳۹ھ میں آپ کا سلسلہ بیعت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قائم ہوا جس کے پانچ ماہ بعد حضرت کا انتقال ہوگیا۔ سنہ ۱۳۵۰ھ میں آپ کو حضرت حکیم الامت سے خلافت حاصل ہوئی۔ سنہ ۱۳۴۱ھ میں دارالعلوم کی مدرسی کے زمانہ ہی میں آپ کے سامنے دارالعلوم کا عہدہ نیابت اہتمام (پرو وائس چانسلر) پیش کیا گیا جس کو آپ نے اپنے بزرگوں کا حکم اور منشاء سمجھتے ہوئے قبول کر لیا اور ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۴۷ھ تک جب تک آپ کے والد ماجد بقید حیات اور مہتمم دارالعلوم رہے۔ آپ نائب مہتمم کی حیثیت سے دارالعلوم کے انتظامی معاملات میں باضابطہ حصہ لیتے رہے۔ سنہ ۱۳۴۸ھ میں آپ مہتمم دارالعلوم (وائس چانسلر) کے مستقل عہدہ پر لئے گئے آپ نے اپنی خاندانی نسبت اور ذاتی علم و فضل کی بناء پر بہت جلد ملک میں مقبولیت پیدا کر لی اور دارالعلوم کی شہرت و عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔ نیز دارالعلوم کو انتظامی وسعت کے لحاظ سے بامِ ترقی پر پہنچا دیا۔ سنہ ۱۳۴۸ھ میں جب آپ نے دارالعلوم کے انتظام کی باگ ڈور ہاتھ میں لی۔ اس کے انتظامی شعبے ۸ تھے آج ۲۴ ہیں۔ سنہ ۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم کی سالانہ آمدنی ۵۰۲۶۲ روپیہ تھی۔ سنہ ۱۳۹۰ھ میں ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ ہے۔ سنہ ۱۳۴۸ھ میں طلبہ کی تعداد ۴۸۰ تھی آج ڈیڑھ ہزار ہے۔ سنہ ۱۳۴۸ھ میں اساتذہ کی تعداد ۱۸ کے مقابلے میں آج ۵۴ ہے۔ سنہ ۱۳۴۸ھ میں دفاتر کا عملہ اور تعداد ملازمین ۵۴ تھی آج پونے دو سو ہے غرض ہر شعبہ نے آپ کے زمانہ میں ترقی کی، اس لئے دارالعلوم کی مجلس عاملہ و شوریٰ نے متعدد تجاویز آپ کی خدمات کے اعتراف اور اظہارِ قدردانی کے سلسلہ میں پاس کیں۔

دارالتفسیر جدید۔ دارالافتاء۔ دارالقرآن۔ مطبع جدید اور بڑا دومنزلہ دارالاقامہ جدید متصل چھتہ۔

تین جدید درسگاہوں کا اضافہ ممدوح ہی کے دورِ اہتمام میں ہوا ہے۔ دار العلوم کا کتب خانہ جو قلمی اور مطبوعات کا خزانہ ہے اس میں کتابوں کی تعداد پہلے ۲۶۳۳۶ تھی اور اب ایک لاکھ کے قریب ہے۔

علمی سلسلوں میں درس وتدریس کے علاوہ فنِ خطابت اور تقریر میں آپ کو خداداد ملکہ اور قوتِ گویائی حاصل ہے اور زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں میں شوق اور دلچسپی کے ساتھ سنی جاتی تھیں۔ اہم سے اہم اسلامی مسائل پر دو دو تین تین گھنٹے مسلسل اور بے تکلف تقریر کرنے اور ٹھوس علمی مواد پیش کرنے میں آپ کو کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ حقائق واسرار شریعت کھولنا اور تخلیق وایجادِ مضامین آپ کا خاص حصہ ہے جسے آپ کے اکابر واساتذہ بھی تسلیم کرتے ہیں، تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے علمی اور حکیمانہ اسلوبِ بیان سے خاص تسلی حاصل کرتا ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں آپ کی تقریریں خصوصی طور پر مقبول ہیں۔ آپ کی معرکۃ الآراء تقریریں خود یونیورسٹی نے شائع کی ہیں جیسے "سائنس اور اسلام" ملک کے علمی طبقوں میں آپ کو مدعو کیا جاتا ہے اور ملک کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جس میں آپ کی تقریروں کی گونج نہ پہنچی ہو، بمبئی وغیرہ جیسے اہم شہروں میں آپ کی علمی تقریروں سے دار العلوم کا ایک خاص حلقہ پیدا ہو گیا ہے۔ ان تقریروں کا عدد سیکڑوں سے گذر کر ہزاروں تک پہنچ چکا ہے۔ بیرون ہند میں بھی آپ کی خطابت کے کافی اثرات اونچے حلقوں میں پہنچ چکے ہیں۔ ۱۳۵۳ھ میں بسلسلہ سفر حجاز جبکہ آپ دوسرے حج کے لئے روانہ ہوئے، ہندوستان کے ایک موقر وفد کی حیثیت سے سلطان ابن سعود کے دربار میں بارپاب ہوئے۔ آپ کی تقریر عربی میں ہوئی۔ سلطان نے جواباً شکریہ کی تقریر کی اور بوقتِ رخصت شاہی خلعت اور بیش قیمت کتبِ دینیات سے اعزاز بخشا۔ اسی سفر میں مدینہ منورہ کے المدرسۃ الشرعیہ کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر بھی آپ کی عربی تقریر قابلِ ذکر ہے جو مختلف عربی ممالک کے مجمع میں ہوئی اور پسند کی گئی۔

۱۳۵۸ھ میں آپ کا سفرِ افغانستان علمی خدمات کی ایک مستقل تاریخ ہے۔ آپ نے دار العلوم دیوبند کے نمائندہ کی حیثیت سے دار العلوم دیوبند اور حکومت افغانستان کے درمیان علمی وعرفانی روابط

قائم کرنے کے لئے یہ سفر اختیار آپ حکومت کے مہمان ہوئے اور وہاں کے علمی حلقوں نے آپ کا خیر مقدم کیا، کابل کی انجمنِ ادبی (اعلیٰ سرکاری سوسائٹی) جمعیتہ علمار افغانستان (مجلس قانون ساز) وغیرہ نے آپ کو تقریر کے لئے مدعو کیا۔ آپ نے فارسی زبان میں برجستہ تقریریں کیں جس سے تمام علمی حلقے متاثر ہوئے۔ اسی طرح بیرونی ممالک میں برما۔ جنوبی افریقہ۔ زنجبار۔ کینیا۔ روڈیشیا۔ ری یونین۔ مڈغاسکر حبشہ (ایتھوپیا) مصر وغیرہ میں آپ تشریف لے جا چکے ہیں۔

عام تعلیمی خدمات کے سلسلے میں حکومت افغانستان کی خواہش پر آپ نے کابل کی تمام سرکاری یونیورسٹیوں کا معائنہ فرمایا اور ان کے بارہ میں اپنی تفصیلی رائے پیش کی جسے حکومت نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا۔ ۱۳۵۹ھ میں والی ریاست، قلات (بلوچستان) اور ریاست بہاولپور (پنجاب) کے وزیر تعلیم نے آپ کو نصاب تعلیم تیار کرنے کے لئے مدعو فرمایا اور آپ نے نہایت جامع اور مفید نصاب مرتب فرمایا اور مدرسہ عالیہ کلکتہ۔ مدرسہ بورڈ آسام۔ پنجاب یونیورسٹی۔ الہ آباد یونیورسٹی اور جامعہ نظامیہ حیدر آباد نے آپ کو دینیات کے پرچوں کا ممتحن قرار دیا۔ آپ کی متعدد قابل قدر تصانیف چھپ کر شائع ہو چکی ہیں، چند نام درج ذیل ہیں۔

التشبہ فی الاسلام (دو جلدوں میں) سائنس اور اسلام۔ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام مسئلہ زبان اور ہندوستان۔ دین و سیاست (خطبہ صدارت جمعیتہ العلمار ضلع مراد آباد کانفرنس) اسباب عروج و زوال اقوام (خطبہ صدارت جمعیتہ العلمار صوبہ سندھ کانفرنس) اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام (خطبہ صدارت جمعیتہ العلمار بمبئی) الاجتہاد والتقلید (خطبہ صدارت آل انڈیا۔ احناف کانفرنس منعقدہ الہ آباد) اصول دعوت اسلام، مشاہیرات، کلمات طیبات (بزرگان دیوبند کے احوال و سیر) اسلامی مساوات تفسیر سورہ فیل الطیب الثمر فی مسئلہ القضاء والقدر سفرنامہ افغانستان غیر مطبوعہ تصانیف کا عدد بہت کافی ہے جو ابھی شائع نہیں ہوا۔ شاعری سے بھی آپ کو کافی مناسبت ہے۔ آپ کے کلام کا مجموعہ عرفان عارف کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

مولانا نذیر احمد کیرانوی

مجازِ صحبت

آپ کے والد سید ممتاز علی صاحب کاشت کاری کیا کرتے تھے۔ سن پیدائش معلوم نہ ہوسکا ابتدائی تعلیم مظفر نگر میں حاصل کرنے کے بعد ایک عربی مدرسہ موضع گڑھی پختہ متصل تھانہ بھون جہاں مولانا محمد صدیق گنگوہی مدرس تھے داخل ہوئے۔ یہ مدرسہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی زیر سرپرستی قائم تھا۔ پھر دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا جہاں سے آپ نے دستار فضیلت حاصل کی۔ طالبعلمی کے زمانہ ہی میں تھانہ بھون اکثر حاضری ہوتی رہی چونکہ خمیر میں اللہ تعالیٰ نے طلبِ صادق عطا فرمائی تھی اس لئے آپ کے مزاج میں ادب تہذیب اور بزرگان دین سے محبت جاری وساری تھی اور بزرگوں کی عظمت اور خوردان کی شفقت عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔

دیوبند سے فارغ ہو کر حضرت شیخ الہند کے حکم سے حکیم مولوی رحیم اللہ رئیس بجنور کے یہاں ان کے بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ چند سال وہاں رہے پھر مظفر نگر تشریف لائے جہاں درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک مرتبہ کچھ دل اچاٹ ہوا تو حضرت شیخ الہند مسجد میں ٹہلتے ہوئے نظر آئے اور فرمایا کہ "مولوی نذیر احمد بس یہاں ہی رہو خدا برکت دے گا" چنانچہ اس پر عمل کرتے ہوئے تادمِ مرگ اسی مدرسہ میں رہے۔

آپ کا مستقل معمول تھا کہ جمعہ کو قصبہ کھتولی وعظ وتلقین کے لئے پیدل آتے تھے اور کبھی کسی معاوضہ یا نذرانہ کے روادار نہ ہوتے تھے۔ تقویٰ وطہارت اور معاملات میں شدت سے عامل تھے اور منکرات

کے رد کرنے میں کبھی نہیں چوکتے تھے اور کسی امیر وذی مرتبہ سے اول تو تعلق ہی نہ ہوتا تھا اور اگر کبھی کسی جگہ کوئی بات کہنے کا موقعہ آتا تو بلارورعایت حق کی بات کہہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک جلسہ میں کوئی غیر مسلم لیڈر تقریر کر رہا تھا۔ اس نے اپنی کم علمی کے سبب ایک بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بیان کی جو حقیقۃً خلافِ واقعہ تھی اور مقرر اس نکتہ کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ حسن اتفاق سے مولانا صاحب بھی وہاں موجود تھے فوراً پکار کر کہا کہ یہ بات غلط ہے۔ آپ اس کو سمجھنے نہیں پارہے ہیں۔ اس پر عوام میں شدید ردِ عمل ہوا اور مقرر صاحب نے صحت طلب کی جو بیان کی گئی۔ گو اس ہنگامہ میں آپ کو خفیف سی ضرب بھی آئی مگر آپ حق بات کہنے سے باز نہ رہ سکے۔

آپ حقوق العباد کا بہت خیال رکھتے تھے اپنے دشمنوں سے بھی عفو ودرگزر سے کام لیتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کو زہر دے دیا۔ آپ کیرانہ تشریف لائے اور مولوی محبوب الٰہی صاحب سے جن کو آپ سے بے حد انس اور محبت تھی علاج کرایا مگر اس شخص کا جو قیافہ سے شاگرد معلوم ہوتا تھا نام ونشان ظاہر نہیں فرمایا تاکہ کوئی انتقامی معاملہ نہ ہو سکے۔

۸ر دسمبر ۱۹۵۶ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔

علّامہ سیّد سلیمان ندوی

مجازِ بیعت

علّامہ سید سلیمان ندوی ۲۲ر نومبر ۱۸۸۴ء کو دیسنہ پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حکیم ابوالحسن ایک سنجیدہ عالم دین، ریاست اسلام پورہ کے شاہی طبیب اور نقشبندی ابوالعلائی سلسلہ کے شیخِ کامل تھے۔ ابھی آپ نے مولانا ابوحبیب سے ابتدائی تعلیم پاکر اپنے والد ماجد سے کچھ کتابیں ختم کی تھیں کہ ۱۸۹۹ء میں پھلواری شریف پٹنہ بھیج دیے گئے۔ وہاں ایک برس تک مولانا محی الدین سجادہ نشین سے کچھ اور کتابوں کی تکمیل فرمائی۔ ۱۹۰۱ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۰۶ء میں سندِ فراغ حاصل کی۔ ندوہ میں حضرت علامہ کو شبلی نعمانی کی آغوشِ تربیت میسر آئی جس میں خداداد صلاحیتوں کو نشوونما پانے کا بہترین موقعہ ملا۔ مولانا شبلی کو اپنے انتقال سے پہلے سیرت نبوی کی ناتمامی کا رنج اور اس کی تکمیل کی فکر تھی چنانچہ انھوں نے سیرۃ النبی کے تمام مسودات کپڑے میں بندھوا کر ایک الماری میں مقفل کرا دیے اور وصیت کی کہ "یہ مسودے حمید الدین فراہی اور سید سلیمان کے علاوہ کسی اور کو ہرگز نہ دیے جائیں" اس سے استاد کا اپنے شاگرد پر خصوصی اعتماد ظاہر ہے۔ حضرت سید صاحب فارغ التحصیل ہونے کے فوراً بعد الندوہ جیسے بلند پایہ علمی ماہنامہ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اس ڈھائی تین سالہ دور میں انھوں نے علوم و فنون پر ایسے بلند پایہ مضامین لکھے کہ جدید و قدیم حلقوں میں ان کی دھاک بیٹھ گئی۔ ان مضامین میں اسلام اور اشتراکیت۔ علم ہیئت اور مسلمان۔ اسلامی رصد خانے۔ تکرارات القرآن اور طبقات ابن سعد کا تعارف شامل ہیں۔ اسی زمانہ میں آپ کو ندوہ میں استاد مقرر کیا گیا بعد

میں آپ پونہ کالج تشریف لے گئے اور یہیں اپنی مشہور کتاب خیام تحریر فرمائی جس کے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا کہ "عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا الحمد للہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا"۔ علامہ اقبال حضرت سید صاحب کے بے حد معترف اور گرویدہ تھے اور کئی مسائل میں آپ سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ ایک خط میں علامہ اقبال لکھتے ہیں "مولانا شبلی کے بعد آپ استاذ الکل ہیں۔ علومِ اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد آج کل ہندوستان میں سوائے سلیمان ندوی کے اور کون ہے"۔

حضرت تھانوی سے تعلق

حضرت علامہ کو تلاشِ شیخ کی جستجو میں حضرت تھانوی سے کس طرح تعلق پیدا ہوا۔ وہ بھی ایک دل چسپ واقعہ ہے۔ مفتی عبد اللطیف (مفتی ریاست حیدر آباد دکن) نے ایک رسالہ الاستقصاء شائع کیا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ربا (سود) صرف بیع و شراہی میں محقق ہوتا ہے قرض کی صورت میں اس کا تحقق نہیں ہوتا چونکہ اس رسالہ سے نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ خواص کی بھی گمراہی کا خدشہ تھا اسی لیے حضرت حکیم الامت نے اس کے رد اور نفس مسئلہ کی تحقیق میں ایک جوابی رسالہ مولانا ظفر احمد عثمانی سے لکھوایا اور انہیں اس پر علمائے عصر کی تصدیقات حاصل کرنے کا مشورہ دیا تاکہ اس کی اہمیت بڑھ جائے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے کتاب کا ایک نسخہ سید صاحب کی خدمت میں بھی بھیجا۔ آپ نے یہ خیال کیا کہ شاید یہ رسالہ حضرت تھانوی کی طرف سے آیا ہے اس لئے مندرجہ ذیل خط حضرت تھانوی کی خدمت میں بھیجا۔

حضرت العلامہ المفضال متع اللہ المسلمین بطول بقائکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

رسالہ النور متضمن رسالہ کشف الدجیٰ مع ہدایت نامہ سرفرازی کا باعث ہوا۔ میں اس کو اپنے لئے سعادت کا طغرای سمجھتا ہوں کہ آپ اس ظلوم جہول سے تقریظ لکھنے کو فرمائیں۔ خدا گواہ ہے کہ میں اپنے آپ کو اس سے کمتر سمجھتا ہوں کہ آپ کی کسی تحریر پر تقریظ لکھوں۔ مجھے یہ بھی شک ہے کہ میرا طریقہ تحریر اور طرزِ استدلال خاطرِ اشرف ہو مگر بحکم الامر فوق الادب تعمیل کروں گا۔ حضرت مشفقی میرے استاد

دیشنج ہیں۔ یہ رسالہ انہوں نے مجھے حیدر آباد دکن میں دیکھنے کو دیا تھا۔ میں نے پڑھ کر ان کو ان الفاظ کے ساتھ واپس کر دیا تھا کہ آپ جس کو مکروہ سمجھتے ہیں میں اس کو عین ربوٰہ سمجھتا ہوں۔ رسالہ کشف الدجیٰ کے مطالعہ سے بہرہ مند ہوا۔ طرزِ عبارت اور انشاء کی سلاست اور جاذبیت نور علیٰ نور ہے۔ بارہا جب میرا دل زمانہ کے فتن و حوادث سے گھبرا اٹھتا ہے اور بے اختیار کسی سکینت و طمانیت کی تلاش ہوتی ہے تو خانقاہ امدادیہ کی یاد آتی ہے لیکن ڈر تھا کہ معلوم نہیں کہ اجنبیت و بیگانگی سے میرے متعلق کیا کیا اب تک پہنچا ہو اور مجھے تخاطب کا اہل سمجھیں یا نہیں میں تو اس رسالہ استغفار کا ممنون ہوں کہ اس اجنبیت و بیگانگی کی جگہ دانست و یک جہتی کی صورت پیدا ہوئی۔ اب میں اس کشمکش کی اس منزل میں ہوں جس میں علوم ظاہری دل کی تسکین کا باعث نہیں بنتے۔ دعا کا طالب اور ہمت کا خواستگار ہوں۔ والسلام سلیمان ندوی"

جواب اشرف

مولانا المحترم دامت فیوضہم السلام علیکم۔ عجیب بات ہے کہ انبساط کا مقصد نہ میرا تھا نہ جناب کا۔ دونوں طرف اتفاقاً ہی اس کے اسباب پیش آگئے۔ اس طرف کا واقعہ تو جناب نے ہی تحریر فرما دیا۔ اس طرف یہ واقعہ ہوا کہ میں نے بالیقین کسی بزرگ کے پاس رسالہ بھیجنے کو نہ کہا تھا، دو وجہ سے ایک تو یہ کہ مجھے بزرگوں کی فہرست ہی غیر مکمل معلوم ہے۔ دوسرے کسی کو ایسے تکلیف دیتے ہوئے ہمت نہیں ہوتی۔ خصوصاً اگر میرا کلام ہو تو بے حد حجاب ہوتا ہے۔ یہ رسالہ میرے ہمشیرہ زادے نے میرے ہی کہنے سے لکھا چونکہ عام طبائع کی حالت پر نظر کر کے اس استغفار کی مغرت عامہ کا قوی اندیشہ تھا۔ اس لئے اس کے انسداد کی سب سے انفع تدبیر علماء کی موافقت حاصل کرنا ذہن میں آیا کہ عوام پر اس کا خاص اثر ہوتا ہے اس لئے میں نے عزیز موصوف کو مصارف دے کر مشورہ دیا کہ جہاں جہاں مناسب ہو بھیج دیا جائے میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے جناب کو بھی تکلیف دے کر یہ موقع دیا کہ میں جناب کا مخاطب بن سکا۔

بہرحال اب حجاب مرتفع ہونے کے بعد مضامین محبت کا جواب دیتا ہوں۔ جناب کی

تواضع نے ضرور مجھ کو ایک معتد بہ درجہ معتقد بنا دیا اور غالب یہ ہے اس میں اضافہ اور قوت ہو باقی طرزِ استدلال اور عبارت کی پسندیدگی و عدم پسندیدگی سو اس کے متعلق اعتقاد دلی سے ایک نظیر عرض کرتا ہوں کہ سادے کپڑے پہننے والے کو کسی طرح یہ حق نہیں کہ رنگین کپڑے پہننے والے کو ناپسند کرے عبارت کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے اس سے میں کاتبِ عبارت کا زیادہ معتقد ہو گیا کہ ماہر کی شہادت ہے۔

آخر میں جو خانقاہ کے متعلق اپنا انجذاب اور اس کے ساتھ کچھ موانع متحملہ کا ذکر فرمایا ہے اگر خانقاہ پر حضرت شیخ قدس سرہ رونق افزا ہوتے تو یہ سب مضامین حقیقت پر منطبق ہو سکتے تھے لیکن اب محض حسن ظن پر منطبق ہو سکتے ہیں۔ اس سے آگے ہیچ۔ البتہ زیادہ تکلف کرنے کو بھی اعادہ حجاب اور موہن انبساط لاحق سمجھ کر پسند نہیں کرتا۔ اس لئے بلا تکلف معاملہ کی سچی بات کہتا ہوں کہ جناب کا حسن ظن اگر کسی روایت پر مبنی ہے تو لا یوثق بہ اور اگر ذوق وجدانی ہے تو میں دوستی کرنے کو تیار ہوں، التماس جناب کا الطاف نامہ رکھ لیا ہے اگر اجازت ہو گی تو اس کے بعض جملے جن کا تعلق مسئلہ سے ہے تقریظ کے ساتھ منضم کر دیے جائیں گے۔ یہ کاتب کی درخواست ہے جس کے قبول کرنے میں آپ بالکل آزاد ہیں۔ اگر مصلحت یا طبیعت کے ذرہ بھی خلاف ہو ممانعت پر بھی وہی مسرت ہو گی جو اجازت پر ہو گی۔ فقط ناکارہ آوارہ ننگ انام اشرف برائے نام از تھانہ بھون ۲۸ ر دسمبر ۱۹۲۹ء"

مکتوب سلیمانی نمبر ۲

حضرت ہادی طریقت متع اللہ المسلمین بطول بقائکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ والا نامہ جو الطاف سے بھرا ہوا تھا ورود فرما ہوا، اس سے ایک پریشان حال و متشتت البال کی سکینت ہوئی اگر مولانا میں آپ کی دعا و دعوت کا بہترین مستحق ہوں۔ مسائل علمی کی الجھن سے نجات کا خواستگار نہیں بلکہ روح کی الجھن سے نجات کے لئے دعا و ہمت کا طالب ہوں۔

میرے لئے کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمائیں کہ مجھ میں استقامت و تثبت و رغبت الی الطاعت پیدا ہو۔ فرائض کا پابند ہوں۔ بدعات سے نفور ہوں۔ کبھی کبھی ذوقِ سجود کی لذت بھی پاتا ہوں امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ سے عقیدت تامہ رکھتا ہوں

خرافات وطامات صوفیہ کا دل سے منکر ہوں۔ صالح نہیں مگر اصلاحِ حال کا دل سے خواست گار ہوں۔ یورپ کے مذہبی وعلمی حملوں کے مقابلہ میں اسلام کی خدمت کا ولولہ ہے اور اب تک پچیس سال کا زمانہ ان ہی مشاغل میں گذرا۔ اب آپ سے دعا کا طالب ہمت کا خواست گار اور حصولِ اخلاص اور اصلاحِ قلب کے لئے کسی نسخہ کا سائل ہوں۔

رسالہ کشف الدجیٰ پر قلم نے جو یاوری کی ہے مولوی ظفر احمد صاحب کی خدمت میں ارسال ہے۔ سلیمان ندوی ۱۱؍شعبان ۱۳۴۰ھ۔

جواب اشرف

ازخاکسار اشرف علی عفی عنہ۔ بخدمت مکرمی محترمی دام فیضہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الطاف نامہ نے مع تقریظ مسرور فرمایا اور تقریظ نے علوم مفیدہ میں اضافہ فرمایا۔ اللہ ہمیشہ آپ کو مسرور رکھے بمسرت ظاہرہ وباطنہ۔

سب سے اول اس عنوان کے تبدیل کے متعلق درخواست کرتا ہوں کہ جس سے مجھ کو خطاب فرمایا ہے یعنی ہادی طریقت۔ اس کو دیکھتے ہی یہ دھن پر وار د ہوا۔

او خویشتن گم است کہ مرا رہبری کند

صلاح کار کجا و من خراب کجا

اور یہ بھی

بیا جامی رہا کن شرمساری

زصاف و درد پیش آر آنچہ داری

اگر جامی کا یہ شعر فوراً ذہن میں نہ آجاتا تو عجب نہیں کہ یہی عنوانِ خطابت غایت درجہ کے خجلت زا ہونے سے عرضِ جواب سے عذر مانع ہو جاتا۔ مگر اب صرف اس درخواست پر اکتفا کرتا ہوں کہ جو عنوان خود میں نے آپ کے لئے اختیار کیا ہے اس سے تجاوز نہ کیا جائے گو میں اس کے بھی اہل نہیں۔ اس کے بعد الطاف نامہ کا جواب عرض کرتا ہوں مگر اس کے ساتھ یہ شرط یا درخواست ہے کہ میرے معروضات کو قول فیصل نہ خیال فرمایا جائے بلکہ خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل رہے اور

اس انتخاب سے مجھ کو مطلع فرمانا بھی ضروری نہیں۔ اب بے تکلفی سے جواب عرض کرتا ہوں۔

مجھ کو اس بات سے خاص مسرت ہوئی کہ میرا معروضہ کسی درجہ میں موجبِ سکینت ہوا، اور بالیقین یہ اثر میرے عریضہ کا نہیں بلکہ جناب کے حسنِ ظن کا ہے اور عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ حسنِ ظن کے محل سے عطایا تقسیم فرماتے ہیں اس حسنِ ظن سے مجھ کو بھی انشاء اللہ تعالیٰ اپنے نفع کی امید ہے۔

جناب نے جو بے تکلف اپنا مسلک تحریر فرما دیا اس سے میری عقیدت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوگیا۔ دو وجہ سے ایک صدق و خلوص پر دال ہونے سے اور دوسرے خود مسلک کے پاکیزہ ہونے سے تمام اہل حق کا یہی مسلک ہے کسی جزئی تفاوت سے حقیقت نہیں بدلتی صرف رنگ بدلتا ہے چنانچہ احقر پر دو جگہ دوسرا رنگ ہے۔ ایک یہ کہ میں بوجہ اپنی قلتِ روایت و درایت کے متاخرین کا بھی متبع ہوں۔ دوسرے یہ کہ صوفیہ کے اقوال و احوال کو متحمل تاویل سمجھتا ہوں۔

شرف و برکات خاندانی سے حقیقۃ الحقیقت تک وصول کی بہت جلدی اور قوی امید ہو کر خاص طمانیت و مسرت حاصل ہوئی۔ اس ضمن میں میں نے بھی اپنا کچا چٹھہ اس لئے عرض کر دیا کہ آپ کو خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل فرمانے میں سہولت ہو۔ دوسرے یہ طبعاً چاہتا ہوں کہ اپنے احباب سے اپنا کوئی راز مکتوم نہ رہے۔ میری رائے میں اس سے تعلق بڑھتا ہے اور یہ خاص نعمت ہے اللہ تعالیٰ کی کہ دو مسلمانوں میں خاص اور خالص تعلق رہے اور اس مصلحت سے آج ہی ایک رسالہ جو میرے رسالہ کی تسہیل ہے روانہ خدمت کر رہا ہوں اس سے میرا مسلک جو طریق کے متعلق ہے ضروری درجہ میں واضح ہوگا۔

پہلی ملاقات اور شیخ کا تاثر

۱۹۳۵ء کے آغاز میں حضرت سید صاحب ڈاکٹر اقبال کی دعوت پر لاہور تشریف لے گئے چونکہ ابھی تک حضرت تھانوی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی اس لئے لاہور سے واپسی پر تھانہ بھون جانے کا پروگرام بنایا اور حضرت تھانوی سے ملاقات کی۔ اس ملاقات سے خود حضرت حکیم الامت

نے جو اثر لیا اس کو خود ان کے ہی پرکیف الفاظ میں سنیئے " مولانا سلیمان ندوی صاحب دفعۃً تشریف لائے میں مکان پر تھا سنتے ہی حاضر ہوا میرے ذہن میں ان کا جثہ طویل وعریض تھا ملا تو معتدل الخلقت پاکر قلب کو بہت انس ہوا پھر ملاقات و مکالمت سے ان کی تواضع وسادگی ورعایت جلیس کو دیکھ کر تو مسخر ہی ہو گیا۔"

بیعت و خلافت

جولائی اگست ۱۹۳۰ء میں مولانا عبدالباری ندوی تھانہ بھون میں مقیم تھے۔ آپ نے حضرت سید صاحب سے تھانہ بھون آنے پر اصرار کیا کہ " حضرت کا سلسلہ علالت طول پکڑتا جارہا ہے اور ڈر ہے کہ کہیں یہ آفتابِ رشد وہدایت وتربیت لب بام نہ ہو" حضرت سید صاحب نے اس پر اپنی آمادگی ظاہر کی اور تھانہ بھون روانہ ہو گئے لیکن اسی دوران میں حضرت حکیم الامت لکھنؤ تشریف لے جا چکے تھے اس لئے آپ بھی لکھنؤ پہنچے۔ حضرت حکیم الامت کی علالت کے سبب مخصوص حضرات کے علاوہ عام ملاقات کا سلسلہ بند کر رکھا تھا۔ جب حضرت سید صاحب کی آمد کی خبر آپ کو ملی تو فوراً بلایا گیا اور ان کی درخواست پر تربیت کی خدمت بلا تامل قبول فرمائی۔

مناسبت کا فوری اثر

اس ملاقات کے بعد پیر ومرشد اور مرید کی مناسبت نے جذب واثر کا حیرت انگیز کرشمہ دکھایا۔ چار دن کے مختصر قیام کے بعد حضرت سید سلیمان صاحب نے جس تاثر کا اظہار فرمایا وہ قابل دید ہے۔ فرمایا لکھنؤ میں چار ہی روز صحبت رہی ہے مگر مولانا تھانوی کی شفقت میری عقیدت کو بڑھاتی رہی آخر ان کی ہدایت کے بموجب اور آپ (مولانا عبدالباری) کا مشورہ تو پہلے تھا باب مکاتب وا ہے اور اب تو وہی وہ ہیں ؎

آتے ہیں نگاہوں میں، خیالوں میں، دلوں میں

بہر حال اپنی طرف سے سفر شروع کر دیا ہے منزل پر پہنچانا جس کا کام ہے وہ پہنچا دے گا دعا کیجئے گا۔ مولانا کے مواعظ ورسائل پڑھتا ہوں اکثر علمی مسائل بھی اپنے ہی مذاق کے مطابق پائے

اور احوال وکیفیات میں ان سے نئی نئی گرہیں کھلتی ہیں۔ افسوس کہ اتنے دنوں کیوں محروم وغافل رہا۔"

تبدیلیٔ احوال

اب حضرت سید صاحب کی طبیعت دفعتاً بدل گئی چنانچہ مولانا عبدالباری ندوی صاحب مدظلہ کو لکھا "دس بارہ سال سے جو چیز فطری طور پر سمجھ میں نہ آئی تھی وہ عملاً سمجھ میں آگئی اور اب تلافیٔ مافات میں مصروف ہوں۔ اب نہ دارالمصنفین سے زیادہ دلچسپی ہے نہ ندوہ سے نہ علمی مقالات سے چونکہ میری روزی قلم سے وابستہ ہے اور گھر میں اثاثہ بھی نہیں اس لئے ناچار پڑا پھرتا ہوں، خدا تعالےٰ ہمت دے کہ ترکِ تعلق کر سکوں"۔ بقول سید صباح الدین عبدالرحمٰن "اس تعلق کے بعد سید صاحب کے لیل و نہار ہی بدل گئے اگرچہ ان کی پوری زندگی دینداری اور پرہیزگاری میں گزری تھی لیکن بادۂ طریقت سے سرشار ہونے کے بعد ان کی دینداری میں تقویٰ و تورع کا اور بھی زیادہ گہرا رنگ پیدا ہو گیا عبادت و ریاضت بڑھ گئی، ذکرِ خفی کے ساتھ ذکرِ جلی بھی کرنے لگے تقریر و خطابت نے وعظ و پند کی صورت اختیار کر لی۔ زیادہ وقت علمی مذاکروں کی بجائے رشد و ہدایت میں صرف ہونے لگا۔"

ایک اور خاص کیفیت جو ارادت کے تعلق کے بعد ظاہر ہوئی وہ جذباتِ شوق کا وفور تھا خود فرمایا "میری اس دور کی شاعری کا آغاز حضرت والا (تھانوی قدس سرہ) کے تعلق سے ہوا اور انجام بھی حضرت کی رحلت ہی پر ہو گیا۔ بعد میں مشکل سے دو چار غزلیں ہوئیں اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت کی موجودگی میں جذبات کا وفور تھا جو پھر باقی نہ رہا۔

اب حضرت سید صاحب کی طبیعت پوری قوت کے ساتھ اپنے شیخ عالی مرتبت سے اخذِ فیض کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ذوق و شوق نے بار بار تھانہ بھون کی حاضری پر مجبور کر دیا۔ ڈاکٹر عبدالحئی صاحب مدظلہ نے فرمایا "ایک مرتبہ حضرت سید صاحب تھانہ بھون تشریف لائے۔ محفلِ خاص آراستہ تھی۔ حضرت سید صاحب نے جو حضرت تھانوی سے متصل بیٹھے تھے۔ چپکے سے کوئی بات مولانا تھانوی کے گوش گزار کر دی اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد حضرت مولانا تھانوی نے سید صاحب کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا۔ ہم لوگ اس عرض و ارشاد کو نہ سن سکے مگر یہ دیکھا کہ سید صاحب پر دفعۃً

گریہ طاری ہوگیا۔ یہاں تک سسکیاں بندھ گئیں۔ پھر سید صاحب رخصت ہوگئے۔ ساری محفل محوِ حیرت تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ ایک عرصہ بعد خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے جرأت کر کے وہ بات پوچھی تو حضرت حکیم الامت نے اس کا اظہار فرمایا اور خواجہ صاحب نے یہ واقعہ اشرف السوانح میں بھی درج فرما دیا کہ "ایک مشہور فاضل ندوی اتفاقاً چند گھنٹوں کے لئے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چلتے وقت عرض کیا کہ مجھ کو کوئی نصیحت فرمایئے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں متردد ہوا کہ ایسے فاضل شخص کو میں کیا نصیحت کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک مضمون ڈالا جو بعد کو معلوم ہوا کہ ان کے بالکل مناسبِ حال تھا۔ میں نے کہا کہ حضرت آپ جیسے فاضل کو نصیحت تو میں کیا کر سکتا ہوں لیکن ہاں میں نے جو اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے وہ عرض کئے دیتا ہوں۔ وہ حاصل فنا و عبدیت ہے بس جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مٹایا جائے اور اسی کے لئے سارے مجاہدات کئے جاتے ہیں۔ اس تقریر کا ان پر اس درجہ اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہو گئے۔

درخواستِ بیعت

اس مناسبت تامہ کے بعد جو بہت جلد شیخ و مرید میں پیدا ہو گئی تھی جب حضرت سید صاحب نے بیعت کی درخواست کی تو حضرت حکیم الامت نے ارشاد فرمایا کہ "پچاس خط لکھ چکیں تو پھر انشاء اللہ" پھر فرمایا "خواہ روزانہ صبح و شام خطوط لکھ کر یہ وعدہ پورا کر دیں"۔ لیکن ابھی چند ہی خط آئے تھے کہ تھانہ بھون کی ایک حاضری میں از خود بیعت سے سرفراز فرمایا اور کہا کہ "الحمد للہ میرے حصہ میں سارے عقلاء ہی آئے ہیں۔

خصوصی تربیت

حضرت حکیم الامت کے مرتبہ شناس جانتے ہیں کہ وہ اپنے وقت کے مجدد اور ایک محقق کامل مرشد تھے۔ ان کے دامنِ تربیت میں ہر انگ اور ہر مزاج کے انسان کو پناہ اسی لئے ملتی اور اطمینانِ کامل اسی لئے میسر آتا کہ ان کے طریقہ اصلاح میں مزاج کا لحاظ بطورِ خاص رکھا جاتا تھا۔ اس

لئے حضرت تھانوی نے علامہ سید صاحب کی تربیتِ روحانی ایک خاص نہج پر کی تھی۔ مفتی محمد حسن صاحب فرماتے تھے "کہ ہم لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ حضرت سید صاحب کو اتنی جلدی اس قدر رسوخ کس طرح حاصل ہو گیا مگر بعد کو معلوم ہوا کہ جوہر ہی کچھ اور تھا" ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب فرماتے ہیں "حضرت سید صاحب کا معاملہ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ دیکھنے والوں کو صرف نظر آتا تھا کہ سید صاحب تھانہ بھون تشریف لاتے ہیں۔ محفل میں شرکت فرماتے چپ چاپ بیٹھ کر چلے جاتے ہیں نہ کوئی گفت گو ہوتی ہے نہ کچھ عرض معروض مگر دیکھتے ہی دیکھتے درجۂ کمال کو پہنچ گئے"۔ حاجی محمد عثمان صاحب فرماتے ہیں "ایک مرتبہ سید صاحب ہی کے کمالات کا ذکر آگیا تو حضرت تھانوی نے فرمایا کہ جو لکڑی سوکھی ہوتی ہے دیا سلائی دکھاتے ہی بھڑک اٹھتی ہے اور جو گیلی ہوتی ہے اس کو عمر بھر پھونکتے رہیئے تو سوائے دھوئیں کے کچھ اور نہیں اٹھتا۔ ان میں (سید صاحب) کس بات کی کمی تھی"۔

ادھر ارادت کا یہ رنگ تھا ادھر شیخ بھی اپنے وقت کا سب سے بڑا جوہر شناس اور محبت نواز محب و محبوب کی جاں نثاری اور دل نوازی میں مسابقت کی ادا جھلکنے لگی۔ مفتی محمد حسن صاحب نے بارہا فرمایا "حضرت سید صاحب جب خانقاہ تشریف لاتے تو ہمارے حضرت کی طبیعت میں جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ گھنٹہ بھر کی محفل کو دو گھنٹے طول دے دیتے۔ حالتِ مرض میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مرض چلا گیا ہے"۔ ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب مدظلہ نے فرمایا "آخر زمانہ میں تو حضرت حکیم الامت یہی فرماتے تھے کہ سید صاحب کی وجہ سے بڑا اطمینان ہے اور خود مجھ سے فرماتے تھے کہ جب رات کے دو ڈھائی بجے آنکھ کھلتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ سید صاحب کو بلا کر باتیں کرتا رہوں لیکن پھر ان کی زحمت کے خیال سے چپ رہتا ہوں"۔

ایک مرتبہ حکیم الامت نے ایک چھڑی تحفۂ محبت کے طور پر بھیجی اور اس کے ساتھ ایک رقعہ بھی جس میں خطاب اس بلیغ جملے سے فرمایا تھا "راحتِ جاں راحتِ جسم کا سامان بھیج رہا ہوں"۔

خلافت سے سرفرازی

اگست ۱۹۳۸ء میں سید سلیمان صاحب نے راہِ سلوک میں قدم رکھا اور اب اکتوبر ۱۹۴۲ء آپہنچا تھا۔ مسافر نے عشق و معرفت کی اتنی منزلیں طے کر لی تھیں کہ اب وہ حکیم الامت کی نگاہ میں راستہ کے سارے نشیب و فراز اور پیچ و خم سے پوری طرح باخبر اور ناواقفوں کی راہبری کے لئے ہر طرح لائقِ اعتبار تھا۔

حضرت حکیم الامت نے اپنے قلبی داعیہ کی مزید تشفی کی خاطر استخارہ فرمایا۔ استخارہ سے تائید وتقویت پائی پھر سید صاحب کے نام ایک مکتوب لکھا جس کا عنوان تھا "استشارہ بعد از استخارہ" کہ "میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو خلافت دیدوں میں نے اس سلسلہ میں استخارہ بھی کر لیا ہے اب آپ کا کیا مشورہ ہے"۔ حضرت سید صاحب فرماتے تھے کہ چونکہ دو تین ہی روز میں تھانہ بھون کی حاضری کا قصد تھا اس لئے میں نے اس گرامی نامہ کا جواب نہیں دیا اور جب حاضرِ خدمت ہوا تو خاموش ہی رہا۔ ایک دن حضرت والا کی طرف سے ایک پرچہ ملا کہ

"آپ نے میرے استشارہ کا جواب نہیں دیا" اس اصرار پر میں نے جواباً عرض کیا کہ حضرت والا کا مکتوب گرامی پڑھ کر قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں کہاں اور یہ ذمہ داری کہاں"۔

حضرت حکیم الامت اپنے مریدوں کو ہر مرحلہ پر آزماتے اور پرکھتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب سید صاحب کا وہ جواب پہنچا تو حضرت حکیم الامت بے حد مسرور ہوئے اور حاضرین سے فرمایا کہ الحمد للہ وہی جواب آیا جس کی توقع تھی"۔ بس اس کے بعد سید صاحب کو ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء میں سلاسل اربعہ میں خلافتِ باطنی عطا فرمائی۔ حافظ محمد عثمان صاحب اس بات کے راوی ہیں کہ "حضرت سید صاحب کو خلافت عطا فرما کر حضرت حکیم الامت اس درجہ مسرور و مطمئن تھے کہ بارہا فرمایا کہ الحمد للہ مجھے اب کچھ فکر نہیں میرے بعد ایسے ایسے لوگ موجود ہیں"۔

حضرت سید صاحب نے حکیم الامت کے بغیر کسی اشارہ و کنایہ کے از خود اپنے احساس سے مجبور ہو کر رجوع و اعتراف کے نام سے جنوری ۱۹۴۳ء کے معارف میں ایک تحریر شائع فرمائی اور یہ

شمارہ حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت تھانوی کے قلب مبارک پر اس تحریر کا بڑا اثر ہوا۔ اور اس نے اپنی عادت و مزاج کے خلاف پہلی اور آخری مرتبہ اپنے خلیفۂ ارشد کی مدح میں چند اشعار لکھ کر بھیجے۔

اعتراف (یعنی اخذ اعلان) | از اعتراف (یعنی رجوع سلیمان)
لمثل ھٰذا فلیعمل العاملون | وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون
اقتباس ترغیب دلپذیر | از مثنوی رومی بتصرف یسیر

از سلیمان گیر اخلاصِ عمل | دان تو ندوی را منزہ از دخل
اے دلت معمور از اسرارِ حق | اے دلت مخمور از آثارِ حق
اے دلت پرنور از انوارِ حق | اے دلت مسرور از اخبارِ حق
صد مبارک باد ایں اظہارِ حق | صد مبارک باد ایں اقرارِ حق
لیک باشد ایں طریق نفع خاص | کہ بہ اہل علم دارد اختصاص
سعی نفع عام اینجا واجب است | آنکہ نافع بہر ہر طالب است
در کلام خود نظرہ خود کردنی | یا کہ نقادے بدست آوردنی!
ہمچناں کردم بہ تالیفات خویش | صرف ہم کردم اے او نقد خویش
گرچہ ناظم نیستم ابیات را | نشر کردم لیک ایں جذبات را
مقصد من خیر خواہی ہست وبس | بو کہ با رغبت فتد در گوش کس

اشرف علی ۲۷ محرم ۱۳۶۱ھ

حضرت حکیم الامت نے ۱۹ اور ۲۰ جولائی کی درمیانی رات کو سفر آخرت اختیار کیا۔ اس واقعہ کا سید صاحب کے قلب پر بے حد اثر ہوا۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے بخوبی ہو جائے گا جو سید صاحب نے رحلت شیخ کے عنوان سے موزوں فرمائے۔

داغِ فراقِ یار مٹایا نہ جائے گا
اب دل کا یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

حرفِ دمِ وداع خدا کے سپرد ہو
تا آخرِ حیات بھلایا نہ جائے گا

اے دل خموش صبر و رضا کا مقام ہے
نقشِ دوامِ فیض مٹایا نہ جائے گا

پیرِ مغاں نہیں ہے مگر میکدہ تو ہے
جام و سبو یہاں سے ہٹایا نہ جائے گا

یوں ہی بچھا رہے گا یہاں خوانِ فیضِ عام
جب تک ہیں مہمان بڑھایا نہ جائے گا

چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ
یونہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائے گا

اس کے علاوہ معارف میں موت العالِم موت العالم کے زیرِ عنوان اپنے انداز کا ایک مضمون بڑے سوز و گداز سے لکھا جس کے ابتدائی جملے یہ ہیں۔

"محفل دوشین کا وہ چراغِ سحر جو کئی برس سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا بالآخر ۸۱ سال ۳ ماہ دس روز جل کر رجب ۱۳۶۲ھ کی شب کو ہمیشہ کے لئے بجھ گیا۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یعنی حکیم الامت مجدد طریقت شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے مرضِ ضعف و اسہال میں ئی ماہ علیل رہ کر ۱۹۔ ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب کو دس بجے نمازِ عشاء کے بعد اس دارِ فانی کو داع کہا اور اپنے لاکھوں مریدوں، معتقدوں مستفیدوں کو غمگین و مہجور چھوڑا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اب یہ دَور بالکل ختم ہوگیا جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کی یادگار تھا اور جس کی ذات میں حضراتِ چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد بریلوی کی نسبتیں یک جا تھیں جس کا سینہ چشتی ذوق و شوق اور مجددی سکون و محبت کا مجمع البحرین تھا جس کی زبان شریعت و طریقت کی وحدت کی ترجمان تھی جس کے قلم نے فقہ و تصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا

جون ۱۹۴۶ء سے لے کر اکتوبر ۱۹۴۹ء تک آپ نے بھوپال میں قیام فرمایا۔ جون ۱۹۵۰ء میں آپ پاکستان تشریف لائے۔ اور ۳ سال بعد ۲۲ نومبر ۱۹۵۵ء کو وفات پا گئے۔

(تفصیلی حالات کے لئے تذکرہ سلیمان۔ غلام محمد۔ کراچی)۔

مولانا سیّد حسن

مجازِ صحبت

مولانا سید حسن صاحب ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابھی طالب علمی ہی کا زمانہ تھا کہ آپ کے والد مولانا نبیہ حسن استاد دارالعلوم دیوبند کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ گھر کی تمام ذمہ داریاں آپ کے سر آن پڑیں مولانا سید حسن صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے مادرِ علمی ہی میں آپ کا بحیثیت استاذ تقرر ہوگیا۔

طالب علمی کے دور میں اپنے ماموں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے ذریعہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے تعلق پیدا ہوا جو آخر دم تک جاری رہا۔ مولانا کو حضرت تھانوی قدس سرہ کے ہر ہر قدم و ارشاد سے فطری طور پر قلبی لگاؤ تھا اور حضرت تھانوی قدس سرہ بھی آپ سے محبت اور شفقت فرماتے اور بیٹا کہہ کر پکارا کرتے۔ آپ کو حضرت تھانوی قدس سرہ سے اس قدر عقیدت تھی کہ ہر مجلس ہر نشست انفرادی یا اجتماعی ملاقات، موقع تدریس یا وعظ و تبلیغ ہر جگہ فیضِ اشرفی سے حاصل کئے ہوئے اصلاحی یا رفاہی خیالات کو آگے پہنچانا مقصدِ حیات قرار دے رکھا تھا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کی تعلیمات میں معاملات اور حقوق العباد کی ادائیگی سرفہرست ہیں۔ مولانا سید حسن بھی حقوق العباد کی ادائیگی پر خصوصی توجہ فرماتے۔ آپ میں تواضع اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کے ایک شاگرد نے آپ کے ساتھ کسی کوتاہی پر اپنے بوڑھے خانساماں کو ڈانٹ دیا اور اس سے معافی منگوائی۔ آپ کو یہ بات ناگوار گزری چنانچہ جب وہ بوڑھا خانساماں باورچی خانے میں گیا تو آپ نے اس کے پیچھے جاکر خود اس سے معافی مانگی۔

۲۲ جمادی الاوّل ۱۳۸۱ھ دیوبند میں آپ کا انتقال ہوا۔

مولانا اطہر علی

مجازِ بیعت

مولانا اطہر علی ضلع سلہٹ کے ایک شریف اور دیندار گھرانے میں ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اپنے والد ماجد سے پڑھا اور ابتدائی تعلیم مدرسہ بڑدیس تھانہ نیافی بازار میں حاصل کی۔ وہاں کے اساتذہ میں مولانا عرفان علی اور مولانا شفیق اسحاق بہادر پوری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ثانوی تعلیم مدرسہ قاسمیہ مراد آباد اور مدرسہ عالیہ رامپور میں حاصل کی پھر حدیث اور تفسیر کی اعلیٰ تعلیم کے لئے دیوبند تشریف لے گئے جہاں مولانا انور شاہ صاحب علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا اصغر حسین صاحب اور مولانا رسول خان صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے۔

دیوبند سے فراغت کے بعد شعبان ۱۳۳۸ھ میں حضرت تھانوی قدس سرہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اپنے شیخ کی ہدایات پر عامل رہ کر مسلسل سلوک کے مدارج طے کرتے رہے اور تین سال کے مختصر عرصہ میں خلافت و اجازت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ حضرت قدس سرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جتنا بھی علم حاصل کیا تھا اور جو کچھ پڑھا تھا وہ محض زبانی تھا حضرت سے تعلق کے بعد علم کی حقیقت سمجھ میں آئی اور ان پر حقیقی معنوں میں عمل کرنے کی توفیق ہوئی"۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ عالیہ جھگا باڑی میں مدرس مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ ضلع کملا میں مدرسہ قاسم العلوم میں صدر مدرس مقرر رہے۔ بحیثیت استاد آپ کی کامیابی اور مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلہٹ میں یہ بات ضرب المثل بن گئی ہے کہ جو شخص آپ کے درس

ہیں بیٹھے اور پھر بھی کتاب نہ سمجھے اس کو پڑھنا ہی ترک کر دینا چاہیئے۔ تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ ہمیشہ تبلیغی و اصلاحی خدمات بھی سر انجام دیتے رہے۔ بولائی ضلع کشور گنج کے ایک رئیس کی درخواست پر یہاں تشریف لائے اور کئی سال تک تبلیغی و اصلاحی کاموں میں مصروف رہے مگر اعزا و اقربار کی دوری کی وجہ سے وطن واپس آ گئے مگر ایک صاحب کی درخواست پر دوبارہ کشور گنج تشریف لے آئے اور تبلیغی و دینی سرگرمیوں کی وجہ سے جلد ہی مرجع عوام و خواص بن گئے۔ بعد میں دینی مصلحت کی وجہ سے ہیبت نگر چھوڑ کر پورن تھانہ میں مقیم ہو گئے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد کی بنیاد رکھی۔ آپ کی کوششوں اور مساعی جمیلہ کی بدولت آج اس مسجد کا شمار مشرقی پاکستان کی عظیم مساجد میں ہوتا ہے اور اس مسجد کا پانچ منزلہ مینارہ دہلی کے قطب مینار کی یاد دلاتا ہے شہیدی مسجد میں اقامت پذیر ہونے کے بعد اپنے شیخ حضرت تھانوی سے یہاں رہنے کے متعلق جب خط و کتابت کی تو شیخ کا حکم ہوا کہ "تم کشور گنج ہی میں رہ کر تبلیغی و اصلاحی کام جاری رکھو" چنانچہ بحکم شیخ دل و جان سے مصروفِ تعمیل ہو گئے۔ ایک جانب اس چھوٹی سی مسجد کو بڑھانے کا کام جاری رکھا اور دوسری طرف مریدوں اور عقیدت مندوں کے اخلاقی و اصلاحی کاموں پر توجہ صرف کرنے لگے۔ حضرت تھانوی کی تحریر کردہ تنظیم المسلمین اور تعلیم المسلمین کی اشاعت کے بعد دعوت و تبلیغ کے کام میں پہلے سے زیادہ وقت گزارنے لگے۔ ۱۹۴۵ء میں مدرسہ امداد العلوم قائم کیا جو کچھ سال بعد ایک عظیم الشان ادارہ جامعہ امدادیہ کشور گنج کی شکل اختیار کر گیا۔ ۱۹۴۵ء میں جب علامہ شبیر احمد کی زیر قیادت جمعیۃ العلمار اسلام کی تشکیل ہوئی تو آپ نے بھی اپنے استاذ گرامی کے حکم پر حصول پاکستان کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور سلہٹ ریفرنڈم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ مشرقی پاکستان جمعیۃ العلمار اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔ تمام مشرقی پاکستان میں ہر جگہ آپ کے عقیدت مند موجود ہیں۔ اپنے معمولات کے بے حد پابند ہیں۔ سفر و حضر ہر حالت میں معمولات چھوٹنے نہیں پاتے۔

حافظ محمد حبیبُ اللہ

مجاز بیعت

حافظ قاری محمد حبیب اللہ قصبہ مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی پھر تکمیل درسیات کے لئے الہ آباد تشریف لے گئے جہاں تعلیم سے فراغت کے بعد مشن ہائی سکول میں فارسی کے استاد مقرر ہو گئے۔

آپ کو دینی ذوق بزرگان دین سے لگاؤ اور ان کی طرف میلان بچپن ہی سے تھا۔ دوران قیام الہ آباد جہاں کسی دینی جلسہ یا وعظ و تقریر کی آپ کو اطلاع ملتی آپ اس میں ضرور شرکت فرماتے کئی بار حضرت تھانوی کی تقاریر سننے کا موقع اسی طرح حاصل ہوا۔ آخر میں انہی مواعظ حسنہ سننے کے بعد آپ نے دوسرے جلسوں میں شرکت ترک کر دی۔ طالب علمی کے زمانہ ہی سے حضرت تھانوی کی طرف گرویدگی بڑھتی ہی چلی گئی ؎

اس زمانے میں گئے ہوش کہ جب ہوش نہ تھا

بعض ہم جماعت طلبہ نے حضرت تھانوی سے بیعت ہونے کا خیال ظاہر کیا مگر چونکہ حضرت کا اصول دوران تعلیم کسی کو بیعت کرنے کا نہ تھا لہٰذا آپ فی الحال خاموش رہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد جب ملازمت اختیار کی تو دوبارہ خط و کتابت شروع کر دی اور تھانہ بھون حاضری کی اجازت چاہی جو فی الفور مل گئی۔ پہلی بار چند یوم تھانہ بھون میں قیام فرما کر جو لوٹے تو دل کی کیفیت ہی بدل چکی تھی۔ محبت و عقیدت کی آگ جو چپکے چپکے دل میں سلگ رہی تھی شعلہ جوالا بن کر بھڑک اٹھی جہاں

سکول میں تعطیلات ہوئیں۔ فوراً تھانہ بھون روانہ ہو گئے ؂

وہیں چلیئے وہیں چلیئے محبت کا تقاضا ہے
وہ محفل ہائے جس محفل میں دنیا لٹ گئی اپنی

پہلی ہی حاضری میں شرفِ بیعت حاصل ہو گیا اور چند ماہ کے تعلق کے بعد اجازتِ بیعت وتلقین بھی مل گئی۔ اس وقت تک حضرت تھانوی کے خلفار کی تعداد چھ یا سات ہی تھی۔ حضرت تھانوی سے تعلق کے بعد آپ کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کتابیں تو بہت پڑھ رکھی تھیں مگر حقیقتِ علم تھانہ بھون میں حاصل ہوئی۔

آپ کو اتباعِ سنت کا بے حد اہتمام رہتا تھا جو مرض الموت تک اسی آب وتاب کے ساتھ جاری رہا۔ عالم باعمل اور مومن کامل تھے۔ علمار کے اشکالات فی الوقت بلا کتاب دیکھے اور بغیر کسی تیاری کے آسان اور عام فہم طریقہ سے حل فرما دیتے ہر بات کا برجستہ اور شافی جواب عطا فرماتے۔ طالبین کے باطنی امراض ان کے چہرے سے سمجھ لیتے یا تحریر سے اندازہ فرما لیتے مگر اپنی طرف سے ایک لفظ اشارۃً یا کنایۃً اس وقت تک نہ فرماتے جب تک کہ طالب خود اپنی زبان یا تحریر سے بیان نہ کرتا۔ آپ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ زبان سے وہی فرماتے جو دل میں ہوتا۔ جو کچھ ارشاد فرماتے نہایت واضح اور بے جھجک۔ ایک مرتبہ عرض کیا گیا کہ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طرح کسی اور بزرگ کو اس قدر بے لاگ اور صاف صاف بات کہتے نہیں سنا گیا۔ فرمایا کہ "اگر میں کوشش بھی کروں تو کوئی بات اپنی طرف سے نہیں بنا سکتا اور نہ ہی حق کو چھپا سکتا ہوں کوئی معتقد ہو یا بد اعتقاد کسی کی پرواہ نہیں۔ جس کا مزاج چاہے رجوع کر سکتا ہے جس کا جی چاہے چلا جائے کتمان حق ممکن نہیں"۔

تھانہ بھون میں ایک بزرگ اپنے ہمہ وقت کے قہقہوں اور بلند آواز سے ہنسنے اور ایک بزرگ اپنے گریہ بے اختیار کی وجہ سے ایک بکاو اور دوسرا ضحاک کہلاتا تھا۔ بلند آواز سے ہنسنے والی ہستی یہی ذات تھی۔ خود فرمایا کہ قیام تھانہ بھون کے دوران گریہ غالب رہتا تھا۔ ایک بار حضرت حکیم الامت

کہیں جانے کے لئے تانگے پر سوار ہوئے۔ غلبۂ شوق میں حضرت کا ہاتھ پکڑ کر زار و قطار رونے لگا حضرت نے فرمایا "رونے کی کیا بات ہے ہنسا کیجئے"۔ اس وقت سے یہ حالت ہوئی کہ حالاً ہمہ خنداں نظر آنے لگے۔ ایک مرتبہ ایک خواجہ تاش نے آپ کو اس طرح بے جھجک ہنستے دیکھا تو اپنے قریب والوں سے کہا کہ یہ شخص بڑا بے باک معلوم ہوتا ہے۔ عنقریب مجلس سے نکالا جائے گا اس کی بھنک حضرت تھانوی کے کانوں میں بھی پڑ گئی۔ آپ اس وقت ڈاک دیکھ رہے تھے سر اٹھایا اور فرمایا ؎

تو اے افسردہ دل واعظ یکے در بزم رنداں شو
کہ بینی خنداں برلب ہا و آتش پارہ در دل ہا

چند یوم کے بعد جب آپ تھانہ بھون سے رخصت ہونے لگے تو حضرت سے رخصتی مصافحہ کرتے وقت گریہ طاری ہو گیا جتنا ضبط کرتے اتنا ہی بڑھتا حتیٰ کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ حضرت نے تسلی دی طبیعت کچھ سنبھلی اور وطن روانہ ہو گئے یہی خواجہ تاش اس وقت خانقاہ امدادیہ میں حاضر تھے یہ منظر دیکھ کر سکتہ میں آ گئے۔

حضرت تھانوی کے برسہا برس کے تعلق کے دوران ہمیشہ سرخرو رہے نہ کبھی مجلس سے اٹھائے گئے اور نہ کبھی کسی معاملہ پر معمولی سی خفگی کا اظہار ہوا۔ حضرت تھانوی کے التفاتِ خاص حسن سلوک شفقت محبت دلجوئی اور عزت افزائی کے ہمیشہ گن گایا کرتے۔ ایسے موقعوں پر تعریفِ شیخ میں غلو نہ کرتے جو کچھ ارشاد فرماتے بڑے حزم و احتیاط تفکر اور وثوق سے فرماتے جب کبھی بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا تو وہیں خاموش ہو جاتے۔

آپ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے۔ یہ روحانی قوت تھی جو آپ کو تھکنے نہ دیتی آپ کام پر آرام کو ترجیح نہ دیتے۔ طالبین کے لئے تو تعلیم اور تاکید یہ تھی کہ حسب ضرورت آرام کو مقدم رکھیں اور جتنا کام بآسانی ہو سکے اتنا کریں مگر خود اپنا عمل یہ تھا کہ کام مقدم اور آرام مؤخر۔ تمام زندگی اسی طرح گزار دی۔ خالی اوقات اول تو ہوتے ہی کم تھے اور جو ہوتے بھی تو ان محدود لمحات میں بھی

تلاوتِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھتے۔ باوجود سادہ مزاجی کے آپ کے مزاج میں نفاست پسندی اور صفائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہر بے قرینہ چیز نگاہوں پر گراں گزرتی۔ بچوں کی شرارتوں بلکہ ان کی بدتمیزیوں سے مسرور رہوتے اور ہمہ وقت ان پر روک ٹوک کو ناپسند فرماتے۔ ایک مرتبہ اپنے ایک عقیدت مند کے یہاں تشریف لے گئے۔ ان کے بچے مٹی میں کھیل کود میں مصروف تھے اور ننگے پاؤں فرش اور چادر پر چلے آتے۔ میزبان ان کو ڈانتے اور اندر بھیج دیتے۔ آپ نے انہیں منع فرماتے ہوئے کہا کہ مٹی سے تو بدن مضبوط ہوتا ہے اور رہا چادر وغیرہ کا گندہ ہونا تو فرش وغیرہ تو میلے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ آپ بھی تو کپڑے میلے کر دیتے ہیں اور دھوبی ان کو دھو دیتا ہے یہی حال طالبِ صادق اور شیخ کامل کا ہوتا ہے۔ طالب اپنے داغ دار قلب کو پیش کرتا ہے اور مرشد ان داغوں کو دھو ڈالنے کی ترکیبیں بتاتا ہے۔ کبھی مجاہدہ کبھی ریاضت کبھی نوافل کبھی استغفار اصل چیز تو یہی ہے کہ ہم گندے ہیں اور ہمیں صفائی کی ضرورت ہے جب تک یہ جذبہ زندہ رہے گا صفائے قلب حاصل ہوتی رہے گی جس دن اپنی صفائی کا یقین آگیا بلکہ گمان ہوگیا تو اسی دن باطنی ترقی رک جائے گی۔ پھر یہ سلسلہ ہی رفتہ رفتہ منقطع ہو جائے گا۔

اندریں راہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

مٹھائی پھل وغیرہ کے ہدایہ جو بے تکلف احباب اور ارادت مند پیش کرتے بطیب خاطر قبول فرما لیتے جن حضرات سے بے تکلفی نہ ہوتی ان سے کچھ قبول نہ فرماتے اگر وہ اصرار کرتے تو فرماتے کہ پہلے بے تکلفی پیدا کرنے کے لئے بار بار تشریف لائیں اور مجھے کوئی دینی خدمت کا موقعہ دیں پھر ہدیہ بھی قبول کر لیا جائے گا۔

اپنے پیر بھائیوں سے ملاقات کے ہمیشہ متمنی رہتے۔ آخر وقت میں انتقال سے صرف چند ماہ قبل سکھر سے کراچی اس حالت میں تشریف لائے کہ انتہائی نقاہت و کمزوری کی وجہ سے پا بدست دگرے دست بدست دگرے کے مصداق تھے۔ فالج کا ہلکا سا حملہ ہو چکا تھا۔ ابھی ہاتھ پاؤں میں

تھوڑی سی قوت آئی تھی کہ خبر پہنچی کہ حضرت تھانویؒ کے ایک خلیفۂ خاص ہندوستان سے تشریف لائے ہیں اور چند ہی روز کے بعد ان کی واپسی ہے۔ اس موقعہ پر اعزا و اقارب نے بڑی دلسوزی سے سفر کی مخالفت کی مگر آپ نے ایک نہ سنی۔ سکھر سے کراچی اسی نازک حالت میں سفر کیا اور ۲۴ گھنٹے قیام کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ وہ منظر بھی بڑا رقت آمیز تھا جب ایک میخانہ کے دو قدیم بادہ کش عمر کے ایک ہی پہیے میں اور صحت جسمانی کے اعتبار سے دونوں قریب قریب معذور ایک دوسرے سے رخصت ہونے کے لئے بغل گیر ہو رہے تھے آواز گلوگیر آنکھیں آبدیدہ اور ہونٹ لرزاں تھے باہمی دعائے خیر کی استدعا اس کی پذیرائی اور اس پذیرائی پر چہروں پر شادمانی دیکھنے والوں نے دیکھی اور دل تھام کر رہ گئے۔

۱۶ ذیقعد ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۶۰ء کو سکھر میں آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔

شاہ لطف الرسول

مجازِ بیعت

شاہ صاحب نہایت ذکی، ذہین، فہیم، ذی استعداد عالم اور نہایت قوی الحال ذاکر وشاغل درویش تھے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے بذریعہ خط بیعت ہوئے تھے لیکن تعلیم حضرت تھانوی قدس سرہ ہی کے سپرد فرمادی گئی تھی اور آپ ہی کے خلیفہ مجاز بھی ہوئے۔ آپ پر خشیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میں نے ایسے زبردست آثارِ خشیت کسی دوسرے میں نہیں دیکھے۔ وجد و حال میں ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ جاتے تھے اور چیخنے چلانے لگتے تھے۔ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ابتدائی جوش و خروش کے زمانہ میں حلقہ توجہ قائم فرمایا تھا تو شاہ صاحب بھی جو اس وقت آپ سے درسی کتابیں پڑھتے تھے شریک حلقہ ہوتے تھے اور ان پر بڑے بڑے احوال و مواجید طاری ہوتے اور کشف بھی ہونے لگا تھا۔ عوام کے فائدے کے لئے حضرت تھانوی کا مشہور رسالہ قصد السبیل الی مولی الجلیل کی تسہیل آپ ہی نے کی تھی۔ باوجود تیز مزاج ہونے کے ایسے متواضع تھے کہ بارہا ایسا ہوا کہ کسی سے تیز گفتگو ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی خدمت میں پہنچے اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔

آپ پر بعض اوقات شعر سننے پر اس قدر شدید کیفیت طاری ہو جاتی تھی کہ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے اور بے اختیار چیخنے لگتے تھے اور بسمل کی طرح تڑپنے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ صاحب کی دعوت پر منصوری پہاڑ تشریف لے گئے آپ چونکہ نہایت نحیف و نازک مزاج تھے چڑھائی زیادہ چڑھنی پڑی اس لئے سفر سے بے حد تعب تھا۔ عین تھکان کی حالت میں جبکہ سخت چڑھائی کے موقعہ پر بہت پریشان تھے اور ناگواری میں خواجہ صاحب سے شکایت فرمارہے تھے

تو خواجہ صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

یہ شکوہ بے وفائی کا یہ رونا کج ادائی کا
سزا ہے دل لگانے کی مزا ہے آشنائی کا

بس یہ شعر سُننا تھا کہ تھکان و تعب سب بھول گئے جوش میں آکر زور سے ایک چیخ ماری اور وجد میں آکر رقص کرنے لگے۔

ایک بار شاہ صاحب پر حضرت تھانوی کی عدم موجودگی میں بحالت نماز باجماعت شدید کیفیت طاری ہوئی اور نماز میں بے اختیار اللہ اللہ کر کے کبھی صف سے آگے بڑھ جاتے کبھی پیچھے ہٹ جاتے۔ حضرت والا کی واپسیِ سفر کے بعد بھی وہی حالت تھی۔ آپ نے جب پانی دم کر کے پلایا تب جا کر سکون حاصل ہوا۔

حضرت شاہ صاحب کو حلقہ توجہ میں کشف بے حد ہونے لگا تھا۔ ایک بار حضرت والا کو شوق ہوا کہ بڑی پیرانی صاحبہ کو توجہ دیں چنانچہ ان پر اس قدر اثر ہوا کہ ہاتھ پیروں میں تشنج پیدا ہو گیا اور حالت غیر ہو گئی یہاں تک کہ حضرت والا خود گھبرا گئے اور جلدی سے توجہ کو ہٹا کر پانی دم کر کے پلایا۔ تب خدا خدا کر کے افاقہ ہوا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ نے خود آپ کے تقویٰ و طہارت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان کے پاس ایک بیرنگ کارڈ آیا۔ انہوں نے بے ضرورت سمجھ کر پڑھے بغیر واپس کر دیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ حضرت کارڈ کا مضمون تو پڑھ لیتے پھر واپس کر دیتے تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ مضمون پڑھنے کے بعد واپس کرنا خیانت ہوتا کیونکہ کارڈ سے فائدہ اٹھانا مقصود ہے وہ فائدہ میں اٹھا لیتا اور ڈاک خانہ کو اس کی خدمت کا معاوضہ نہ ملتا۔"

آخر میں حضرت تھانوی ہی کی خدمت میں آپڑے تھے اور شعبان ۱۳۲۳ھ میں خانقاہ تھانہ بھون ہی میں اِنتقال فرمایا۔ زیادہ عمر نہیں ہوئی۔ حضرت تھانوی کے وقف کردہ قبرستان میں سب سے پہلے شاہ صاحب ہی دفن ہوئے تھے۔

حکیم بہاء الدین

مجازِ صحبت

آپ کی ولادت ۱۸ ؍ جون ۱۸۸۹ء کو ضلع ہردوئی یوپی میں ہوئی۔ مولانا شاہ محمد مسعود امام مسجد فتح پوری دہلی نے جن سے بعض اہل خاندان بالخصوص آپ کے والد حکیم سعید حسن صاحب کی والدہ محترمہ کو ارادت کا تعلق تھا۔ آپ کا نام محمد بہاء الدین رکھا۔ والدین کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی ۵ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ قاعدہ بغدادی اور پارہ عم مفتی محمد یوسف صاحب سے پڑھا۔ بعد ختم ناظرہ قرآن مجید اردو فارسی حساب دینیات (ابتدائی) کی تعلیم اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مدرسہ انجمن اسلامیہ گوپامئو میں پڑھیں۔

۱۹۰۵ء میں اپنے چچا مولوی وزیر حسن صاحب کے ساتھ جامع العلوم کانپور میں داخل ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مستقل قیام جامع العلوم تو غالباً ترک فرما چکے تھے مگر تشریف آوری اکثر وبیشتر رہتی تھی اور آپ کے بے مثال تلامذہ مولانا محمد اسحٰق بردوانی اور مولانا محمد رشید کانپوری کا تدریسی دور دورہ تھا یہی وہ دور تھا کہ حضرت تھانوی پر پروانہ وار معتقدین کا ہجوم رہتا اور آپ کے فیضانِ صحبت سے ہر شخص متاثر تھا۔ فطری طور پر ان طلباء کا متاثر ہونا لازمی تھا جو آپ کی شفقت آمیز گفتگو اور محبت بھری نظروں سے محظوظ ہوتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسی وقت سے حضرت تھانوی کی طرف قلبی رجحان تھا مگر کم عمری اور طالب علمی کا زمانہ تھا۔ شرف بیعت حاصل کرنا حضرت قدس سرہ کے اصول وطریقہ کے مطابق مشکل تھا۔ گھر کے معاشی

حالات نے علوم دینیہ کی تکمیل سے محروم رکھا۔ جب اس درجہ استعداد ہوگئی کہ طب کی عربی کتابیں پڑھی جا سکیں تو مجبوراً جامع العلوم چھوڑنا پڑا ——— آپ نے فن طب کی تکمیل میں قدیم طریقہ اختیار فرمایا کہ جہاں جس فن کی شہرت سنی وہیں سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کی علوم طبیہ کی تکمیل کے لئے ۲ سال لکھنؤ کے فاضل اجل طبیب وعالم حضرت مولانا عبدالحیٰ حسنی ناظم ندوۃ العلماء کی خدمت میں رہ کر اکتساب فرمایا۔ حکیم بہار الدین صاحب طبعی اور قدرتی طور پر خوشخط تھے اس لئے اکثر مولانا عبدالحیٰ صاحب اپنے مضامین نقل وتصفیہ کے لئے آپ کو ہی مرحمت فرماتے تھے یہیں سے آپ میں تاریخی ذوق پیدا ہوا جو آخری عمر تک بڑی شد ومد سے قائم رہا اور عمر اور آمدنی کا بڑا حصہ اسی ذوق میں صرف ہوا۔ اس کے بعد شفاء الملک حکیم عبدالحسیب صاحب دریاآبادی کے دولت کدہ پر مقیم رہ کر مبادیات طب تدریساً اور عملاً شرکت مطب وسرجری کی مشق کی۔ ۱۹۱۱ء میں لکھنؤ کی مشہور طبی درسگاہ تکمیل الطب کالج میں داخلہ لیا اور اعلیٰ اساتذہ کی زیر نگرانی تعلیم مکمل کر کے ۱۹۱۳ء میں سند حاصل کی۔ اس کے بعد سرجری کی خصوصی سند حاصل کی۔ یہ پہلی خصوصی سند تھی جو کالج سے عطا کی گئی۔ ۱۹۱۵ء میں ہردوئی تشریف لائے اور ایک بزرگ سید سرفراز شاہ صاحب کی خاص توجہات کے ساتھ مطب کا آغاز کیا۔

پیر جی صاحب سے صرف عقیدت مندی کا تعلق رہا۔ وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت میں حاضری ہوتی رہی مگر بعض حالات کی بنا پر ۱۹۱۴ء میں ضلع مرادآباد کے ایک صاحب فیض بزرگ مولانا شاہ بہار الدین صاحب کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا

حضرت تھانوی کی ذات اقدس سے قلبی تعلق اور گہرا لگاؤ تو زمانہ قیام جامع العلوم ہی سے ہو چکا تھا، پھر عرصہ تک مکاتبت کے بعد حاضری اور شرف تجدید بیعت کی دولت بھی نصیب ہوئی۔ ۱۹۴۲ء میں مجازِ صحبت کے اعزاز سے مشرف ہوئے اکثر تھانہ بھون حاضری ہوتی رہی حضرت قدس سرہ اپنے انتقال سے پہلے تین یا چار یوم قبل دن میں متعدد بار حاضری کا حکم دیتے اور خوب کھل کر معاشی حالات واقتصادی مشاغل اور دیگر کیفیات دریافت فرماتے۔ ارشادات عالیہ سے

سرفراز فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے۔ ساتھ ہی آپ کو بعض تالیفات بھی مرحمت فرمائیں جن میں بوادر النوادر خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

تالیفات

کبھی یا تو بہی طور پر طبی اور تاریخی دو ہی ذوق غالب تھے۔ طبی سلسلہ میں اولاً رسالہ الحکیم لاہور کے مستقل مضمون نگار تھے۔ حضرت مولانا عبدالحئی صاحبؒ سے جو ذوق حاصل فرمایا تھا اس کے نتیجہ میں اپنے وطن قصبہ گوپامئو کی ایک مبسوط تاریخ تقریباً چالیس سال کی شب و روز کی عرق ریزی سے تالیف کی۔ مرض وفات سے چند روز قبل اس کے جملہ مسودات کو یکجا کرکے مستقل کتابی شکل دے دی۔ دوسری تالیف تاریخ خاندان شیوخ قنوجیان گوپامئو ہے۔ (۳) ضلع سیتاپور کے علما کی تاریخ سیر العلماء (۴) حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی ماموریاطبع افاضات بندگی مخدوم نظام الدین عثمانی انبٹھوی کی سوانح ملفوظ و مکتوبات۔

مارچ ۱۹۶۲ء میں سات ماہ مسلسل بیمار رہنے کے بعد انتقال فرمایا۔ اسی زمانہ علالت میں دو بار اپنے شیخ قدس سرہ کی زیارت منامی سے سرفراز ہوئے۔

مولانا عبدالغنی پھولپوری

مجازِ بیعت

مولانا عبدالغنی اعظم گڑھ میں ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے پیرومرشد حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے عمر میں تیرہ برس چھوٹے تھے۔ آپ ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بہ چھاؤں کے رہنے والے تھے مگر چونکہ عمر کا بیشتر حصہ پھولپور میں گذارا تھا اس لئے پھولپوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ گاؤں ہی میں ایک پرائمری سکول میں داخل ہوئے۔ ابھی دو تین روز ہی گذرے تھے کہ آپ کے دادا نے آپ کی والدہ صاحبہ کو خواب میں ہدایت کی کہ وہ عبدالوہاب سے کہہ دیں کہ اس بچے کو دین کی تعلیم دلوائیں۔ آپ کے دادا صاحبِ نسبت بزرگ تھے اور مولانا عبدالسبحان صاحب سے بیعت تھے جن کا سلسلۂ بیعت چار واسطوں کے بعد حضرت مرزا مظہر جاناں سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد صاحب نے آپ کو دینی تعلیم کے لئے جونپور مولانا ابوالخیر مکی صاحب کی خدمت میں بھیج دیا جو مولانا سخاوت علی خلیفہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے تھے۔ آپ مولانا مکی صاحب سے دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا سید امین الدین نصیر آبادی کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد جامع العلوم کانپور میں مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کی۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہ کانپور تشریف لائے۔ تب ہی سے آپ کے دل میں حضرت کی عقیدت اور محبت بیٹھ گئی اور تعلیم سے فراغت کے بعد آپ سے بیعت ہونے کا ارادہ کر لیا۔ آپ کو چونکہ معقولات کا بہت شوق تھا۔ اس لئے مدرسہ عالیہ رامپور تشریف لے گئے جو اس زمانہ میں

منطق اور فلسفہ کا مشہور اور مخصوص مرکز تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ سیتاپور میں کچھ عرصہ کے لیئے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا پھر جونپور میں تقریباً پانچ سال تک صدر مدرس کے عہدہ پر فائز رہے۔ اسی زمانہ میں آپ حضرت حکیم الامت کے ہمراہ سرائے میر اعظم گڑھ تشریف لائے جہاں حضرت کا وعظ ہوا اور عیدگاہ ہی میں ۱۳۳۸ھ میں آپ نے حضرت سے بیعت کی۔ ۱۳۳۳ھ میں آپ نے حضرت تھانوی قدس سرہ کے مشورہ سے پھولپور میں مدرسہ روضۃ العلوم قائم کیا جس کی بنیاد حضرت قدس سرہ نے اپنے ہاتھ سے رکھی اور ارشاد فرمایا کہ اس مدرسہ کا نام پھولپور کی نسبت سے روضۃ العلوم رکھتا ہوں۔ ۱۳۴۹ھ میں حضرت پھولپوری نے قصبہ سرائے میر میں ایک اور مدرسہ بیت العلوم بھی قائم کیا۔ حضرت قدس سرہ نے اس مدرسہ کی سرپرستی بھی قبول فرمائی تھی اور اس مدرسہ کا نام بھی آپ ہی کا تجویز کردہ ہے۔ اس موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ سرائے کی مناسبت سے اس کا نام بیت العلوم یا دار العلوم رکھنا چاہتا ہوں لیکن بیت العلوم میں چونکہ انکسار زیادہ ہے اس لیئے اس کا نام بیت العلوم رکھتا ہوں۔ ہر کجا پستی آب آنجا رود اللہ تعالیٰ اس کو دار العلوم بنادیں" مولانا پھولپوری اس مدرسہ کے انتظام کی خاطر اپنے گھر پھولپور سے پانچ میل دور قصبہ سرائے تشریف لے جایا کرتے اور اگر کبھی وہاں پورا دن ٹھہرنا ہوتا تو گھر سے آٹا نمک گھی لے جاکر علیحدہ پکواتے اور تناول فرماتے۔ آپ نے مدرسہ سے کبھی نمک تک نہیں چکھا اور نہ ہی کبھی تنخواہ لی۔ محض رضائے حق کے لیئے دس میل کا سفر اختیار کرتے۔

آپ کی سادگی کے متعلق خود حضرت حکیم الامت نے فرمایا" مولوی عبد الغنی ماشاء اللہ سپاہی آدمی ہیں۔ بڑے مستعد ہیں پہلوان آدمی ہیں پھر عملی و علمی کمال جداگانہ وضع سے مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بھی کچھ ہیں۔ یہ ذکر کا اثر ہے ذکر عجیب چیز ہے سب اصلاحیں اسی سے ہوتی ہیں۔ مولوی عبد الغنی کس قدر سادے ہیں کہ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ پڑھے لکھے بھی ہیں۔ ذکر بناوٹ کو تو بالکل ہی اڑا دیتا ہے۔ مولوی عیسیٰ صاحب بہت خوش پوشاک ہیں کہنے لگے کہ تزئین میں کیا حرج ہے یہ تو جمال ہے اور حدیث میں ہے کہ اللہ جمیل" ویحب الجمال میں سنتا رہا اور بعد میں کہا مولوی صاحب یہ سب اسی وقت

تک ہے جب تک حقیقت منکشف نہیں ہوتی اور جب حقیقت منکشف ہوجائے گی تو اللہ جمیلؒ و یحب الجمال سے استدلال رکھا رہ جائے گا۔ اب ان کی حالت دیکھئے اچکن اور گھڑی سب بھول گئے ہیں۔ غریبوں کی سی وضع ہوگئی ہے۔"

آپ کو شروع ہی سے راہ خدا میں اپنی جان قربان کرنے کا جذبہ ہر وقت بے چین رکھتا تھا اسی کیفیت کے تحت آپ نے ایک مشہور استاد کو اپنے مدرسہ پھولپور میں ایک معتد بہ مشاہرہ پر دس برس تک رکھا اور ان سے فن سپاہ گری کے فنون کی تکمیل کی۔ ایک استاد سے کشتی بھی سیکھتے رہے اس لئے قوت جسمانی بہت قوی تھی۔ تھانہ بھون میں اپنے پیر و مرشد کے حکم سے بعض اہل علم حضرات کو لاٹھی سکھاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت نے آپ کی فن سپاہ گری کو دیکھ کر فرمایا۔ "جب آپ لاٹھی کے ہاتھ دکھا رہے تھے تو مجھے جوش آرہا تھا" ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ "ہمارے مولوی عبد الغنی ہزار آدمیوں کے مقابلے کے لئے تنہا کافی ہیں اور اگر ہم کو کبھی فوج کی ضرورت پڑی تو ہماری فوج اعظم گڑھ میں ہے"۔ آپ کے مزاج میں خلاف دین کاموں کو دیکھ کر سخت تغیر ہوتا اور جوشِ غضب میں مخالفینِ دین کی ہمیشہ بے لاگ بیخ کنی فرماتے۔ ایک بار ایک مولوی صاحب نے حضرت تھانوی سے آپ کے غصہ کے متعلق شکایت کی تو آپ نے فرمایا "اپنے آدمیوں میں ایک گرم آدمی کی بھی ضرورت ہے ورنہ دشمن کھا جائیں گے"۔

آپ کپڑے ہمیشہ گھر میں دھلواتے تھے اگر ضرورۃً کبھی دھوبی کے یہاں کپڑا دیا گیا تو بعد میں دوبارہ اس کو گھر میں دھلوا کر استعمال فرماتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ "میں اس عمل پر فتویٰ نہیں دیتا ہوں حق تعالیٰ سے میرا خاص معاملہ ہے کہ اگر میں اس کے خلاف کرتا ہوں تو میری زبان ذکر میں بند ہو جاتی ہے اس لئے میں اپنے نفس کے لئے یہ اہتمام کرتا ہوں"

حضرت حکیم الامت سے تعلق

حضرت تھانوی کے یہاں آپ کا جو خاص مقام تھا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعات سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ ایک بار مولانا پھولپوری نے تھانہ بھون حاضری کی اجازت چاہی تو حضرت تھانوی

...نے تحریر فرمایا "اے آمدنت باعث صد شادی ما" اسی طرح ایک بار تحریر فرمایا "اجازت چہ معنی بلکہ اشتیاق" ایک مرتبہ آپ بلا اطلاع تھانہ بھون حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت حکیم الامت لیٹے ہوئے تھے آپ کو دیکھ کر فرطِ مسرت سے کئی قدم چل کر سینے سے لگالیا اور فرمایا "نعمت غیر مترقبہ" ایک مرتبہ حاضری کی اجازت پر تحریر فرمایا "کہ بیا بیا و فرود آ کہ خانہ خانہ تست"۔

حضرت شیخ الہند نے حضرت تھانوی سے ارشاد فرمایا کہ دیوبند میں پڑھانے کے لئے ایک آدمی بھیج دیجئے، حضرت تھانوی نے مولانا پھولپوری سے دریافت کیا کہ میں آپ کو دیوبند میں منتخب کر کے بھیجتا ہوں آپ کیا تنخواہ لیں گے آپ نے عرض کیا کہ حضرت چنے چبا کر پڑھاؤں گا۔ اس پر حضرت تھانوی نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا ہی کریں گے"۔

حضرت تھانوی نے ایک مجلس میں ایک نہایت غامض مضمون بیان فرمایا پھر دریافت کیا کہ آج کا مضمون کس نے لکھا ہے خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ حضرت پھولپوری نے قلم بند کیا ہے تو اس پر حضرت حکیم الامت نے فرمایا "ہاں حق بہ حق دار رسد" ایک بار حضرت تھانوی نے فرمایا "میں بلا تصنع کہتا ہوں کہ مجھے اعظم گڑھ والوں سے خاص محبت ہے۔ مولوی عبدالغنی کے آنے سے میری ایک خاص کیفیت ہوئی۔"

تصانیف

معرفت الٰہیہ۔ یہ کتاب آپ نے حضرت تھانوی کے حکم سے تحریر فرمائی جس میں فیوض اشرفیہ اور مطب اشرفی کے بے بہا نسخے رسالہ کی صورت میں جمع کر دیے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے اس کتاب کو خانقاہ تھانہ بھون میں داخلِ درس فرما دیا تھا (۲) معیت الٰہیہ۔ اس میں بتلایا گیا کہ قرب خداوندی کے حصول کے لئے محض ذکر و فکر اور علم و کتب بینی کافی نہیں بلکہ اس کے لئے اہل اللہ کی صحبت بھی ضروری ہے (۳) صراط مستقیم۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت پر ایک الہامی کتاب ہے (۴) ملفوظات۔ آپ کی مختلف مجالس کے ارشادات جمع کئے گئے ہیں جن کی آپ نے حرفاً حرفاً بغرض تصحیح سماعت فرمائی۔ براہین قاطعہ اس کتاب میں وحدانیت رسالت اور قیامت پر مشتمل علمی تقاریر مندرج ہیں۔

۱۲ اگست ۱۹۶۳ء کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

حافظ مظہر احمد ادھمی

مجازِ صحبت

حافظ مظہر احمد ادھمی ۱۵ مارچ ۱۸۹۶ء کو تھانہ بھون میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن کے بعد مدرسہ سلیمانیہ بھوپال میں دینی تعلیم حاصل کی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد دفتر تصنیف و تالیفِ تاریخ بھوپال میں ابتدائی ملازمت کے بعد ۱۹۱۳ء سے کر ۱۹۵۰ء تک جہانگیریہ ہائی سکول بھوپال میں مدرس رہے۔ آپ کا تعلق چونکہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خاندان سے تھا اس لئے روحانی اصلاح کے لئے آپ نے خود کو حضرت تھانوی کے سپرد کر دیا غالباً ۱۹۳۹ء میں آپ کو مجازِ صحبت کے اعزاز سے نوازا گیا۔ آپ بہت متقی اور پرہیزگار آدمی تھے۔ ہمیشہ اس بات کی کوشش کیا کرتے کہ نماز باجماعت ادا ہو۔ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے اور کان کے اندر اپریشن کرانے کی ضرورت پڑی لیکن اپنی نماز اور طہارت کے خیال سے ہسپتال میں داخلہ نہ لیا اور گھر ہی میں آپریشن کروایا اور اس دوران میں بھی خاص طور سے وضو کر کے نماز ادا کرتے رہے۔

آپ کو تبلیغ کا بے حد شوق تھا اور آپ نے اسلام کی تبلیغ کے لئے بے حد قربانیاں دیں بھوپال شہر سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر ایک مسجد تھی اس کے اطراف میں جو گاؤں آباد تھے وہاں پر کچھ مسلمان رہتے تھے مگر اللہ رسول کے نام سے نابلد اور نماز سے ناواقف۔ آپ نے ان لوگوں میں تبلیغ کے لئے بڑی جانفشانی سے کام کیا۔ آپ ہر جمعہ کو صبح کی نماز پڑھ کر اپنے ساتھ تین چار آدمیوں کو لے کر ان کے گاؤں میں جاتے ان کے کپڑے خود دھوتے اور ان کو سکھانے کے بعد ان کو نماز جمعہ پڑھا کر شام کو واپس

گھر آتے۔ یہ سلسلہ تقریباً ۲۰ سال تک جاری رہا۔

آپ کا سب سے نمایاں اور اہم کارنامہ ایک نقشے کی تیاری ہے۔ یہ نقشہ اوقاتِ نماز صبح صادق غروب آفتاب اور دوسری ضروری باتوں سے پُر ہے۔ آپ صحیح وقت کا اندازہ کرنے کی خاطر ہر صبح بھوپال شہر سے کافی دور بیراگڑھ پیدل جاتے تھے اور وہاں صبح صادق اور طلوع آفتاب کا مطالعہ کر کے ہر دن ہر موسم میں ان اوقات کا اندازہ لگایا۔ ایک اندازے کے مطابق آپ کو اس کام کو انجام دینے میں پانچ سال سے زیادہ کا عرصہ صرف ہوا۔ حضرت تھانویؒ نے بھی اس نقشے کا مطالعہ کیا اور اس پر آپ کی تعریف کی تھی۔

تصانیف

معلم القرآن۔ پارہ عم یتسالون کا ترجمہ ہے۔ مبتدیوں اور عام نمازیوں کے لئے اس طرح ترتیب دی ہے کہ اول سورۃ کے اسباب نزول پھر ہر لفظ کا الگ الگ ترجمہ اور بعد میں پوری سورت کی تفسیر لکھی دو بار طبع ہوا۔ "اشرف البیان تسہیل القرآن" سورہ زلزال سے آخر پارہ تک قرآن کریم کی تفسیر ہے حضرت تھانوی نے اس کی تصحیح فرمائی تھی اس کے علاوہ مختصر تفسیر آیات قرآنِ حکیم در بارہ فریضہ جہاد قل ھو اللہ کی تفسیر۔ اشرف جنتری بھی آپ کی تصانیف ہیں۔

یکم دسمبر ۱۹۵۰ء کو ایک موٹر کے حادثے میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی بھوپال میں مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنازہ میں میل ڈیڑھ میل تک آدمی ہی آدمی تھے اور ایک بہت بڑی تعداد کو کندھا دینے کا موقع نہ مل سکا۔

حاجی محمد یوسف زنگونی

مجازِ صُحبت

حاجی محمد یوسف صاحب حضرتؒ کے ایک نہایت مخلص اور متموّل خادم مجاز تھے۔ ان کا جب انتقال ہوا تو ان کے بالغ ورثاء نے ایک کثیر رقم بھیجی۔ اس رقم کی وصیت مرحوم نے حضرت والا کے نام بذریعہ تحریر وصیت فرمادی تھی لیکن حضرت والا نے تحریر فرمایا چونکہ مرحوم کے بعض ورثاء نابالغ ہیں اس لئے اگر یہ وصیت کسی شرعی حجت سے ثابت ہو تب وہ نابالغ ورثار کے مقابلہ میں شرعاً نافذ ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ لہٰذا وہاں کے علمار کے سامنے شرعی حجت پیش کر کے اور ان پر یہ بھی ظاہر کر کے کہ وہ وصیت نامہ کس کے سامنے لکھا گیا یا حاجی صاحب نے کس کس کے سامنے تحریر کرنے کا اقرار کیا اور کس کس کے پاس اور کہاں کہاں رہا۔ ان سے باقاعدہ فتویٰ حاصل کیا جائے اور پھر وہ فتویٰ میرے پاس بھیجا جائے اگر میرے نزدیک بھی وہ حجت شرعاً کافی ہوگی تو وہ وصیت کردہ رقم بخوشی قبول کرلوں گا ورنہ عذر کردوں گا۔ چنانچہ وہاں سے باقاعدہ فتویٰ مکمل حجت شرعیہ کے ساتھ آگیا جس پر حضرت کو اطمینان ہوگیا اور پھر رقم بخوشی قبول فرمالی گئی۔

مولانا محمد انوار الحسن کاکوروی

مجازِ صحبت

مولوی محمد انوار الحسن کاکوروی ۹ ذیقعدہ ۱۲۸۳ھ کو بمقام قصبہ کاکوری پیدا ہوئے۔ نثار اللہ خان فرخ آبادی نے تاریخ ولادت لکھی تھی جس کا آخری مصرع یہ ہے۔

جلوہ گر برج حمل سے نیّر اعظم ہوا

آپ کے والد بزرگوار مولوی محمد محسن (محسن کاکوروی) جن کا نعتیہ کلام ہند سے عرب و عجم تک مقبول خاص و عام ہوا۔ خود فرماتے ہیں۔

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسن
کلام نعتیہ رکھا میری زباں کے لئے

مولوی انوار الحسن کے برادرِ بزرگ علامہ مولوی نور الحسن نیّر مرحوم کا بڑا کارنامہ نور اللغات کی تدوین و تالیف ہے جس میں زبان اردو کے تمام لغات، محاورے اور ضرب الامثال وغیرہم جمع کئے گئے ہیں۔ یہ لغت چار ضخیم جلدوں میں مکمل ہو کر پہلی بار ہندوستان میں بعدہٗ پاکستان میں طبع ہو کر مقبول عام ہوا۔

مولوی انوار الحسن صاحب نے عربی و فارسی کی تعلیم اپنے والد کے سایہ عاطفت میں رہ کر حاصل کی اور انگریزی میں بی اے ایل ایل بی کی سند حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ پیشہ وکالت شروع کرنے سے قبل کسی سینئر وکیل سے سرٹیفکیٹ حاصل کرنا ضروری ہوتا تھا چنانچہ پروانہ جواہر لال نہرو

کے والد موتی لال نہرو سے حاصل کیا تھا پہلے شہر مین پوری (یو۔پی) میں بعد ازاں لکھنؤ میں پیشۂ وکالت کو فروغ دیا۔

مولوی صاحبؒ اپنے بھائی۔ اہل و عیال اور دیگر اعزاء کی معیت میں ۱۳۴۴ھ میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ سفرِ حج میں بمقام مدینہ طیبہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے متعلق ایک خواب دیکھا حالانکہ اس زمانہ میں حضرت تھانوی سے کوئی خاص عقیدت بھی نہ تھی اور مدینہ طیبہ میں کوئی بعید سے بعید خیال بھی نہ تھا۔ فرمایا کہ ایک شب خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چارپائی پہ بیمار پڑے ہوئے ہیں اور حضرت تھانویؒ تیمارداری فرما رہے ہیں اور ایک بزرگ دُور بیٹھے ہوئے دکھلائی دیے جن کے متعلق خواب ہی میں معلوم ہوا کہ یہ طبیب ہیں۔ آنکھ کھلنے پر ذہن میں فوراً یہ تعبیر آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کیا بیمار ہیں حضورؐ کی اُمت بیمار ہے اور حضرت مولانا اس کی تیمارداری یعنی اصلاح میں مصروف ہیں لیکن وہ بزرگ طبیب جو دُور بیٹھے نظر آئے تھے وہ سمجھ میں نہ آئے کہ کون تھے۔ حضرت تھانوی نے تحریر فرمایا کہ وہ حضرت مہدی علیہ السلام ہیں اور چونکہ ابھی زماناً بعید ہیں اس لئے خواب میں مکاناً بعید دکھائے گئے۔

بعد واپسی بیت اللہ شریف پیشہ وکالت میں دروغ بیانی سے بچنا محال سمجھ کر کاروبارِ وکالت ترک کر کے وطن ہی میں خانہ نشین ہو گئے۔ یہاں باغبانی اور زراعت میں دلچسپی لیتے رہے اور اسی دوران حضرت مولانا تھانویؒ کے دستِ خدا پرست پر بیعت ہو کر اپنا بیشتر وقت دینی کتب بینی، بالخصوص تالیفات و مواعظ حضرت تھانوی کے مطالعہ نیز اوراد و وظائف و اذکار اشغال میں بسر کرنے لگے۔ فارغ از خلق اور مشغول بیادِ حق مدت العمر رہے۔

فقہ حنفی اور استنباط مسائل میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ایک منزل قرآن شریف بلاناغہ تلاوت فرمانے کا معمول تاحیات رہا۔ پختہ عمر میں ایک مشہور قاری مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ سے فن تجوید و قرأت سیکھی۔ گو خود حافظ قرآن نہ تھے مگر ناظرہ اتنا اچھا یاد تھا کہ تراویح میں اکثر امام کو لقمہ دے دیتے تھے

ذوقِ قرآن اور دینی شغف و حسنِ نیت کا ثمرہ یہ تھا کہ اپنی حیات ہی میں تقریباً سب پوتے اور چند نواسے حفظِ قرآن کی نعمت سے مالا مال ہو گئے۔

آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی محمد حسن صاحب مالک انوار بک ڈپو لکھنؤ و کراچی۔ حضرت تھانوی کے خلیفۂ مجازِ صحبت مقیم حال نمبر ۵۰ ڈیسلوا ٹاؤن کراچی ہیں۔ جب بھی حضرت تھانوی بسلسلۂ علاج لکھنؤ تشریف لائے، طویل قیام کا شرف ان ہی کے غریب خانہ کو حاصل ہوا مکانِ مذکور کا ایک بڑا حصہ حضرت تھانوی اور ان کے متعلقین کے قیام کے لئے خالی کر دیا جاتا تھا۔ لکھنؤ و قرب و جوار کے مسلمان بلکہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے تشنۂ دین کے متلاشی آتے رہتے تھے اور فیض یاب ہوتے رہتے۔

مخصوص مجلس اسی مکان واقع بھیڑی منڈی محلہ مولوی گنج لکھنؤ میں ہوتیں اور بعد نماز عصر "مسجد خواص" میں عام مجلس تا مغرب منعقد ہوا کرتیں اور آپ ہر نشست میں شرکت فرماتے رہے۔ جب کبھی کانپور وغیرہ حضرت تھانویؒ کی تشریف آوری کی اطلاع ملی وہاں ضرور حاضرِ خدمت ہوتے۔ متعدد بار خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون جا کر کئی کئی دن قیام فرماتے اور فیض صحبت حاصل کرتے رہے۔ آپ کی اہل خانہ حضرت شاہ فضل الرحمٰنؒ گنج مراد آبادی سے بیعت تھیں مگر جملہ دختران اور بہوئیں حضرت تھانوی سے بیعت ہوئیں۔

قصبہ میں اس دیانت و جامعیت کا کوئی فرد موجود نہ تھا۔ اس وجہ سے حکومت کی نظر انتخاب مولوی صاحب موصوف پر پڑی اور آنریری مجسٹریٹ بننے کے لئے پیش کش کی گئی جس کو بادلِ نخواستہ حکومت و احباب کے اصرار پر قبول فرما لیا۔ مجسٹریٹ درجہ اوّل کے اختیارات حاصل تھے۔ تقریباً ۲۰ سال تک یہ خدمت مفاد عامہ کی خاطر انجام دیتے رہے۔ ضلع بھر میں صلح جو مجسٹریٹ مشہور تھے باہم فریقین حتی الوسع مصالحت کرا دیا کرتے تھے۔ بیانات و فیصلہ جات سب اردو میں تحریر فرماتے تھے۔ اخیر میں کام بالقصد چھوڑ دیا مگر حکومت نے تاحیات "لائف مجسٹریٹ" مقرر کر دیا۔ اہل قصبہ اپنی پنشن و دیگر اسناد کی تصدیق کا کام لیتے رہتے۔ مدت تک ٹاؤن ایریا

کی صدارت کرتے رہے۔

تمام عمر کوٹ پتلون استعمال نہ فرمایا۔ کرتہ اور غرارہ دار پاجامہ زیب تن فرماتے رہے۔ ترک بدعات میں ہمہ وقت مستعد رہتے۔ اپنی اولادوں کی شادی بیاہ میں جملہ رسوم یک لخت ختم کر دیں۔ شریعت کے مقابلہ میں اہل برادری کی لعن طعن کی مطلق پرواہ نہ کی شرعی مسائل دریافت کرنے اہل قصبہ آتے رہتے اور اہل معاملہ قانونی مشورہ بھی حاصل کرتے رہتے۔ نظام الاوقات کے پابند تھے تہجد کے وقت ذکر اور نوافل ادا فرماتے محلہ کی مسجد میں جماعت فرماتے بلکہ مدتوں پیش امام کے فرائض خود انجام دیتے رہے۔ قصبہ کی متعدد مساجد کی شکست وریخت اور تعمیر کے مصارف اپنے ذمہ کر رکھے تھے۔ نماز جمعہ میں خطبہ سے قبل خطابت بھی فرماتے۔ صبح بعد نماز فجر مسجد ہی سے جنگل کی جانب حمائل شریف گلے میں ڈالے، تسبیح پڑھتے ہوئے مشی (چہل قدمی) فرمانے کے عادی تھے۔ نماز اشراق کبھی جنگل ہی میں اور کبھی گھر واپس آکر ادا فرماتے۔

ایک منزل قرآن پاک تلاوت روزانہ فرمانے کے عادی تھے۔ اس دوران کسی شخص سے گفتگو یا کسی کی مداخلت پسندیدہ خاطر نہ تھی۔ بعد نماز ظہر دینی کتب بینی کا مشغلہ رہتا۔ موسم گرما میں لو کے تھپیڑے چل رہے تھے، ایک بار باادب عرض کیا کہ اتنی شدید گرمی میں بجائے مسجد کے گھر پر ہی نماز با جماعت ادا کر لی جائے! جواب دیا کہ میدان حشر میں گرمی اس سے بھی زیادہ ہوگی! بلاناغہ خس خانہ سے نکل کر رومال سر اور کانوں میں لپیٹ کر نماز ظہر مسجد ہی میں جو تقریباً نصف فرلانگ سے کم نہ ہوگی جا کر ادا فرماتے گو، اللہ کا دیا سب کچھ تھا مگر کھانا پینا، رہن سہن بالکل سادہ تھا مزاج میں کبر کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ تھا۔ مکان کے اردگرد، اپنی ہی زمین پر، رعایا کے مکانات تھے، کسی کی بیماری سنتے بلا تکلف عیادت کو تشریف لے جاتے اور ہر حاجت مند کی مالی اعانت ضرور فرماتے زمینداری ضلع لکھنؤ، اٹاوہ اور سن یوری تک تھی۔ اہم معاملات میں شریک مشورہ ہو جاتے تھے مزاج میں بے حد رحم دلی تھی۔ ملازمان سے ہمدردانہ برتاؤ رکھتے۔ حتی الوسع ہر کام خود انجام دینا پسند فرماتے۔ اپنی زمینداری میں متعدد درختان کھجور واقع تھے جن کی فصل سالانہ فروخت ہوتی تھی مگر خریداران

درختان کھجور سے بجائے پھل حاصل کرنے کے درخت میں شگاف دے کر اس کا رس جس کو تاڑی کہتے ہیں اور جس سے شکر پیدا ہوتا ہے، نکال کر فروخت کرتے تھے۔ حضرت تھانوی سے استفسار فرمایا گیا کہ ایسی صورت میں اس کی فصل بیع کرنا جائز ہے یا نہیں۔ شروع میں حضرت مولانا نے اس کو ناجائز قرار دیا مگر کافی طویل خط و کتابت اور دلائل پیش کرنے کے بعد بالآخر حضرت تھانویؒ نے اپنی سابقہ رائے سے رجوع فرمایا۔ تاہم چونکہ طبیعت محتاط واقع ہوئی تھی اس وجہ سے فصل کھجور کی آمدنی اپنے استعمال میں نہ لاتے بلکہ حکومت کی مال گزاری اور دیگر جبری ٹیکس میں ادا کر دی جاتی۔

گھر سے مسجد جانے اور نماز فجر کی تیاری پر پیر لڑکھڑایا گر پڑے اور کولے پر ضرب شدید آئی جس نے معذور کر دیا۔ بغرض علاج لکھنؤ تشریف لے آئے۔ تقریباً سال بھر علاج جاری رہا مگر افاقہ نہ ہوا تاہم معمولات میں فرق نہ آیا۔ بالآخر ۱۳ر جنوری ۱۹۵۵ء دن کو دس بجے بعمر ۹۰ سال داعی ملک علم ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اپنی وصیت کے مطابق کاکوری میں اپنے جدِ اعلیٰ شیخ مخدوم صاحب کے مزار کے احاطہ میں اپنے بڑے بھائی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

سیّد حسن بلگرامی

مجازِ صحبت

سیّد حسن ۱۸۸۶ء میں بلگرام ضلع لکھنؤ کے معزز سادات خاندان میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ کالج میں تعلیم حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو گئے۔ سیّد حسن کے والد سیّد حسین مولانا سیّد وارث حسن (خلیفہ حضرت گنگوہی) سے بیعت تھے اور غالباً والد صاحب کے مشورہ ہی سے انہوں نے بھی آغاز شباب اور ملازمت میں مولانا وارث حسن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

ملازمت شروع کرتے ہی داڑھی رکھ لی۔ داڑھی بڑھانا خود ان کے اقارب میں ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا سبب ہو گیا تھا مگر وہ مرد خدا دھن کے پکے اس کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے علاوہ اعمال نافلہ کے پر شوق مداومت کی دیگر امور میں بھی پابندی شریعت کا بڑا لحاظ رکھتے زکوٰۃ بہت شغف احتیاط اور احتساب کے ساتھ حساب کر کے دیا کرتے تھے۔ نہایت ذوق وشوق سے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جب پراویڈنٹ فنڈ اور انشورنس کا روپیہ ملا تو اس کا نہایت احتیاط سے حساب بنوایا اور اپنا اصل روپیہ ہی لیا۔ سود کی رقم غریبوں میں بانٹ دی اور اپنی اصل رقم پر حساب لگوا کر زکوٰۃ نکالی اور اس طرح کئی ہزار روپے سے دستبردار ہوئے یہ احتیاط کی ایک اعلیٰ مثال تھی۔

غالباً ۱۹۳۵ء میں ان کے شیخ اوّل مولانا وارث حسن صاحب کا انتقال ہو گیا۔ حاجی خدا داد خان صاحب اور مولوی محمد حسن کاکوروی خلفاء حضرت حکیم الامت سے تعلقات کی بنا پر حضرت حکیم الامتؒ کی طرف رجوع کیا اور ۱۹۳۸ء میں حضرت حکیم الامت سے بیعت ہوئے حضرت حکیم الامتؒ نے جلد ہی انہیں اجازت بھی عطا فرما دی ۔ ۱۹۵۰ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

مولانا محمود الغنی

مجازِ بیعت

آپ حضرت مولانا احمد علی سہارن پوری کے پوتے تھے۔ آپ کے والد سہارن پور چھوڑ کر حیدر آباد دکن چلے آئے۔ یہاں وکالت کو ذریعہ معاش بنا کر فیشن پرستوں کی سی زندگی بسر کرتے رہے۔ فرزند تولد ہوئے تو ان کی پرداخت کے لئے نرس مقرر کی۔ یہ اکلوتی اولاد خدا کی شان کہ خلقۃً کمزور اور ہاتھ پاؤں کی بھی کچھ معذور تھی۔ جوان ہو کر یہ لڑکا کلین شیو اور خود بین بن گیا۔ لاڈ پیار ایسا تھا کہ تعلیم نہ جدید طرز کی پوری ہو سکی نہ دینی۔ یہ ماں باپ کی تربیت کا اثر تھا۔ مگر اب مالک حقیقی کی ربوبیت کا فیصلہ کچھ اور تھا وہ دفعۃً ظاہر ہو گیا۔ حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ حیدر آباد تشریف لائے ہوئے تھے۔ سرِ راہ شیخ عارف اور اس خوش بخت گو بظاہر خود بین وخود نگر جوان کی نظریں چار ہو گئیں اور نظریں کیا ملیں ؎

آں دل کہ ام نمودے از خوبرو جواناں

پیرانہ سال مردے بردہ بیک نگاہے

محمود الغنی بالکل ایسے گرویدہ ہوئے کہ حضرت کے سوا سب کچھ بھلا بیٹھے فرماتے تھے کہ حضرت کو دیکھے بغیر چین ہی نہیں آتا تھا۔ یہ دولت دیدار اس لئے آسانی سے میسر تھی کہ حضرت کا قیام آپ کے چچازاد بھائی حضرت مولانا عبدالحیٔی صاحب خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت کے گھر پر تھا۔

چند روز قیام کے بعد حضرت حکیم الامت وطن لوٹ رہے تھے تو اس نو گرفتار عشق کو ایک

عجیب کٹھن اور نازک مرحلہ سے گزرنا پڑا۔ آپ نے انہیں اسٹیشن آنے سے منع فرما دیا۔ اب ایک طرف تعمیل حکم کا خیال اور دوسری طرف جذبۂ دل کا اضطراب۔ کوئی معمولی کشاکش اور آسان مرحلہ نہ تھا۔

آخر فراستِ خداداد نے ان دونوں میں جوڑ کی صورت یہ سمجھائی کہ مولانا حدودِ اسٹیشن کے باہر ایسی جگہ کھڑے ہوئے کہ ٹرین گذرنے لگے تو محبوب کی جھلک نظر آجائے۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی محب اور محبوب کی نظر دور ہی دور ایک دوسرے کو الوداع و الفراق کہہ گئیں۔ حضرت حکیم الامتؒ کے قلب پر آپ کے اس امتزاج عشق وادب کا بڑا اثر ہوا اور لوگوں کے سامنے ان کی اس ادا کی تحسین فرمائی۔

بہرحال شیخ کی نظر نے دفعتہً مولانا کی زندگی بدل دی۔ ذکر و شغل خلوت گزینی اور فنائیت کا غلبہ ہو گیا۔ خط کے ذریعے تھانہ بھون حاضری کی اجازت مانگی جواب ازراہ شفقت ممانعت کا آیا کہ لاغری اور معذوری کے ساتھ اتنا طویل سفر خاصی زحمت کا موجب ہوگا مگر ادھر شوق اضطراب کے درجے کو پہنچا ہوا تھا پھر ایک تدبیر سمجھا دی اور جواب الجواب یہ پیش کیا گیا کہ والدہ ماجدہ سہارن پور میں مقیم ہیں (مولانا کے والد کے انتقال کے بعد والدہ مستقلاً سہارن پور جا چکی تھیں) ان کی خدمت میں حاضری بہرحال ہوگی اور وہاں سے تھانہ بھون کچھ دور نہیں اس لئے حاضری کی اجازت عطا ہو چنانچہ اجازت مل گئی۔ آپ نے فرمایا کہ "یہ میری چالبازی تھی کہ میں نے حضرت کو ایسا لکھ دیا ورنہ اصل نیت تو حضرت ہی کی زیارت کی تھی۔ والدہ کی ملاقات تو محض بہانہ تھی۔ غرض اسی کے سہارے بار بار تھانہ بھون حاضر ہوتے رہے اور وہ فیض پایا کہ توحید تجرید اور تفرید میں فرد کامل ہو گئے۔ خلافت سے نوازے گئے مگر فنائیت کا غلبہ ایسا غالب تھا کہ اس کو بھی محض اپنے جد امجد (محدث سہارن پوری) کے تعلق کی رعایت پر محمول فرمایا اور کبھی مشیخت کے منصب پر ظاہر نہ ہوئے ظاہری حالت بھی ایسی رکھی کہ عام سطح سے بلند کوئی نہ سمجھ سکا۔ ہاں اہل کمال ان کے کمال باطنی پر رشک کرتے تھے۔

مولانا کو اپنے شیخ سے کامل درجہ کا عشق تھا وہ ان کے عاشق صفاتی نہیں عاشق ذاتی تھے خود فرماتے تھے کہ تحریک خلافت کے زمانے میں چونکہ سارے علمائے دیوبند ایک طرف تھے اور حضرت والا (حکیم الامت) ایک طرف اس لئے اچھے اچھے مریدوں کے قدم بھی ڈگمگا گئے مگر مجھے تو اشرف علی کی ذات سے محبت تھی۔ نہ ان کے علوم سے نہ کمالات سے اس لئے اگر سب کے سب بھی حضرت کو چھوڑ دیتے تو میں ان ہی کا رہتا۔" اس پر عرض کیا کہ شیخ عبدالعزیز دباغ قدس سرہٗ نے یہی فرمایا ہے کہ جب تک مرید کو شیخ کی ذات ترابی سے عشق نہ ہو گا شیخ سے کامل نفع نہیں پہنچ سکتا۔ اس پر مولانا نے فرمایا "مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے مگر میں کیا کروں مجھے ان کی ذات سے محبت ہے اور یہ غیر اختیاری بات ہے۔" یہی وجہ ہے کہ اپنے شیخ کی ادنیٰ سی تنقیص ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ طبیعت ویسے بھی ذرا جلالی تھی اس لئے پہلے تو لڑ ہی پڑتے تھے مگر بعد میں جب ان کی حالت کی اطلاع ان کے ایک خواجہ تاش نے حکیم الامت کو دی اور حضرت نے ایک تعویز مولانا کو ارسال کیا تو جوش تھم گیا ضبط کی طاقت پیدا ہو گئی مگر ہیجان اور اس کا طبعی اثر اپنی جگہ رہا۔ کراچی کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ مولانا کو شدید دست لگے پوچھا تو فرمایا کہ ایک صاحب مجھ سے کہہ رہے تھے کہ مولانا اشرف علی تھانوی بڑے نیک انسان تھے اور بڑا کام کیا لیکن تصوف کے اونچے حقائق تک ان کی رسائی نہ تھی یہ جملہ میرے کان میں پڑا تو میں غصہ پی گیا مگر اس کے اثر سے دست شروع ہو گئے اور کئی بار ایسا ہوا۔

عملی اعتبار سے مولانا کی زندگی میں ذکر و شغل کے ساتھ سخت احتساب نفس کا اہتمام دیکھا گیا پچھلی شب کو اٹھ کر وضو کے لئے نکلتے تو بڑے پرسوز اور غضب آلود لہجہ میں آپ کی زبان سے یہ کلمات سنائی دیتے کہ یا اللہ میں بڑا کمینہ بڑا بدمعاش اور ایسا برا ہوں تو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما اس وقت ان کا قال ان کے حال کا بڑا مؤثر ترجمان بن جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے نیک خصال خواجہ تاشوں کے غائبانہ مداح ہونے کے باوجود ان سے محض اس وجہ سے بہت کم ملتے تھے کہ خود کو اس قابل نہ سمجھتے تھے حالانکہ وہ لوگ مولانا کی چند لمحوں کی ملاقات کو بھی اپنے لئے وجہ سعادت

سمجھتے تھے۔

مولانا کچھ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر حضرت حکیم الامت کے عشق نے ان کو ان کی تصانیف کا عاشق بنا دیا تھا اور اسی عشق کی کرامت تھی کہ مولانا نے حضرت کی ایک ایک تصنیف کو نہ صرف بار بار پڑھا تھا بلکہ فہم خداداد اور باطنی یافت کی وجہ سے مہمات مسائل تصوّف کو ایسے سمجھ گئے تھے کہ دقیق سے دقیق فنی بات اور تربیتی رمز کو جب وہ بیان فرماتے تو علماء تک کسی پہلو سے اس پر حرف گیری نہ کر سکتے تھے۔ یہ کمال حضرت حکیم الامت کے غیر عالم خلفاء میں مولانا ہی کے ساتھ مخصوص تھا اور یہی نہیں بلکہ چونکہ ان کی نسبت بہت اونچی تھی اور جذب وسلوک دونوں راہوں کے واقف کار تھے اس لئے اپنی طرف سے جب بھی وہ کوئی بات ارشاد فرماتے تو صرف وہ معیار علم وعرفان پر اس قدر پوری اترتی تھی کہ اعلیٰ سے اعلیٰ میزان تحقیق میں اس کو بلا تامل تولا جا سکتا تھا۔ ۱۹۵۶ء میں آپ نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔

مولانا سُلطان محمود

مجازِ صُحبت

مولانا سلطان محمود کو بڑی عمر میں تحصیل علوم کا شوق پیدا ہوا۔ عمر کے ابتدائی حصہ میں پہلوانی اور دیگر دیہاتی کھیلوں میں عملاً مہارت حاصل تھی اور پہلوانوں اور کھلاڑیوں پر غالب آتے رہے۔ اس دوران میں آپ کے ماموں جو عالم دین تھے آپ کو علمِ دین حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی اور آپ کے دل میں علم دین کے حصول کا شوق پیدا کیا۔ ساتھ ہی طالب علمی کے اخراجات بھی اپنے ذمے لئے۔ پس اسی وقت سے آپ نے اپنے سب شغل چھوڑ چھاڑ کر تحصیل علوم دین کی طرف توجہ فرمائی قرآن مجید پہلے ہی حفظ تھا اب دیگر علوم کے حصول کی کوشش شروع کی مختلف اساتذہ اور درسگاہوں سے علوم وفنون حاصل کرتے کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے جہاں حضرت مولانا انور شاہ صاحب کی خدمت میں زیادہ وقت گذارا۔ حضرت شاہ صاحب کے درس میں شریک ہونے کے بعد آپ کی پوری کوشش ہوتی کہ آپ کے درس کو من وعن ضبط کرلیں، چنانچہ آپ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے جو کچھ آپ درس میں ضبط کرتے گھر پر آکر اسے تفصیل سے لکھ لیتے۔ اس طریقہ سے ابوداؤد شریف کی ایک بڑی ضخیم شرح فراہم کرلی جو تقریباً ۷، ۵ اجزا پر مشتمل تھی، اگر یہ ضخیم شرح طبع ہو کر منصۂ شہود پر آجاتی تو علوم نقلیہ وعقلیہ واصول تفسیر وحدیث کا ایک بے بہا خزانہ امت کے ہاتھ آجاتا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے جہاں مدرسہ فتح پوری میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ ان ہی ایام میں آپ نے مولانا عبید اللہ سندھی سے بھی علمی فوائد حاصل کئے۔

حضرت تھانوی سے بیعت

تھانہ بھون کی حاضری کا واقعہ خود اپنے ایک دوست کو بیان فرمایا کہ "جب میں وہاں حاضر ہوا تو حکیم الامت قدس سرہ نے بڑی خندہ پیشانی اور تپاک سے میرے ساتھ ملاقات فرمائی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آپ میرے تمام وضع کردہ ضوابط و شرائط سے مستثنیٰ رہیں گے اور میرا آپ سے دوستانہ تعلق برقرار رہے گا جب بھی آپ یہاں آئیں گے کسی ذریعہ اور واسطہ کے بغیر براہِ راست مجھ سے ملاقات کر سکتے ہیں اور بیعت کی درخواست کرنے پر مجھ کو چاروں سلسلوں میں بیعت فرمالیا اور ساتھ ہی بیعت کرنے کی اجازت بھی فرمادی اور فرمایا کہ آپ کے لئے اس سلسلہ میں کسی ورد اور وظیفہ کے تجویز کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ جو از خود تدریس دین اور تبلیغ اسلام کا باضابطہ کام کر رہے ہیں یہ کام وظائف اور اورادِ مجوزہ سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔"

مولانا سلطان محمود بڑے متبحر عالم اور فاضل اجل تھے۔ نمود و نمائش سے دور بھاگتے تھے بڑی خودداری سے زندگی بسر کرتے رہے۔ شہرت پسند مجالس میں کم شریک ہوتے اگر اتفاقاً کسی مجلس علماء میں شریک ہوتے تو جس بات کو اپنے خیال میں بہتر اور صحیح سمجھتے اس کو علانیہ بیان فرما دیتے۔ ایک مرتبہ دار العلوم ربانیہ کی مجلس مشاورت میں یہ تجویز پیش ہوئی کہ علم دین حاصل کرنے والے طلبہ کی گذر اوقات کے لئے کوئی شعبہ صنعت و حرفت دار العلوم میں رکھا جانا چاہیئے تاکہ علماء دین فارغ التحصیل ہونے کے بعد لوگوں کے دست نگر نہ ہوں اور اپنے کسب اکتساب سے گذر اوقات کریں۔ اس تجویز کی مولانا نے سختی سے مخالفت کی اور فرمایا کہ جب آپ لوگ ہی ان کو دنیا حاصل کرنے کی ترغیب دیے رہے ہیں اور فکر مند کرنا چاہتے ہیں تو یہ علماء دین ہو کر دنیا کے کاروبار میں لگ جائیں گے پھر دین کا کام متوکل علی اللہ نہیں کر سکیں گے۔ علماء کو چاہیئے کہ دین کا کام اللہ تعالیٰ کا کام سمجھ کر کریں اور اپنی ضروریاتِ زندگی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ دین اسلام اور خصوصاً علم حدیث کے ساتھ آپ کو والہانہ عشق اور محبت تھی چنانچہ جب آپ دہلی سے اپنے قصبہ کٹھالیہ میں واپس تشریف لائے تو یہاں ایک دار العلوم جاری کیا۔

مولانا احمد علی

مجازِ بیعت

آپ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ حضرت والا کے سب سے پہلے خلیفہ مجاز تھے۔ فقہ سے بہت زیادہ مناسبت رکھتے تھے یہاں تک کہ بعض سوالات فقہ دریافت کرنے پر حضرت مولانا گنگوہیؒ نے بھی تعریف فرمائی کہ ان کو فقہ سے بہت اچھی مناسبت ہے۔ ان کی مہارت فقہ اسی سے ظاہر ہے کہ بہشتی زیور کے پہلے پانچ حصے بامر حضرت حکیم الامت انہیں کے تحریر کردہ ہیں جن سے ہزارہا مسلمان مرد و عورت فیض یاب ہو رہے ہیں۔ قبل تکمیل بہشتی زیور وفات پائی۔ بہت کم عمر پائی ورنہ ان سے بہت فیض پہنچتا۔

ایک مجلس میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے آپ کے متعلق فرمایا حضرت گنگوہیؒ کے یہاں مولوی احمد علی جو بہشتی زیور کے ابتدائی مصنف تھے حاضر ہوئے جب وہاں سے چلنے لگے تو ٹٹو کا کرایہ تلاش کیا مگر نہیں ملا تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ کس فکر میں پڑے ہو پیادہ چلے جاؤ گو تھکو گے ضرور مگر یہاں کے ٹٹو پر جانے سے بھی تھکو گے صرف فرق اتنا ہے کہ ٹٹو پر تو عزت سے تھکو گے اور ویسے ذرا ذلت سے کیونکہ کرایہ کے ٹٹو ایسے ہی ملتے ہیں جن کو ہانکنا اور مارنا بہت زیادہ پڑتا ہے۔ ایسے ہی چھتری کہ آدمی بھیگتا تو اس میں بھی ہے مگر فرق یہ ہے کہ چھتری میں عزت سے بھیگتا ہے مگر ویسے ذلت سے۔

مولانا محمد موسیٰ
سرحدی
مجازِ بیعت

حضرت تھانوی قدس سرہ نے اپنے ملفوظات میں مولانا صاحب کا تذکرہ یوں بیان فرمایا ہے۔

" مولوی محمد موسیٰ صاحب جو آج کل مدینہ منورہ میں ہیں انہوں نے اپنے نام کے ساتھ تھانوی لکھا تھا۔ انہوں نے اپنا وطن ترک کر کے تھانہ بھون کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ اسی واسطے اپنے آپ کو تھانوی لکھتے ہیں جیسے مولوی ظفر احمد جو کہ اصل میں تو دیوبندی ہیں مگر وطن بنا لینے کی وجہ سے تھانوی لکھتے ہیں۔" پھر فرمایا۔

" مولوی موسیٰ جب دیوبند میں پڑھتے تھے تو تھانہ بھون بہت مرتبہ آئے۔ غریب آدمی تھے رہے چلے گئے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ امرود کے پتے کھا کھا کر گذارا کر کے چلے گئے اور کسی کو حال نہیں بتایا اور دین سے شغف کا حال یہ ہے کہ سب سے پہلے جوان کا نکاح ہوا تو اپنی بیوی کو تین چار ماہ میں عربی کی ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں پڑھاتے تو گیا عبور کروا دیں۔ مولوی محمد موسیٰ نیک تو بہت ہیں مگر دوسروں کو بھی وہ نیک بنانا چاہتے ہیں۔ آج کل نیک ہونا تو آسان ہے مگر نیک گر ہونا بہت دشوار ہے شاید ہی کوئی مہینہ جاتا ہو کہ خط نہ بھیجتے ہوں۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ میری جانب سے روزانہ روضہ مبارکہ پر سلام پیش کر دیا کریں اور سلام کے صیغے بھی نہایت عجز کے لکھ دیے تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ سب خاندان کی طرف سے روزانہ سلام پیش کر دیتے ہیں۔

عبداللہ خان

مجازِ بیعت

جناب عبداللہ خان صاحب بھوپال کے مشہور بزرگ اور حضرت حکیم الامت کے مجاز تھے۔ آپ نہایت وثوق کے ساتھ فرماتے تھے کہ میرا لڑکا جس کی عمر ۹ - ۱۰ برس تھی بہت کند ذہن اور غبی تھا۔ مجھ کو اس کا بہت قلق تھا۔ وہ ایک مرتبہ میرے ساتھ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ایک دن تفریحًا اور مزاحًا اس کا سر پکڑ کر اپنے سر سے لگا لیا۔ اس کے بعد اس کا ذہن بہت تیز ہو گیا اور وہ خوب اچھی طرح پڑھنے لگا اور بہت جلد قرآن کریم ختم کر لیا۔

عبداللہ خان صاحب جب پنشن ملنے کے بعد تھانہ بھون حضرت قدس سرہ کی خدمت میں تشریف لے گئے تو حضرت حکیم الامت نے ان سے دریافت کیا کہ کس قدر پنشن ملی ہے انہوں نے کہا کہ ۲۲ روپے ۱۰ آنہ۔ فرمایا کم ہیں۔ خان صاحب نے کہا خیر جس طرح ہو گا گزر کر لوں گا۔ پھر جب وہ حضرت قدس سرہ سے ملاقات کے بعد بھوپال واپس گئے تو سرکار نے ۲۵ روپیہ اور اضافہ کر دیے۔ آپ فرماتے تھے کہ "میں تو اس کو حضرت والا ہی کی برکت سمجھتا ہوں"۔

حافظ زاہد حسن

مجازِ صحبت

حافظ زاہد حسن صاحب کی پیدائش امروہہ محلہ دربار کلاں میں ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ عربی و فارسی کی کچھ کتابیں میرٹھ میں پڑھیں مگر تکمیل نہ کر سکے ۱۳۲۰ھ میں شادی ہوئی۔ ملازمت کے سلسلہ میں کوہ رانی کھیت میں قیام پذیر رہے۔ سال میں ایک ماہ کے لئے امروہہ تشریف لاتے تھے وہاں ایک دوکان پر منیجر تھے۔ اس دکان کا مالک ان کی دیانت داری و امانت داری کا معتقد تھا اور وہاں کے عوام بھی ان کی بزرگی کے معتقد تھے۔ اس لئے مالک دکان نے سب کام ان کے سپرد کر دیے تھے۔

ابتدا میں شاہ ابوالخیر دہلوی سے بیعت ہوئی اور عرصہ تک ان کے مرید رہے پھر وہاں کچھ باتیں خلاف شرع دیکھیں اس لئے وہاں سے برگشتہ ہو کر حضرت تھانوی قدس سرہ کی طرف رجوع کیا اور آخر وقت تک ان کے مرید رہے۔ آپ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ امروہہ کے قیام میں کچھ روز کے لئے تھانہ بھون ضرور تشریف لے جاتے تھے اور اوقاتِ فرصت میں حضرت تھانویؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ معمولات کے بہت پابند اور تہجد گذار شب بیدار تھے اور جو معمولات حضرت تھانوی نے بتلائے تھے وہ بیماری میں بھی جاری رکھتے تھے۔ روزانہ صبح دو پارہ اور مناجات مقبول پڑھتے تھے اور ہمیشہ تراویح میں قرآن سناتے تھے۔ گھر والوں کو دینداری کی تعلیم دیتے تھے اور رسومات اور خلاف شرع امور سے خود بھی بچتے تھے اور گھر والوں کو بھی تاکید کرتے تھے ایک

مرتبہ آپ کی دعوت پر حضرت تھانوی امروہہ تشریف لے گئے تھے اور وہاں ان کی دو لڑکیوں کا نکاح حضرت نے ہی پڑھا اور وعظ بھی کیا۔ دینداری میں یہ گھر ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ اب بھی شادیوں میں اس گھر کے اندر رسومات سے پرہیز کیا جاتا ہے۔

امروہہ میں جب قیام فرماتے تھے تو مولانا عبدالرؤف جو امروہہ میں علماء کی جماعت میں معروف شخص تھے ان کے ساتھ روزانہ بخاری شریف کا دورہ فرماتے تھے۔ خود پڑھتے تھے اور مولانا مذکور سنتے تھے۔ رانی کھیت میں کوٹھی کے اندر امامت سے۔ امروہہ کے قیام میں محلہ کی مسجد میں اہل محلہ کی خواہش پر بلا معاوضہ نماز بھی پڑھاتے تھے۔ نماز باجماعت کے بڑے اہتمام کے ساتھ پابند تھے۔ مالک دکان نے ایک مرتبہ کہا کہ تم کام زیادہ کرتے ہو میری طرف سے آدھ سیر دودھ پی لیا کرو۔ دودھ پیتے رہے مگر چینی نہیں ڈالتے تھے کسی نے مالک دکان سے کہا کہ حافظ صاحب دودھ پیتے ہیں مگر چینی نہیں ڈالتے اس پر مالک دکان نے سوال کیا کہ آپ دودھ میں چینی کیوں نہیں ڈالتے؟ تو فرمایا آپ نے صرف دودھ کی اجازت دی تھی۔ چینی کی اجازت نہیں دی تھی۔ سنہ ۱۳۶۱ھ میں جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ دنیا سے کوچ فرمایا۔ حضرت تھانوی نے آپ کو مجاز صحبت بنایا تھا۔

مولوی عبدالرحمٰن

مجازِ بیعت

اعظم پور ایک محلہ ہے میؤامیہ میں کپڑے کا کام اور کاروبار کرنے والے بھائیوں کا میؤامیہ زیادہ تر شیوخ برادری کی (جن میں رشتوں سے سادات بھی شامل تھے) زمینداری میں تھا اور وہ سب قابو یافتہ اور آن بان کے لوگ تھے۔ رعایا سب دبی ہوئی اور قابو میں تھی اور اپنی حیثیت کے علاوہ کسی اور زمرہ کے لوگوں کو یہ قابو یافتہ رؤسا کچھ سمجھتے نہ تھے۔

میں نے مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو ۱۹۳۵ء، ۱۹۴۰ء میں قریب سے دیکھا ہے۔ باوجود اس کے کہ ایک پیشہ ور طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اہل ثروت رؤسا ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب پورے عالم تھے اور بڑے باعمل ان کی شخصیت میں عجیب موثریت اور جاذبیت تھی۔ سادہ لباس سادہ مزاج ظاہر و باطن دونوں کا انکسار ان کی ہر روش سے صاف نمایاں تھا۔ باپ نے بہت بڑا عالیشان پختہ مکان اور لاکھ سے اوپر کی مالیت کا اثاثہ چھوڑا تھا مگر چونکہ اس میں کوئی جزو مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی رائے میں مشتبہ تھا اور علیحدہ ہونا ممکن نہ تھا دیا جو صورت حال ہو) انہوں نے ایک پیسہ نہیں لیا اور عمر بھر چھوٹے سے خام مکان میں عسرت کے ساتھ گزار دی۔

ان کا طریق کار معمولاً یہ تھا کہ جہاں پہنچے وہاں اعتقاد درست کرنا۔ نماز سکھانا اور برائیوں سے دور رہنے اور بچنے کی ضرورت دل نشین کرنا۔

ایک معاملہ ان کا شیخ کے ساتھ ادب و محبت برتنے کا چشم دید مجھے یاد آگیا۔ غالباً ۴۰ء ہے

حضرت والا علاج کے لئے لکھنؤ تشریف لائے تھے۔ وہاں کے قیام کے زمانہ میں بھی دروازہ پر میلہ لگا رہتا تھا۔ خدام کے علاوہ اور لوگ عام طور پر بلکہ اختلاف مسلک اور اختلاف عقیدہ کے لوگ بھی بے تابانہ زیارت اور حاضری مجلس کا موقع ملنے کے شوق میں آتے تھے۔ میں لکھنؤ سے قریب تھا اکثر جانا ہوا عموماً کبھی بعد فجر کبھی بعد ظہر نشست ہوتی تھی اور ملفوظات ہوتے تھے معالجین کو بھی مشتاقین کی رعایت کرنی پڑی اور بالآخر محدود مجمع کے اجازت دے دی۔ عموماً باہر سے جو لوگ آتے تھے ان کے نام سے اطلاع کی جاتی تھی اور حضرت کی اجازت کے بعد باریابی ہو جاتی تھی ہم سے بے سلیقہ پہنچے اور اطلاع کرا دی اور غایت شفقت و کرم سے حضرت اجازت باریابی بھی عطا فرما دیتے تھے۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب ایک آ گئے اور میری اس بار حاضری میں غالباً مجھ سے پہلے لکھنؤ پہنچ گئے تھے جس دن دیکھا انہوں نے نہیں کہا کسی اور نے بتایا کہ تقریباً چھ دن سے صبح و شام آتے ہیں اطلاع نہیں کراتے ہیں۔ دروازے ہی سے واپس جاتے ہیں (ہم لوگوں کے ذوق میں انہیں یہ خیال آیا کہ کہیں میری اطلاع یا حاضری سے حضرت کو تکلیف نہ ہو۔ اللہ۔ اللہ یہ مقام ؎ ایں سعادت بزور بازو نیست) ایک دن بعد ظہر کی مجلس میں کسی نے بغیر ان کے کہے اطلاع کر دی اور حضرت نے فوراً بلا لیا اور پاس ہی سامنے بٹھا کر باتیں کیں یہ تو بے چارے خاموش اور اشک فشاں تھے۔ حضرت ہی نے محبت کی باتیں کیں اور فرمایا رونے کی ضرورت نہیں خوش رہیئے خوب خوش رہیئے۔ اسی کے غالباً ایک سال بعد مولوی عبدالرحمٰن صاحب دنیا سے رحلت فرما گئے۔ اپنے وطن مئو ایمہ ضلع الہ آباد میں مدفون ہیں۔

بظاہر صرف عالم اور زاہدانہ انداز کے خشک مگر خلوت میں عجیب کیف و حال تواجد اور مستی کی کیفیت ان میں خود میں نے دیکھی۔ وہ کیف و مستی کہ دوسرے میں بھی وہی کیفیت پیدا ہو جائے اب ایسے لوگ کہاں۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

تحریر حضرت نجم احسن صاحب مدظلہ

مولانا سیّد مرتضیٰ حسن

مجازِ بیعت

مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب کے والد حکیم سید بنیاد علی قصبہ چاندپور ضلع بجنور کے مشہور اور حاذق طبیب تھے۔ آپ کے اجداد میں عارف باللہ شیخ طریقت اور صاحب کرامات جناب سید عارف علی شاہ صاحب تھے جن کا سلسلہ نسب حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رضؓ سے جاملتا ہے۔ مولانا مرتضیٰ صاحب کی تاریخ پیدائش ۱۲۸۵ھ کے لگ بھگ ہے۔ آپ درس نظامی کی تکمیل کے لئے ۱۲۹۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ آپ ہمیشہ اپنی جماعت میں اعلیٰ وامتیازی نمبر حاصل کر کے تمغہ امتیاز حاصل کرتے رہے۔

آپ کے جلیل القدر اور ممتاز اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی حضرت مولانا محمد محمود۔ حضرت شیخ الہند۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی اور حضرت مولانا منفعت علی صاحب شامل تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہ کر مکرر دورہ حدیث پڑھا اور فیض صحبت حاصل کیا۔ چونکہ آپ کو فن معقولات سے خاص دلچسپی تھی اس لئے اس فن میں تحصیل کمال کی غرض سے معقولات کے نامور اور ماہر استاد مولانا احمد حسن صاحب کی خدمت میں کانپور حاضر ہوئے اور معقولات کی اعلیٰ کتب پڑھ کر اس فن میں کمال ومہارتِ تامہ حاصل کی۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن چاندپور واپس آگئے اور اپنے والد کے

مطب میں مشغول ہوکر تشخیص امراض و تجویز نسخہ جات وفن دواسازی میں بدرجہ کمال عبور حاصل کیا اب آپ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر و حاذق طبیب بھی تھے اسی زمانہ میں مولانا منور علی صاحب خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے دربھنگہ کے قریب مدرسہ امدادیہ قائم کیا اور حضرت تھانوی سے ایک اعلیٰ و قابل مدرس کی فرمائش کی۔ تب حضرت تھانوی کی فرمائش پر آپ طبی شغل چھوڑکر دربھنگہ تشریف لے گئے اور وہاں علمی درس میں معروف ہوگئے اور ایک زمانہ تک وہیں صدر مدرس رہے پھر کچھ عرصہ مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں صدر مدرس رہے۔ اس دوران میں آپ نے آریہ سماج کے رد میں متعدد رسائل تحریر فرمائے اور بابو رام چندر سے مشہور تاریخی مناظرہ کیا ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند نے مالٹا سے واپسی پر پھر دارالعلوم دیوبند میں واپس آنے کا حکم دیا اور حضرت حافظ محمد احمد صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے غیر معمولی اصرار فرمایا چنانچہ آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں آپ کو ناظم تعلیمات مقرر کر دیا گیا۔ ساتھ ہی سلسلۂ تدریس بھی جاری رہا۔ اس دور میں آپ نے قادیانیت کے رد میں بکثرت رسائل تحریر فرمائے جو خصوصیت کے ساتھ پنجاب و صوبہ سرحد میں بہت مقبول اور پسندیدہ ہوئے۔ چونکہ عوارضات ضعفِ پیری عیاں ہو چکے تھے اس لئے تقریباً نصف صدی سے زائد اپنے وطن چاندپور سے باہر رہ کر واپس آگئے اور یہاں صرف ذکر و عبادت اور اوراد میں تاحیات مصروف رہے۔ آپ کے علمی شغف کا یہ حال تھا کہ آپ کی ساری عمر کا ذخیرہ تقریباً آٹھ دس ہزار کتب منتخبہ کی صورت میں موجود ہے۔

تبلیغ و مواعظ

مولانا چاندپوری بھی حضرت تھانوی کی طرح اس دور کے مشہور و مقبول مقرر تھے۔ ملک کے اطراف و اکناف کا کوئی بھی حصہ ایسا نہ ہوگا جو آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید نہ ہوا ہو۔ آپ کو فن تقریر میں ملکہ تامہ حاصل تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وعظ سے قبل دل میں کوئی مضمون نہیں ہوتا ہے۔ خطبہ پڑھنے کے بعد جو بھی مضمون اس وقت ذہن میں آتا ہے اسی پر بعونہ تعالیٰ تقریر شروع کر دیتا ہوں"۔ آپ کی تقریر پند و نصائح کے ساتھ لطائف علمیہ و نکات حکمیہ معرفت عبادات قصص و

حکایات سے مملو ہوتی تھیں۔ آپ کو فن مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ابتدا میں مولانا بریلوی کی تردید میں بکثرت رسائل تصنیف کئے۔ آپ کے زمانہ قیام مرادآباد میں آریہ سماج مرادآباد کی جانب سے بنام اہل مرادآباد متعدد سوالات شائع کئے گئے تھے۔ مولانا نے ان کے بے مثال جوابی رسائل تحریر فرمائے۔ اسی زمانہ میں آریہ سماج کے مشہور و معروف مقرر پنڈت رام چندر سے امروہہ میں مناظرہ ہوا اور پنڈت کو لاجواب ہو کر دہلی واپس جانا پڑا۔

فراغت علوم کے بعد جب آپ اپنے والد کے پاس طبی مشغلہ میں مصروف تھے۔ اسی زمانہ میں حکیم بنیاد علی صاحب اپنے دونوں صاحبزادوں کو ہمراہ لے کر حج کے لئے روانہ ہوگئے۔ اس وقت حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی بقید حیات تھے۔ حکیم صاحب کو حضرت حاجی صاحب سے بیحد عقیدت تھی اور حضرت حاجی صاحب کو بھی ان سے خصوصی تعلق تھا۔ حکیم صاحب نے مع مولانا چاندپوری حج کی سعادت حاصل کی اور ساتھ ہی حضرت حاجی صاحب کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوتے رہے بعد فراغت حج حکیم صاحب کا مدینہ منورہ ہی میں انتقال ہوگیا۔ صاحب زادگان کو حکیم صاحب کی جدائی کا بے حد صدمہ ہوا۔ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی نے دونوں کی سرپرستی فرمائی اور ان کو تسلی و تشفی دیتے رہے دوسری مرتبہ جب مولانا چاندپوری حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں سے کتب علمیہ کا کافی ذخیرہ خرید کر لائے تھے۔ تیسری مرتبہ آپ نے حضرت شیخ الہند کی رفاقت میں حج کیا۔ اس سفر میں صرف مخصوص رفقا شامل تھے۔ جب فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد سب لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو کچھ عرصہ قیام کے بعد مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور دیگر رفقا کو حضرت شیخ الہند نے واپسی وطن کا حکم دیا چنانچہ آپ ہندوستان تشریف لائے۔

آپ تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی سے بیعت ہوئے اور حضرت شاہ صاحب کی صحبت میں رہ کر تعلیم و تربیت سے مستفیض ہوئے اور زمانہ قیام مکہ معظمہ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں رہ کر استفادہ فرمایا۔ حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت کی اور مکرر حدیث پڑھی

اور تعلیم و تربیت و ارشاد سے ایک عرصہ تک مستفیض ہوتے رہے۔

زمانہ قیام کانپور اکثر مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے۔ حضرت گنگوہی کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت شیخ الہند کی طرف رجوع کیا۔ پھر حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی سرپرستی میں زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا محمد علی مونگیری صاحب کو سرپرست و مربی بنایا۔

حضرت مونگیری کے انتقال کے بعد آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "سب ہی بزرگ اور سرپرست اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جس کا کوئی بزرگ و سرپرست نہیں۔ بھائی اب تو میں نے اپنا بزرگ و سرپرست حضرت تھانوی کو بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کے فیوض جاریہ سے مجھ کو بھی مستفید فرمائے" باوجودیکہ حضرت تھانوی آپ کے ہمعصر تھے اور دونوں حضرات نے ایک ہی اساتذہ سے استفادہ کیا تھا لیکن اس کے باوجود حضرت تھانوی سے آپکو تعلق و عقیدت ایسی ہی تھی جیسے اکابر و اسلاف سے تھی۔ اور حضرت تھانوی کو بھی نسبت بیعت سے بہت قبل آپ سے خصوصیت رہی چنانچہ جب کبھی آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے حضرت تھانوی نے آپکو اپنا مہمان خصوصی بنایا اور بعد ظہر مجلس ارشاد میں حضرت نے آپ کے لئے اپنے قریب مخصوص جگہ مقرر فرما دی تھی اسی خاص جگہ پر نشست فرماتے تھے مجلس ارشاد میں کسی کو بولنے کی جرأت نہ تھی صرف مولانا چاندپوری اس سے مستثنیٰ رہے اور آپ اکثر علمی سوالات کیا کرتے۔ ایک مرتبہ زمانہ قیام تھانہ بھون میں آپ کے دو صاحبزادوں اور قریبی عزیزوں کو مولانا تھانوی نے مدعو کیا۔ مولانا چاندپوری نے حضرت تھانوی سے درخواست کی کہ آپ ان چاروں کو بیعت فرمالیں۔ حضرت تھانوی نے درخواست منظور فرماتے ہوئے کہا کہ آپ کے ساتھ یہ خصوصیت ہے اور اسی خصوصیت کی بنا پر آپ کے صرف ایک مرتبہ کہنے پر ان چاروں لڑکوں کو بیعت کرتا ہوں۔

مولانا اکثر ہدایات فرمایا کرتے کہ حضرت تھانوی کے ملفوظات و مواعظ کا مطالعہ کرتے رہو کہ یہ علم و تقویٰ میں ترقی کا باعث ہوں گے۔

۱۹۵۱ء دسمبر میں آپ کو عشار کے وضو کے بعد غیر معمولی سردی معلوم ہوئی۔ کچھ دیر بعد حرارت ہو گئی۔ آپ نے نماز عشار ادا فرمائی۔ اس کے بعد پھر وہی سردی کی کیفیت طاری ہو گئی اور حالت غشی پیدا ہو گئی۔ اس حالت میں بھی زبان متحرک اور مصروف ذکر رہی۔ کچھ ہوش آنے پر ذکر میں آواز بلند ہو جاتی تھی۔ تقریباً ایک ہفتہ تک یہی حالت رہی۔ ذکر کے سوا زبان سے کچھ نہیں نکلتا تھا۔ اس عرصہ میں توجہ الی اللہ کے ساتھ ذکر کرتے رہے۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۱ء بآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے انتقال فرمایا۔

مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مجازِ صحبت

مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی کے والد کا نام عنایت الرحمٰن تھا۔ والد کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب قاضی ضیاء الدین سنامی تک پہنچتا ہے جو دہلی کے مشہور قاضی اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے ہمعصر تھے۔ کاندھلہ شروع سے ایک مردم خیز قصبہ رہا ہے۔ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی مولانا مظفر حسین کاندھلوی مولانا صدیق احمد کاندھلوی سے لے کر مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا محمد زکریا کاندھلوی اور مولانا محمد علی کاندھلوی تک اسی قصبہ کی مایہ ناز ہستیاں ہیں۔

حفظ قرآن کے بعد مولانا اشفاق الرحمٰن نے کاندھلہ ہی میں مولانا عبداللہ خلیفہ حضرت گنگوہی سے فارسی و عربی کی کتابیں پڑھیں اس کے بعد آپ کے بڑے بھائی حافظ فضل الرحمٰن آپ کو اپنے ساتھ بھوپال لے گئے جہاں آپ نے مدرسہ سلیمانیہ میں داخلہ لیا اور پیر ابو احمد سے چند کتابیں پڑھیں چونکہ بھوپال میں آپ کا دل نہیں لگا اس لئے واپس کاندھلہ تشریف لے آئے۔

خانقاہ امدادیہ میں داخلہ

بھوپال سے جس چیز نے آپ کو کھینچا وہ غیبی طور سے اس آفتاب رشد و ہدایت سے فیض یاب ہونا تھا جس کے وجود سے خانقاہ امدادیہ کی زینت تھی۔ آپ کی تعلیم و تربیت کا اصل دور یہیں سے شروع ہوتا ہے اور یہی وہ نکتہ ہے جس نے آپ کی زندگی پہ نہایت ہی گہرا اثر ڈالا۔ بعد میں آپ کی

زندگی مستقلاً اسی شمع ہدایت کے زیرِ اثر ہو کر رہ گئی۔ خانقاہ امدادیہ کے داخلہ کا واقعہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔ آپ کے ماموں مولانا محمد اسمٰعیل جو حضرت تھانوی کے پیر بھائی تھے آپ کو داخل کرانے لے گئے اور آپ سے فرمایا کہ میں اشفاق کو لے کر آیا ہوں۔ مجھے آپ کی سب شرطیں منظور ہیں لیکن ایک شرط میری بھی ہے۔ حضرت نے فرمایا وہ کیا۔ کہنے لگے کہ معمولی سی بے قاعدگی پر آپ اسے یہاں سے نہیں نکالیں گے۔ حضرت تھانوی نے منظور فرمایا۔ اور یوں آپ کی زندگی کا نہایت اہم دور شروع ہوا خانقاہ تھانہ بھون میں ہدایہ اور مشکوٰۃ کے درجہ تک کی تمام کتابیں حضرت تھانوی سے پڑھیں۔ پھر حضرت تھانوی ہی کی منشا سے مظاہر علوم سہارن پور میں دورہ حدیث میں داخلہ لے لیا۔ جہاں مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی سے حدیث پڑھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ خرجو تشریف لے گئے اور کچھ زمانہ تک وہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد مدرسہ مظاہر علوم میں مفتی کے عہدہ پر فائز ہوئے کیونکہ ابتدا ہی سے آپ کو افتاء اور حدیث سے خاص شغف تھا۔ آپ نے اپنے فرائض کو نہایت خوبی سے سرانجام دیا۔

فن طبابت قدیم زمانہ سے شرفاء کا پیشہ رہا ہے۔ کاندھلہ میں بھی بہت نامی گرامی اطباء گذرے ہیں۔ آپ نے فن طب کی تکمیل مولانا صدیق احمد کاندھلوی اور مولانا رضی الحسن سے کی اور جلال آباد (سہارنپور) میں کئی سال تک مطب چلاتے رہے۔

حضرت حکیم الامت سے تعلق

حضرت حکیم الامت سے تعلق پیدا ہونے کا اصلی سبب خانقاہ امدادیہ میں داخلہ ہے جہاں آپ کی ظاہری اور باطنی تربیت کا اصلی دور شروع ہوا یہیں آکر آپ کے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل ہوئی۔ کیونکہ آپ نے اکثر کتابیں حضرت تھانوی یا آپ کے زیرِ تربیت حضرات سے پڑھی تھیں جس سے تعلیمی دور ہی میں آپ کو حضرت تھانوی سے گہری عقیدت پیدا ہو گئی جس نے آپ کی زندگی کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ اور یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ آپ کی نظر میں حضرت تھانوی سے تعلق اور آپ کے یہاں حاضری سے بڑھ کر کوئی مہتم بالشان چیز ہی نہیں تھی۔ بار بار حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا اور وہاں

قیام فرمانا آپ کا شیوہ اور حضرت کی منشا کے مطابق مراحل زندگی طے کرنا آپ کا خاصا بن گیا آپ کے اس تعلق اور جذب وکیف علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی بنا پر حضرت تھانوی کو بھی آپ سے کافی تعلق اور شفقت پیدا ہو گئی تھی۔ اسی تعلق کی بنا پر آپ کو حضرت تھانوی نے مجاز صحبت ہونے کا شرف بخشا۔ آپ حضرت کی مجالس اور وعظ وتقریر میں شرکت فرمایا کرتے اور حضرت حکیم الامت کے مواعظ بھی قلم بند کرتے۔ چنانچہ وعظ تاسیس البیان جو کاندھلہ میں اپنا مکان بنوانے پر افتتاح و برکت کے لئے کرایا تھا۔ وہ بھی آپ ہی کا ضبط کردہ ہے اور اسی طرح اعانۃ النافع بھی آپ نے ہی قلم بند کیا تھا۔ آپ کو حضرت تھانوی سے جو خصوصی تعلق تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ آپ جس وقت حضرت تھانوی کا تذکرہ فرماتے تو آپ کے جذبات قابو میں نہ رہتے اور نہایت ہی آبدیدہ ہو کر جذب وکیف میں یہ شعر پڑھا کرتے۔

اُولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

طبابت وحکمت کے عروج کے باوجود اس سے بے رخی اختیار کرنے کا اصلی سبب اور محرک وہی حضرت تھانوی کا تعلق ہے۔ چنانچہ حضرت تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ مولوی اشفاق میرا دل چاہتا ہے کہ تم مطب چھوڑ دو۔ اسی لئے آپ اپنے حضرت کے حکم کو مانتے ہوئے خانقاہ تشریف لے آئے اور پھر خانقاہ میں ہی افتار اور نقل مواعظ کی خدمات سرانجام دیتے رہے

حضرت تھانوی کے ایماء پر مدرسہ اشرفیہ دہلی تشریف لے گئے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد دہلی ہی کے مدرسہ عالیہ فتح پوری چلے آئے اور اپنی زندگی کے اٹھارہ سال اس مدرسہ میں گذارے۔ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں مولانا سید سلیمان ندوی کی دعوت پر بھوپال تشریف لے گئے جہاں جامعہ احمدیہ میں محدث اوّل کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ قیام بھوپال کے دوران میں حضرت سید سلیمان ندوی کے ساتھ آپ کے نہایت گہرے مراسم پیدا ہو گئے۔ حضرت علامہ کو بھی آپ کے ساتھ خاص الفت ومحبت تھی جو آخر وقت تک باقی رہی۔ بھوپال میں شروع زمانہ میں روزانہ اور بعد میں ہر تیسرے روز دارالقضا میں علامہ کے

یہاں مجلس لازمی بھی اور برسات وغیرہ کے موسم بھی ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ آپ نے ہدایت المسلمین بھوپال کے زیر اہتمام پوری ریاست کے تبلیغی دورے کئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ دہلی کے قیام میں مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے شدید اصرار کے باوجود میں اپنے درسی اور تصانیفی مشاغل پر تبلیغ کو ترجیح نہ دے سکا لیکن اب تجربے نے مجھے اس کی ہمنوائی پر مجبور کر دیا ہے۔ انجمن ہدایت المسلمین کے رسالہ نشان منزل کی ادارت بھی آپ کے ہی سپرد تھی۔ اس میں آپ تفسیر قرآن کریم کے زیر عنوان مسلسل مضمون تحریر فرمایا کرتے تھے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کے یہاں دارالقضا میں درس قرآن کریم کا حلقہ ہوا کرتا تھا۔ جب علامہ حج کو تشریف لے جانے لگے تو مولانا سے فرمایا کہ میرے حلقے کو سنبھال لیجئے فرمایا کہ میرے درس میں آپ کے لوگوں کو کیا لطف آئے گا۔ میں آپ جیسا درس تو نہیں دے سکتا۔ ہاں آپ کے لوگوں کو مصروف رکھوں گا اور مثنوی کا درس دے دوں گا چنانچہ مسجد مشکور خاں میں درس مثنوی کا حلقہ قائم ہوا اور علامہ کی واپسی کے بعد بھی یہ حلقہ قائم رہا۔

سیاسی مسلک کے اعتبار سے چونکہ مولانا مسلم لیگ سے وابستہ تھے اس لئے پہلے ہی ہجرت کا ارادہ تھا۔ چنانچہ جنوری ۱۹۵۱ء میں ٹنڈوالہیار تشریف لائے اور تاحیات یہیں مقیم رہے۔ یہاں افتاء و درس حدیث کی خدمات آپ کے سپرد کی گئیں۔ مولانا کو دارالعلوم الاسلامیہ سے انتہائی تعلق پیدا ہوگیا تھا اور آپ دارالعلوم کی ہمہ قسم کی خدمت کے لئے تیار رہتے۔

اخلاق و عادات

آپ حضرت حکیم الامت کے مجاز صحبت اور خانقاہ امدادیہ کے خاص تربیت یافتہ تھے۔ علم و فضل کے باوجود زہد و اتقاء دنیا سے بے رغبتی اور عمل پہ استقامت آپ کو کمال درجہ میسر تھی۔ تسلیم و رضا آپ کا شیوہ صبر و شکر آپ کی صفت اور مہمان نوازی آپ کا خاصا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زندگی کے ہر معاملہ میں ریاء و نمود اور دکھلاوے سے بالکل پاک تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو خانقاہ میں خود کو مٹانے ہی کی تعلیم دی گئی ہے۔ بازار سے سودا سلف وغیرہ آپ خود ہی لے آتے تھے علمی فخر و نخوت سے یکسر دور تھے۔ سچائی و راستی آپ کا محور تھی۔ کسی بات کی کتنی ہی مصلحت کیوں نہ

سمجھائی جائے آپ کے منہ سے سچ کے علاوہ کوئی اور بات دھرائی نہ جاتی تھی مگر اس کے باوجود تواضع و انکسار کی یہ شان تھی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی سے بھی نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ دکاندار کاروبار میں برکت کے لئے آپ کو اپنی دکانوں میں بٹھالیا کرتے تھے تو آپ قصائی کے یہاں بیٹھنے سے بھی عار نہ کرتے۔ لباس کے معاملہ میں ابتداء میں نہایت خوش پوش تھے مگر آخر زندگی میں سادگی اختیار کرلی تھی۔

تصانیف

آپ کی کل تصانیف ۲۲ کے لگ بھگ ہیں جن میں مندرجہ ذیل مشہور ہیں۔ (۱) الطیب الشذی۔ عربی زبان میں جامع ترمذی کی مفصل شرح ہے۔ صرف باب الطہارۃ تک مطبوعہ ہے۔ اس کے مطبوعہ حصہ پر حضرت حکیم الامت، مولانا انور شاہ کشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانی کی نہایت عمدہ تقاریظ موجود ہیں (۲) شرح شمائل ترمذی (غیر مطبوعہ) شمائل ترمذی کی عربی زبان میں مفصل شرح ہے (۳) حاشیہ سنن نسائی (مطبع رحیمیہ دہلی) (۴) کشف المغطار عن وجہ الموطار (۵) مراۃ التفسیر (۶) احسن البیان فی مقدمہ القرآن (۷) تفسیر سورۃ فاتحہ (۸) تنبیہ الوسنان فی احکام رمضان

وفات

سندھ کی آب وہوا آپ کو راس نہ آئی ۱۹۵۵ء میں پہلی مرتبہ فالج کا حملہ ہوا لیکن کچھ عرصہ بعد صحت یاب ہوگئے۔ دسمبر ۱۹۵۷ء میں دو مرتبہ حملہ ہوا اور آخری حملہ جان لیوا ثابت ہوا۔ جنوری ۱۹۵۸ء میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا محمد نبیہ

مجازِ بیعت

آپ کی پیدائش قصبہ ٹانڈہ بادلی ریاست رام پور ۱۳۱۵ھ میں ہوئی۔ نام محمد نبی رکھا گیا۔ قرآن شریف، اردو اور فارسی ٹانڈہ میں پڑھی ۱۳۳۱ھ میں برائے تحصیل عربی مراد آباد مدرسہ شاہی مسجد چلے گئے ۱۳۳۳ھ میں علماء سے ملنے کا شوق پیدا ہوا (یہ زمانہ طالب علمی کا تھا) سہارن پور، دیوبند، رائے پور تھانہ بھون حاضری ہوئی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دیوبند جانا ہوا۔ پھر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے پاس سہارنپور حاضری ہوئی پھر حضرت تھانوی کے پاس پہنچے اور آپ سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ ابھی تمہاری عمر مرید ہونے کی نہیں ہے۔ آپ خاموش ہوگئے آپ بارادہ رائے پور سہارنپور آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب مدرسہ مظاہر العلوم میں آئے ہوئے ہیں وہاں پہنچے تو حضرت مدرسہ قدیم میں موجود تھے بعد مصافحہ و ملاقات بیعت کو عرض کیا حضرت نے منظور فرمالیا اور فرمایا وضو کر آؤ۔ آپ وضو کر کے حاضر ہوئے اور حضرت نے بیعت کر لیا۔ استغفر اللہ تیسرا کلمہ درود شریف سو سو بار پڑھنے کو فرمایا۔ حضرت رائے پوری کی بیعت سے قبل آپ نے ایک خواب دیکھا جسے حضرت تھانوی کے پاس جواب کے لئے ارسال کیا کہ شب جمعہ میں میں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک خندق ہے وہاں پر ایک شخص ٹکٹ تقسیم کر رہا ہے ناگاہ یہ سنا کہ قیامت برپا ہے یہ سن کر باہر آیا تو دیکھا کہ کچھ نہیں مگر اپنے گناہوں کو دیکھ کر بہت روتا تھا اور حالتِ گریہ میں چند شعر زبان سے نکلے جو یاد نہیں اس وقت استاد تسلی و تشفی سے فرماتے ہیں اتنا کیوں روتے ہو مگر اسی

حالت میں کئی روز گزر گئے اب قیامت قائم ہے اور سب لوگ مر گئے ہیں اور مردے قبروں سے نکلے اور ہم سب آدمی ایک حوض پر ہیں بس اور کچھ یاد نہیں۔ حضرت سے امیدوار ہوں تعبیر ارشاد فرمائی جائے۔ حضرت تھانوی نے ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ توفیق توبہ و عمل صالح اور مغفرت و رحمت نصیب ہوگی۔ اشرف علی ۳۱ھ

دوسرا خواب دیکھا جو حضرت رائے پوری کی بیعت کے بعد دیکھا جو حضرت کو رائے پور لکھا کہ "احقر حضرت کی خدمت میں حاضر ہے۔ حضرت کے ہاتھ میں شہد خالص ہے حضرت اپنی انگشت مبارک سے اس میں سے لے کر مجھے بار بار چٹا رہے ہیں۔ اس کا جواب حضرت نے رائے پور سے یہ فرمایا۔

"از احقر عبدالرحیم السلام علیکم۔ تمہارا خط پہنچا مضمون معلوم ہو کر ازحد خوشی ہوئی۔ تعبیر خواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل جلالہٗ تم کو حلاوت ایمان نصیب فرمائیں گے"۔ آپ فرماتے کہ حضرت رائے پوری کے فرمودہ معمول پر عمل کرتا رہا اور طالب علمی بھی کرتا رہا۔ حضرت رائے پوری کے پاس اس بارے میں لکھا جواب آیا بہتر ہے کتابیں پوری کر لو کوئی وقت فرصت ہیں اوراد بھی کرتے رہو نہ ہو تو خیر علم دین ضرور حاصل کرو۔

رجب ۳۶ھ میں قصبہ ٹانڈہ میں ایک سخت طاعون پھیلی۔ اول آپ کے بڑے بھائی احمد علی مبتلا ہوئے۔ طاعون ہوتے ہی چار یوم میں ان کا انتقال ہوا پھر فوراً بعد والدہ ماجدہ اور منجھلے بھائی حافظ عبدالغفار مبتلائے طاعون ہوئے۔ یہ چار موتیں پندرہ یوم کے اندر اندر ہو گئیں۔ صرف اکیلے آپ باقی رہے۔ والد صاحب چونکہ تجارت پیشہ تھے اس لئے کاروبار آپ کے ہاتھ میں آیا اور تعلیم باقی رہ گئی ۳۷ھ میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے انتقال کی خبر ملی۔ اس کے بعد حضرت تھانوی کے ملفوظات حسن العزیز جلد اول دیکھ حضرت کی طرف رجوع کا خیال ہوا۔ ۴۱ھ میں حضرت مراد آباد تشریف لائے تھے۔ آپ نے کوشش کی کہ کسی صورت سے ٹانڈہ تشریف لے آویں یہ خواہش پوری ہوئی اور جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ میں حضرت مکان پر تشریف لے آئے چونکہ ایک صاحب کی معرفت تشریف لانا

طے ہوا تھا۔ اس لئے مجلس میں فرمایا کہ واعی صاحب کو دکھلایے۔ آپ پیش ہوئے اس وقت عمدہ قسم کی شیروانی اور مخملی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ نام دریافت فرمایا تو بتلایا محمد نبی اس پر فرمایا کہ نبی کی بجائے نبیہ کر دیا جائے آپ نے بخوشی قبول کیا۔ چنانچہ جمادی اول سنہ ۴۱ھ سے نام محمد نبیہ ہو گیا۔ اس پر ایک واعظ صاحب کو بڑی خوشی ہوئی اور برجستہ خود ساختہ دو شعر پڑھے۔

تیرا جو نام بدلا ہے کسی نے ۔۔۔ میں غبطہ کے مرض میں مبتلا ہوں
یقین ہے کچھ تیری بدلے کی حالت ۔۔۔ نبی فرمادیں گے تیری شفاعت

حضرت ٹانڈہ میں دو روز بڑی بشاشت سے رہے اور خلاف معمول ہدیہ وغیرہ بھی قبول فرمایا۔ آپ مراد آباد تک پہنچانے کے لئے گئے۔ اس کے بعد سنہ ۴۲ھ میں حضرت تھانوی دوبارہ ٹانڈہ تشریف لائے پھر سفر بند ہو گیا۔ مولانا محمد نبیہ شوال سنہ ۴۱ھ میں حسبِ اجازت ایک ماہ کے لئے تھانہ بھون حاضر ہوئے عالم فارغ کا ذکر شغل شروع کرایا۔ درمیان میں بسلسلہ تبلیغ مولانا محمد الیاس کی دعوت پر ریاست الور نارنول اور پانی پت کا سفر طے ہوا۔ آپ اور دیگر حضرات نے سفر میں ہمراہی کی خواہش ظاہر کی حضرت نے اس شرط پر منظور فرمایا کہ کوئی صاحب امیر بن جائیں میں صرف ان سے گفتگو کروں گا اس لئے کوئی تیار نہ ہوا مجبوراً شوق میں آپ نے اس کو منظور کیا۔ یہ سفر بہت خوبی سے گزرا کوئی ناگواری حضرت کو پیش نہ آئی۔ صرف نارنول میں بوقت واپسی آپ نے دریافت فرمایا کہ اسٹیشن تم اور ہمراہی سواری لے جاؤ گے یا پیدل۔ آپ نے فرمایا سواری سے حضرت نے فرمایا ہم پیدل جائیں گے۔ یہ بات آپ پر شاق گزری۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ایک سوال دل میں ڈالا جو آپ سے عرض کیا کہ حضرت اس رائے کے بدلنے کا بھی ہمیں اختیار ہے یا نہیں۔ حضرت نے فرمایا ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ آپ ہماری رائے پیدل جانے کی ہے۔ حضرت نے فرمایا اب ہم سواری سے جائیں گے۔ چنانچہ مولانا عبد المجید صاحب بچھرانویؒ اور مولانا عبد الکریم گمتھلوی اور مولانا اطہر علی وغیرہ پیدل گئے اور حضرت سواری سے تشریف لے گئے اس کے بعد آپ تھانہ بھون آتے جاتے رہے۔ سنہ ۴۲ھ میں آپ حاضر خدمت تھے تو حضرت تھانوی نے فرمایا کہ تم نے حج کیا ہے آپ نے عرض کیا ابھی نہیں کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اسی سال جاؤ۔

آپ نے فوراً ارادہ کیا اور والد صاحب کے حج بدل کو ہی ایک صاحب کو ہمراہ لیا۔ حضرت نے براہِ شفقت مولانا مقصود اللہ صاحب (مجاز حضرت) کو تھانہ بھون سے کسی کے حج بدل میں آپ کے ساتھ کر دیا۔ جانے سے پہلے تھانہ بھون حاضری ہوئی۔ گفت گو کے علاوہ آپ نے یہ عرض کیا کہ حضرت دور دراز کا سفر ہے یوں تو حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئی مگر جی چاہتا ہے کہ آپ بھی بیعت فرمالیں سلسلہ ہی قریب ہو جائے گا۔ براہِ شفقت حضرت نے فرمایا کہ کیا ابھی میں نے بیعت نہیں کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ ابھی تک احقر نے اس کی التجا ہی نہیں کی۔ حضرت نے اسی مجلس میں اسی وقت بیعت فرمایا۔ دوبارہ ۴۲ھ میں جب حضرت ٹانڈہ تشریف لے گئے تو آپ نے زوجہ صاحبہ کو بیعت کرا دیا۔ زوجہ صاحبہ برابر مرتے دم تک ان وظائف پر قائم رہیں اور ہر چیز میں دین کو دنیا پر ترجیح دیتی تھیں۔ پوری بستی میں دینداری اور پردہ وغیرہ میں مشہور تھیں۔ ۳ر محرم کو آپ کی غیر حاضری میں محمد وجیہہ کی پیدائش ہوئی۔ حضرت تھانوی کو گھر سے اطلاع کی گئی۔ آپ نے محمد وجیہہ نام تجویز کر کے روانہ فرمایا۔

آپ جب حج سے تشریف لائے تو ۲۲ر محرم ۴۳ھ بغرض زیارت حضرت تھانوی تھانہ بھون حاضر ہوئے آپ نے حضرت سے دعوت کو عرض کیا۔ فرمایا یہاں کہاں انتظام کرو گے۔ آپ نے فرمایا مولانا شبیر علی نے انتظام کا وعدہ فرمالیا ہے۔ حضرت نے بڑی خوشی سے منظور فرمالیا۔ آپ نے عرض کیا حضرت دونوں گھروں میں اور صاحبزادی خواجہ صاحب کی اور مولانا شبیر علی صاحب کی بھی دعوت کی اجازت دیجئے حضرت نے منظور فرمالیا۔ چنانچہ سب نے سہ دری میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ گھروں میں مولانا شبیر علی نے کھلا دیا۔ آپ کی شعر گوئی کی عادت تھی۔ چار حصے غزلیات کے تیار ہو گئے۔ صرف ایک حصہ بنام نشتر الفت شائع ہوا تھا۔ واپسی میں تھانہ بھون میں ان سب کو نذرِ آتش کر دیا اور شعر گوئی بالکل چھوڑ دی اور اللہ اللہ کو اپنا وظیفہ بنایا اور سب لباسوں کو چھوڑ کر کرتہ پاجامہ اور حضرت جیسی ٹوپی کا استعمال شروع کر دیا۔

آپ کا تھانہ بھون آنا جانا رہا۔ تقریباً چالیس روز ضرور سال میں گزارتے تھے۔ ۴۴ھ میں

آپ قیام کی غرض سے حاضر ہوئے۔ دوتین یوم کے بعد بعد عصر مسجد میں آپ حاضر تھے کہ دفعتہً حضرت آپ کی طرف آنے لگے آپ ادب سے پیچھے ہٹے۔ حضرت نے فرمایا میں تمہارے ہی پاس آرہا ہوں اس پر آپ رک گئے تو فرمایا۔ مولوی محمد شفیع صاحب (مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) اور مولوی ذکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپور کی خواہش ہے کہ امیر الروایات کے بعد بقیہ حکایات اپنے اکابر قریبہ کی اور جمع ہو جائیں تو اچھا ہے تم مجلس میں ان کو لکھ لیا کرو۔ آپ نے عرض کیا اور ملفوظات بھی حضرت نے فرمایا یہ تمہاری سہولت کیلئے کہتا ہوں باقی تم کو اختیار ہے چنانچہ آپ نے خدا کے بھروسہ پر لکھنا شروع کیا۔ مجموعہ کا نام حضرت نے جدید ملفوظات تجویز فرمایا۔ جب حضرت دو مرتبہ بغرض علاج لکھنؤ تشریف لے گئے تو آپ دونوں مرتبہ بغرض عیادت لکھنؤ حاضر ہوئے ایک مرتبہ کی حاضری میں رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ حضرت خواجہ صاحب نے حضرت وصل صاحب سے ملاقات کرائی اور مزاحاً فرمایا یہ وصل ہیں آپ واصل ہیں۔

ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ میں جب آپ بغرض قیام تھانہ بھون حاضر ہوئے تو سلیمان ملازم حضرت نے آپ کو ایک لفافہ لا کر دیا جو حضرت کی طرف سے اجازت بیعت لینے کا تھا آپ فرماتے ہیں کہ میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ مجھ کو خلافت عطا فرما دی جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اس کو حضرت نے جمادی الثانیہ ۱۳۵۹ھ کے پرچہ النور میں اس صورت میں شائع کرایا۔ یعنی

تتمہ سابقہ تبنیات وصیت کا تتمہ خانہ مضمون اول (اضافہ مجازین) فہرست ہذا کی اشاعت کے قبل ربیع الثانیہ اور ان میں اور بھی دس صاحبوں کو بیعت اور تلقین کی اجازت دی گئی جو عدد بالا کے ساتھ مل کر ۵۳ ہو گئے۔ جس میں ایک لطیف نکتہ بھی نکل آیا کہ یہ عدد تصنیفات کے عدد یعنی (۵۳۰) کا جو کہ قریب ہی مضمون دوم کے اخیر میں مذکور ہیں۔ عشر ہیں گویا اس طرف اشارہ ہے کہ ہر مجاز کا نفع بجائے دس کتابوں کے ہے وہ مجازین بسلسلہ سابقہ یہ ہیں (۴۴) مولوی عبدالمجید صاحب شاہجہاں پوری مقیم رنگون (۴۵) مولوی عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری مدرس مظاہر العلوم سہارنپور (۴۶) مولوی محمد طیب صاحب مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند (۴۷) مولوی محمد شفیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند (۴۸) مولوی محمد نبیہ

صاحب ٹانڈہ باولی مراد آباد (۴۹) مولوی محمد صابر صاحب مدرس ٹانڈہ مذکور (۵۰) احمد علی خانصاحب سہارن پور قلعہ لوزبان (۵۱) حکیم کرم حسین صاحب سیتاپور (۵۲) مولوی عبدالرحمٰن صاحب سوائے ضلع الہ آباد (۵۳) محمد عثمان خان صاحب تاجر کتب دریبہ کلاں دہلی دمشورت مع معذرت، چونکہ سن کی زیادہ عادۃً قویٰ کے نقص کا موجب ہے جو کثرتِ خدمت سے مانع ہے۔ اس لئے طالبان اصلاح کو مشورہ دیتا ہوں کہ اب بجائے میرے اکثری طور پر ان مجازین کی طرف رجوع کریں اور ان صاحبوں سے استدعا کرتا ہوں کہ اس باب میں توجہ رکھیں۔

نقل اجازت نامہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مشفقی مولوی محمد منیہ صاحب ناظم مدرسہ ٹانڈہ سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم!

بے ساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو مع دوسرے احباب کے بیعت تلقین کی دوں پس توکلاً اس وارد پر عمل کرنے کے لئے آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔ اگر کوئی طالب حق آپ سے اس کی درخواست کرے تو قبول کرلیں اس سے متعلم کے ساتھ معلم کو بھی فائدہ ہوتا ہے میں دعا کرتا ہوں اور اپنے خاص محبین پر اس کو ظاہر بھی کر دیجئے۔ والسلام

عبدہ اشرف علی تھانہ بھون ۱۳۴۹ھ

آپ کی وجہ سے بستی کی بہت اصلاح ہوئی۔ بہت سی رسمیں بیاہ شادی وغمی کی ختم ہوگئیں مثلاً ایک رسم یہ تھی کہ شادی میں لڑکی والے کے ذمہ بارات کا کھانا لازم تھا۔ بغیر بارات کھلائے شادی نہیں کر سکتا تھا اور اس کھلانے میں کافی خرچ ہوتا تھا۔ ہر شخص اس بات کا متحمل نہ تھا اس لئے بہت سی لڑکیاں شادی سے رکی رہتی تھیں۔ بہت سے آدمی مجبوراً سودی قرضہ کے انتظام کرتے تھے اور بعض سستی قیمت پر اپنی قیمتی جائداد فروخت کرنے پر مجبور ہوتے تھے اور کچھ آدمی ہندوؤں اور بنیوں کے یہاں رہن رکھ دیتے۔ پھر بعد میں بنئے ہی اس کے مالک بن جاتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کی بہت سی جائدادیں ضائع ہوگئیں۔ آپ کو اور دوسرے دیندار حضرات کو بہت فکر تھی۔ زبانی افہام وتفہیم سے کوئی کام نہیں چلتا تھا اس رسم کے توڑنے کی کوئی ہمت ہی نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ کام لیا۔ بڑے بھائی کی

شادی ٹانڈہ کے سب سے مالدار گھرانے میں قرار پائی۔ آپ نے لڑکی والوں کو یہ رسم چھوڑنے پر آمادہ کرنا چاہا مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ اس لئے حضرت تھانوی سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا یہ لوگ اس کے چھوڑنے پر راضی نہیں کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ حضرت نے فرمایا بلا رسومات کے کرو چاہے شادی ہو یا منقطع۔ چنانچہ آپ نے حضرت کے مشورے پر عمل کیا اور جب یہ سلسلہ منقطع ہونے لگا۔ تو بعض لوگوں نے بہت زور دیا کہ ایسا گھر کہاں ملے گا لیکن آپ نے فرمایا ہمیں گھر کے بڑے ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں دین کی ضرورت ہے بہر حال سلسلہ یہاں سے منقطع ہو گیا پھر دوسری جگہ نکاح ہوا اور بغیر رسوم کے شادی ہو گئی اور یہ رسم بد ٹوٹی اور لوگوں کو ہمت ہوئی۔ حضرت نے اس پر بہت مسرت کا اظہار کیا اور بہت دعائیں دیں۔

آپ ۲۲ سال تک برابر تھانہ بھون آتے جاتے رہے اور حضرت سے مسلسل مکاتیب رہی مگر ملاقات یا مکاتبت میں کسی قسم کی خفگی نہیں ہوئی۔ آپ فرماتے تھے کہ اس میں زیادہ تر حضرت والا کی شفقت ہی کو دخل تھا۔ دوسرے آپ کے مزاج میں احتیاط بہت تھی۔ ضابطہ کے خلاف کوئی کام نہ کرتے تھے اور حضرت کے ہر ضابطہ سے محبت اور انس تھا اور کسی امر میں اعتراض پیدا نہ ہوا۔ فرماتے تھے کہ تھانہ بھون کی مجلس اور وہاں کے حالات یاد آ کر طبیعت تڑپ جاتی ہے اکثر اشکبار ہوتا ہوں کہ کیا تھا اور کیا ہو گا۔ اسی تعلق اور جوش میں کچھ اشعار جو اشرف التنبیہ کے آخر میں شائع ہوئے اور حضرت کی نظر ثانی ہوئی ہے اور با اجازت چھپے ہیں۔ والہانہ انداز میں یہ اشعار پڑھتا تھا۔

اے مرشد طریقت اے واقفِ حقیقت — اے ماہر شریعت اے ہادیِ طریقت
ہاں لیجئے خبر اب میری حکیم امت — امراض میرے ہیں باعثِ ہلاکت

مولائی۔ مقتدای۔ مشوائی۔ منتہائے
انت طبیب قلبی روحی فداک شیخی

از دردِ ہجر و فرقت بسیار بیقرارم — صد چاک سینہ دارم ہم زار زار چشم
کام و زبان بسوزد از سوزش درد غم — اکنوں چہ چارہ سازم بر لب رسیدہ جانم

مولائے مقتدائے مثوائے منتہائے
انت طبیب قلبی روحی فداک شیخی

اس نفس بد کے ہاتھوں مجبور ہو رہا ہوں — ہستی کے مٹنے کو در پہ تیرے پڑا ہوں
سب فضل ایزدی ہے جو کچھ کر رہا ہوں — ہاں اک نظر ادھر بھی میں قابلِ دعا ہوں

مولائے مقتدائے مثوائے منتہائے
انت طبیب قلبی روحی فداک شیخی

مٹنے کو ہوں میں آیا مجھ کو مٹا ہی دیجئے — ایک شعلہ محبت دل میں لگا ہی دیجئے
ہستی کے میری پرزے شاہا اڑا ہی دیجئے — اب تو مٹا ہی دیجئے اب تو مٹا ہی دیجئے

مولائے مقتدائے مثوائے منتہائے
انت طبیب قلبی روحی فداک شیخی

اک ایسا جام وحدت واصل کو پلا دے — جو ما سوائے رب کے سب قلب سے مٹا دے
پردے دوئی کے دل پر جتنے ہیں سب مٹا دے — مولا کی لو لگا دے مولا کی لو لگا دے

مولائے مقتدائے مثوائے منتہائے
انت طبیب قلبی روحی فداک شیخی

مفتی محمد حسن

مجازِ بیعت

آپ کے والد ماجد کا نام مولانا اللہ داد تھا۔ آپ ضلع کیمبل پور کے ایک موضع مل پور میں ایک نیک اور علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ کتبِ منطق آپ نے مولوی محمد معصوم صاحب سے پڑھیں۔ مولانا موصوف اپنے زمانے کے علماء میں علوم عقلیہ میں ایک خاص مہارت رکھتے تھے۔ آپ جب مدرس ہو کر غزنویہ امرتسر تشریف لائے تو اس ہونہار طالب علم کو اپنے سے جدا کرنا مناسب نہ سمجھا اس لئے آپ کو بھی اپنے ہمراہ امرتسر لے آئے اور مفتی صاحب مدرسہ غزنویہ میں تکمیل تعلیم میں مصروف ہو گئے۔

آپ نے حدیث کا دورہ دو مرتبہ کیا تھا۔ ایک دفعہ تو مدرسہ غزنویہ میں اور دوسری مرتبہ اس وقت کیا جب آپ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں بغرض بیعت تشریف لے گئے تھے۔ حضرت حکیم الامت، بیعت ہونے کے لئے ہر شخص کے حسبِ منشار شرائط تجویز فرماتے مگر یہ ہر شخص کے لئے نہیں تھا۔ بعضوں کو تو بغیر کسی شرط کے بھی بیعت کیا ہے۔ مفتی صاحب کے لئے آپ نے یہ شرائط عائد کیں کہ آپ کسی قاری سے قرآن پاک کی مشق کریں۔ دوسرے کسی حنفی مسلک کے عالم سے بھی حدیث پڑھیں چنانچہ آپ نے یہ شرائط قبول کیں اور دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں آپ نے مولانا انور شاہ کشمیری سے کتبِ احادیث پڑھیں۔

درس وتدریس

بعد فراغ درسیات آپ امرتسر ہی میں درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ آپ کو قابلیت کی بنار پر تھوڑے ہی عرصے بعد مدرسہ نعمانیہ کا صدر مدرس بنا دیا گیا کم وبیش چالیس سال آپ نے تدریس کی خدمت انجام دی۔ جب تک آپ کا قیام امرتسر میں رہا آپ روزانہ مسجد نور میں بعد نماز فجر درس قرآن دیا کرتے تھے۔ آپ کے درس میں بے حد تاثیر تھی اور اس وجہ یہ تھی کہ آپ کے ساتھ آپ کے شیخ کی توجہات شامل حال تھیں۔

فتویٰ نویسی

درس وتدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی بھی آپ کا ایک مستقل شغل تھا۔ اس سلسلہ میں ملک کے ہر حصے سے آپ کی خدمت میں استفتار آتے جن کے محققانہ جوابات تحریر فرماتے۔ جب تک آپکی صحت نے اجازت دی اس وقت تک آپ یہ کام انجام دیتے رہے۔

جامعہ اشرفیہ کا قیام

امرتسر میں آپ نے ایک مدرسہ قائم کیا جو تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ واسلامیہ کی تعلیمی خدمت بھی سر انجام دے رہا تھا۔ اس مدرسہ نے تقریباً ۲۸ سال یہ خدمت سر انجام دی قیام پاکستان کے بعد اس مدرسہ کے خدام اور اساتذہ کو بھی لاہور آنا پڑا۔ لاہور میں نیلا گنبد کے علاقہ میں مول چند بلڈنگ کا ایک حصہ مدرسہ کے لئے الاٹ ہو گیا۔ چنانچہ توکلاً علی اللہ اس مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ جامعہ اشرفیہ کے نام سے ۸ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ہوئی جو ان اشعار کا مصداق ہے ؎

درسگاہ علم دین ایں جامعہ — اشرفیہ از معارف لامعہ

یادگار مولوی معنوی! — مولوی اشرف علی تھانوی

اے خدا ایں جامعہ قائم بدار — فیض او جاری بود لیل و نہار

جب جامعہ کی عمارت طلبہ واساتذہ کے لئے ناکافی ہوئی تو فیروزپور روڈ لاہور پر مدرسہ کی

جدید عمارت کے لئے ایک سو کنال اراضی خریدی گئی۔ جس طرح حق تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کو یہ شرف عطا کیا تھا کہ اس کا سنگِ بنیاد جملہ مقدسین نے مل کر رکھا تھا۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے حکیم الامت مولانا تھانوی کے نام اور حضرت مفتی صاحب کے خلوص برکت سے اس جامعہ کے سنگ بنیاد رکھتے وقت اہل اللہ کو جمع فرما دیا۔ اس وقت جو حضرات موجود تھے ان میں مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا حافظ جلیل احمد صاحب، مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب۔ مولانا خیر محمد صاحب۔ مولانا رسول خان صاحب۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا محمد ادریس صاحب، مولانا مفتی جمیل احمد صاحب اور مولانا داؤد غزنوی شامل تھے۔

کمالاتِ حسنہ

مرض و آلام میں صبر و شکر

آپ کے پاؤں پر ایک سمی قسم کا پھوڑا ہو گیا تھا۔ جس نے رفتہ رفتہ ساری پنڈلی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ٹانگ میں تکلیف اس قدر تھی کہ بیان نہیں کی جا سکتی لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ آپ کسی شدید تکلیف میں مبتلا ہیں۔ ہمیشہ ہشاش بشاش رہتے اور جاننے والے جب کبھی اس سلسلہ میں دریافت فرماتے تو ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ "الحمدللہ اچھا ہوں" جب زخم اوپر بڑھنے لگا تو اس وقت مخلصین کے اصرار پر آپ نے آپریشن کروانا منظور کر لیا۔ ڈاکٹروں نے ایسی دوا دینی چاہی جس سے شدید تکلیف کا احساس نہ ہو یا ہو تو کم ہو مگر آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ ۷۰ سال کی عمر ڈاکٹر صاحب بہت پریشان تھے لیکن آپ کے سامنے بات کرنے کی کس کو مجال تھی۔ طوعاً و کرھاً ایک ٹیکہ لگا کر ٹانگ کاٹنا شروع کر دی۔ اس میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا۔ آپ کے ڈاکٹر کا بیان ہے کہ حیرت ہے کہ آپریشن کے شروع سے اختتام تک نبض کی رفتار میں سرِ مو فرق نہیں آیا۔ اس آپریشن کے بعد جو درد ہوتا ہے اس کی شدت کا کوئی اور فرد مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

صبر و شکر

ٹانگ کٹنے کے بعد آپ کی تکلیف میں کمی نہ ہوئی بلکہ اکثر اوقات درد ہوتا ہی رہتا تھا۔ آپ کبھی کبھی ارشاد فرماتے تھے کہ جس وقت میرے اس حصہ میں درد ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بیک وقت سو چھریوں سے حملہ کر رہا ہو مگر پھر بھی کبھی آپ کے منہ سے اُف تک نہ نکلتی۔ ڈاکٹر حضرات کے ساتھ ساتھ اہل دل حضرات بھی حیران تھے۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو آپ نے اس استقامت کا (جو کہ ٹانگ کاٹتے وقت تھی)، راز پوچھا۔ آپ نے فرمایا "مَیں اس وقت اجر جزیل کی خوشی میں جو متشکل ہو کر سامنے آگیا تھا۔ ایسا محو ہوا کہ مجھے کہیں کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا ہو رہا ہے۔"

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "جب میری ٹانگ کاٹی گئی تو ڈاکٹروں کا خطرہ تھا کہ میں شائد جانبر نہ ہو سکوں کرنل امیر الدین بھی گھبرائے ہوئے تھے کرنل ڈاکٹر ضیاء اللہ صاحب نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے، وہ سمجھ رہے تھے کہ میں بھی پریشان ہوں گا مگر مَیں نے کہا کہ "میرے لئے یوم عید ہے۔"

مجموعہ امراض ہونے کے باوجود آپ کی زبان سے کسی قسم کا کوئی جملہ شکایت و شکوہ کا نہیں سنا گیا بلکہ آپ اس کی حالت میں حق شانہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ شفاء الملک صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن مَیں نے حالت پوچھی تو فرمانے لگے کہ "یہ صرف اللہ کی نعمت ہے" مَیں نے عرض کیا کہ آپ تو امراض سے گھرے ہوئے ہیں" تو فرمایا دیکھئے آپ کو بلا طلب اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا ہے اور اب آپ دوا بھیجنے کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے پھر دوسرے معالجین کو اللہ تعالیٰ اس طرح متوجہ کرتے رہتے ہیں۔ کراچی کے ایک طبیب کو مَیں نہیں جانتا مگر وہ برابر دوائیں بھیجتے رہتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رفیقہ حیات ایسی عطا کی ہے جو جملہ ضروریات کا خیال رکھتی ہے اور شب و روز سرگرم خدمت ہے۔

تلاشِ مرشد

حضرت مفتی صاحب نے حضرت حکیم الامت سے پہلی ملاقات میں جب اپنی حاضری کا مقصد بیان

کیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے میرے فلاں دوست سے اصلاح کا تعلق قائم کرو اور ان سے ۲۵ مرتبہ خط و کتابت کرنے کے بعد وہ خط و کتابت مجھے دکھاؤ پھر بیعت کے متعلق گفتگو کرنا۔ چنانچہ آپ نے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے آپ کے خلیفہ حکیم محمد مصطفےٰ بجنوریؒ سے مسلسل دو سال تک اصلاحی تعلق قائم رکھا جب اس عرصہ میں ۲۵ خطوط کی تعداد پوری ہو گئی تو آپ نے یہ خطوط حضرت تھانوی کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت حکیم الامت نے ان خطوط کو ملاحظہ کر کے ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ کو آپ کو چاروں سلسلوں میں بیعت کیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے آپ کو ہمہ تن حضرت حکیم الامت کے سپرد کر دیا۔

پہلی حاضری

اپنی پہلی حاضری تھانہ بھون کے متعلق خود فرمایا کہ میری سب سے پہلی حاضری خانقاہ تھانہ بھون رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ میں ہوئی۔ ہوا یوں کہ میں دو صد روپیہ کے قرض سے زیر بار تھا۔ رمضان شریف قریب تھا۔ امرتسر میں رمضان گذارتا تو ایک جگہ پر ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ قرض کی رقم سے سبکدوش ہو جاتا لیکن ادھر تھانہ بھون میں پہلی مرتبہ حاضری کا بے حد شوق ادھر طبیعت پر قرض کے بوجھ کا اثر اور قرض کی ادائیگی کا خیال اسی کشمکش میں تھا آخر تھانہ بھون حاضر ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ جونہی حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا مصافحہ کیا، میرے ہاتھ پکڑے رہے اور بار بار جملے فرماتے رہے کہ دو سو روپیہ بھی کوئی چیز ہے یہ تو علماء کی جوتیوں کی گرد ہے۔ میرے ہاتھ تب چھوڑے کہ دل سے یہ خیال نکال دیا۔ اس موقع پر خانقاہ میں پہلی رات ایک خواب دیکھا جس میں موٹے حروف میں یہ لکھا ہوا بتلایا گیا تھا۔

سگِ دربار گیلاں شو چو خواہی قرب ربانی

اور اس کے بعد ۱۳۴۰ھ رمضان سے لے کر ۱۳۶۲ھ تک برابر ہر سال حاضری ہوتی رہی

خلافت

جب حکیم الامت نے اپنی خداداد فراست سے یہ معلوم کر لیا کہ اب یہ درجۂ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں اور اب ان کے اندر اصلاح خلق کی پوری پوری اہلیت پیدا ہو چکی ہے تو آپ کو بیعت و تلقین کی

اجازت سے مشرف فرمایا۔

پیرو مرشد سے تعلق

حضرت تھانوی اور مفتی صاحبؒ کے تعلقات اور ربطِ قلبی کا اس واقعہ سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ حضرت تھانوی کے ایک خادم نے آپکی علالت کے متعلق مفتی صاحب کو اطلاع دی چنانچہ مفتی صاحب تھانہ بھون تشریف لائے اور تقریباً ایک ہفتہ قیام کیا۔ اسی دوران حضرت تھانوی کی طبیعت ٹھیک ہوگئی اور مفتی صاحب واپس تشریف لے گئے۔

خانقاہ میں پنجاب کے ایک بزرگ سائیں طور شاہ نے حضرت سے ارشاد کیا۔ "حضرت خلیفہ جی چلے گئے۔ خانقاہ کی رونق کم ہوگئی ہے" اس پر حضرت تھانوی نے ارشاد فرمایا "ہاں سائیں جی مَیں بھی یہی محسوس کرتا ہوں"

جب کبھی حضرت تھانوی اپنی مجلس میں علماء کی موجودگی میں کوئی علمی مضمون بیان کرتے اور حضرت مفتی صاحب وہاں موجود نہ ہوتے تو فرمایا کرتے کہ "مولوی محمد حسن اگر یہ سنتے تو بہت خوش ہوتے"۔

حضرت مفتی صاحب اپنے شیخ کے بارہ میں فرماتے تھے "حضرت کیسے تھے حضرت جو اصل تھے وہ کتابوں سے سمجھ نہیں آسکتے۔ کتابیں دیکھ کر انہیں کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ کیسے تھے اگر کوئی تجوید کی کتاب دیکھے تو یوں سمجھے گا کہ حضرت بہت بڑے قاری تھے اگر ان کے فقہی اور اجتہادی کارنامے دیکھے گا تو سمجھے گا کہ بہت بڑے فقیہہ تھے اگر احادیث کے شغف کو دیکھے تو محدث سمجھے گا ان کے مناظرانہ ارشادات کو دیکھ کر فلسفی سمجھے گا لیکن حضرت ان سب چیزوں سے بلند تھے اور جنہوں نے حضرت کو نہیں دیکھا وہ حضرت کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے۔

جب ڈاکٹروں نے حضرت مفتی صاحب کے پاؤں کو کاٹنے کا مشورہ دیا تو مفتی صاحب کے ایک عزیز نے حضرت تھانوی سے اسکا تذکرہ کیا۔ اس بات کو سن کر حضرت تھانوی نے فرمایا "مَیں تو یہ بات تمہارے منہ سے سن کر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ سچ کہتا ہوں مولوی صاحب کے پاؤں قطع کرنے کا تصور آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میرا اپنا پاؤں قطع کیا جاتا ہے" پھر آپ نے مولانا

شبیر علی تھانوی صاحبؒ سے اس کا تذکرہ کیا کہ بھائی کوئی ایسی دوائی نہیں جس سے آرام آجائے مولانا شبیر علی نے کہا "حضرت یہ بیماری مدراس میں ہوتی ہے سنا ہے وہاں کوئی ایسی بوٹی ہوتی ہے جو اس کے لئے مفید ہے" حضرت نے فرمایا "بھائی کوشش کر کے منگوالو۔ انہوں نے یہ بوٹی مدراس سے منگوائی اور گملے میں لگا کر اس کی دوائی بنا کر حضرت مفتی صاحب کو بھیج دی۔ اس دوران حضرت تھانوی بار بار استفسار کرتے رہے کہ دوائی بن گئی ہے یا نہیں اور اس معاملہ میں پوری دلچسپی لیتے رہے۔

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے حضرت والا تھانویؒ کی خدمت میں مچھلی بھیجی اور مچھلی کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور جس شخص کے ہاتھ روانہ کی اس کو ہدایت کر دی کہ ایک حصہ چھوٹے گھر کا ہے دوسرا حصہ دوسرے گھر کا اور تیسرا حصہ اس گھر کا جہاں حضرت کی باری ہوگی۔ جب حضرت کو مچھلی ملی اور اس تقسیم کی بھی خبر ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور کئی روز تک اس واقعہ پر خوشی کا اظہار کرتے رہے اور پھر فرمایا "اس سے زیادہ میری اور کون رعایت کر سکتا ہے"۔

حضرت تھانویؒ سے آپ کو عقیدت عشق کی حد تک تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کی کتابوں کے سوا کسی اور کتاب کو دیکھنے کی جرأت بھی نہیں رکھتا۔

اپنی وصیت میں آپ نے اپنی اولاد کو نصیحت فرمائی کہ بہشتی زیور۔ جزا الاعمال۔ تعلیم الدین مواعظ۔ ملفوظات حضرت تھانوی مطالعہ میں رکھنا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ "اس زمانہ میں پیدا ہونا بھی بڑی نعمت ہے کہ تھوڑے سے عمل پر بھی بڑا اجر ملتا ہے۔ دوسری نعمت یہ ہے کہ حضرت والا سے جو بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ متعلق ہو گیا اس کا خاتمہ ضرور ایمان پر ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ"۔

حضرت مفتی صاحب کے متعلقین میں سے ایک صاحب کو جو آپ کے پرانے خادموں میں سے تھے حج کی درخواست دی اور عام مسلمانوں کی طرح دل میں امید لگا رکھی کہ اجازت مل جائے گی لیکن قرعہ اندازی میں ان کا نام نہ نکلا یہ صاحب بہت پریشان ہوئے ان کی پریشانی کی اطلاع حضرت

مفتی صاحب کو کی گئی۔ چنانچہ حضرت نے ان کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا "چودھری صاحب درخواست نامنظور ہوگئی"۔ چودھری صاحب نے بہت ہی آزردہ آواز میں کہا "حضور نامنظور ہوگئی۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا پھر تو موج ہوگئی اور اس لفظ کو کئی مرتبہ دہرایا اس پر فرمایا "حج کا ثواب تو تمہیں تمہارے ارادے پر مل گیا ہے پھر گھبرانے کی کیا بات ہے۔ حج کا ثواب تو گھر بیٹھے مل گیا ہے" اس سے صاحبِ معاملہ اور جملہ حاضرین کی پوری تسلی ہوگئی۔

آپ پر جب فالج کا اثر ہوا تو اس کے بعد کچھ آرام ہوا اور ہاتھ حرکت کرنے لگا۔ ایک روز مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ خوش ہوئے اور خود بھی آپ پر صحت کا اثر دکھائی دیتا تھا۔ اس پر فرمایا پہلے تو صرف یہ سمجھ میں آتا تھا کہ ہاتھ اللہ کی نعمت ہیں لیکن اب معلوم ہوا کہ ہاتھ بھی اللہ کی نعمت ہیں لیکن ان کی حرکت ایک مستقل نعمت ہے اسی طرح کھانے کو نعمت سمجھا جاتا ہے لیکن کھانے سے سیر ہو جانا بھی ایک مستقل نعمت ہے" اگر خدانخواستہ اس میں رکاوٹ ہونے لگے یا زیادہ ہونے لگے تب معلوم ہوگا کہ یہ بھی ایک نعمت ہے" فرمایا کہ سونا بھی ایک نعمت ہے لیکن سو کر بیدار ہونا دوسری نعمت ہے" آخر میں فرمایا۔ بھائی کہاں تک آدمی گنے۔ ان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا۔

ایک مرتبہ آپ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد سے گزر رہے تھے کہ ساتھ والے سکول میں بچوں کو چھٹی ہوئی۔ بچوں نے عادت کے مطابق چھٹی کی خوشی میں شور مچاتے اچھلتے کودتے ہوئے باہر نکلنا شروع کیا تو آپ دھکم پیل سے بچنے کے لئے ایک طرف کھڑے ہوگئے اور فرمایا۔

"یہ بچے اس پڑھائی کو اپنے لئے مصیبت سمجھتے ہیں اور جب ان کو اس سے نجات ہوئی تو کس قدر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ مومنین کو کہیں گے کہ تمہاری نجات ہوگئی تو اس وقت ان کو کس قدر خوشی ہوگی۔

ایک مرتبہ مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے امرتسر میں حضرت مفتی صاحبؒ کے درس میں شرکت فرمائی۔ اس درس میں شرکت کے بعد اپنے تاثرات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ نے یوں بیان فرمایا :-

یہ اعجوبہ بہ فیض وفضل مولانا حسن دیکھا
کہ امرتسر ہم نے آج اک تھانہ بھون دیکھا
دیا وہ درسِ قرآنی کہ آنکھیں کھول دیں جس نے
معارف ہائے قرآنی کا دریا موجزن دیکھا

حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت تھانوی فرماتے تھے کہ مجھے دنیا سے جانے کا کوئی فکر وخیال نہیں جبکہ میرے بعد یہ دو موجود ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ دو کون ہیں فرمایا کہ "ایک تو مفتی محمد حسن ہیں۔"

آپ کو خاتمہ بالخیر کی اس قدر فکر تھی کہ تقریباً ہر مجلس میں اس کی اہمیت اور فکر کو ضرور ظاہر کرتے تھے۔ ایک دفعہ قاری خدا بخش صاحب عیادت کے لئے آئے۔ آپ کی طبیعت کافی روز سے ناساز تھی۔ ابتدائی گفتگو کے بعد ہی ذکر ہوا کہ بس سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان پر فرمائیں پھر بڑے زور دے کر فرمایا کہ "حافظ جی اگر خدانخواستہ ایمان نہ ملا تو؟" یہ فرمایا اور ساتھ ہی آواز متغیر ہوگئی اور آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ "حضرت خدا کا شکر ہے ایمان حاصل ہے اور انشاء اللہ وہ اپنے فضل سے مرتے وقت بھی اس نعمت سے محروم نہیں فرمائیں گے"۔ فرمایا کہ "بے شک اس وقت تو یہ دولت حاصل ہے مگر کیا ذمہ داری ہے کہ مرتے وقت بھی ایمان ملے گا اگر نہ ملا تو"۔ یہ فرما کر مزید رقت اور گریہ طاری ہوگیا اور اپنے آپ کو سنبھال کر باآواز بلند کئی بار فرمایا کہ "یا اللہ ایمان۔ یا اللہ ایمان۔ یا اللہ ایمان"

۱۶ر ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ کو کراچی میں آپ کا انتقال ہوگیا اور وہیں آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ

مجازِ بیعت

مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری کا سلسلہ نسب مشہور افغان قبیلہ یوسف زئی سے منسلک ہے آپ کے آباؤ اجداد شرافت و دیانت پاکیزگی عمل اور دینداری میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے آپ کے والد مولانا گل اپنے وقت کے مشہور طبیب۔ ایک سنجیدہ عالم دین متورع متقی اور عبادت گزار انسان تھے۔

آپ کی پیدائش ۲۷ اگست ۱۸۸۲ کو ضلع کیمبلپور میں ہوئی۔ آبائی وطن کیمبل پور ہونے کی وجہ سے نسبت کیمبلپوری ہونی چاہیئے تھی مگر یہ نسبت آپ کے نام سے مناسبت نہیں رکھتی تھی اس لئے کمال تقویٰ وعلم کی وجہ سے کامل پوری نسبت مشہور ہوئی۔ حضرت حکیم الامتؒ کی لطیفہ گوئی بذلہ سنجی اور لطافت طبع مشہور ہے آپ کے بارے میں اسی سبب فرمایا کرتے تھے کہ "کامل پوری نہیں کامل پورے ہیں" بچپن ہی سے آپ میں خدا ترسی، رحمدلی۔ خوش خلقی۔ سنجیدگی اور عابدانہ زندگی کا اثر نمایاں تھا۔ تعلیم کا آپ کو بچپن سے شوق تھا۔ ماحول زراعت کا تھا مگر آپ نے اس طرف توجہ نہ کی۔ قرآن مجید کی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی مگر چونکہ گھر کے عیش وآرام کی وجہ سے بہبودی میں مزید تعلیم مشکل تھی۔ اس لئے آپ گاؤں کے قریب کسی جگہ حصولِ تعلیم کے متمنی تھے چنانچہ فارسی عربی کی ابتدائی کتب کے لئے شمس آباد تشریف لے گئے۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتب مولانا فضل حق صاحب سے پڑھیں جو حاجی امداد اللہ صاحب کے شاگرد تھے اور پھر کھڈ تشریف لے گئے

قاضی عبدالرحمٰن صاحب سے شرح جامی اور ملا حسن تک کتابیں پڑھیں اور پھر مکھڈ تشریف لے گئے جو اس وقت بہت بڑا علمی اور روحانی مرکز تھا۔ سرحد و پنجاب کے یکتا و مشہور اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کے بعد آپ نے ہندوستان کا عزم کیا۔ ۱۹۱۲ء میں آپ نے مظاہر العلوم میں داخلہ لیا۔ اس زمانہ میں مظاہر العلوم میں مولانا خلیل احمد۔ مولانا عنایت علی، مولانا عبدالوحید اور مولانا عبداللطیف جیسے اکابر مدرسین موجود تھے۔ دورہ حدیث کی اکثر کتابیں آپ نے مولانا خلیل احمد صاحب سے پڑھیں ۱۳۲۱ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سے سند فراغت حاصل کی۔ ہندوستان کے ایک علمی چشمہ سے سیرابی کے بعد بھی آپ کی علمی تشنگی دور نہیں ہوئی بلکہ علم کی پیاس بجھانے کے لئے آپ کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ حضرت شیخ الہند کی خدمت میں حاضر ہو کر دورہ حدیث پڑھوں۔ آپ نے اپنے استاد مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے دیوبند میں حدیث پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اس شرط پر اجازت دی کہ فراغت کے بعد تدریس مظاہر العلوم میں کرنی ہوگی۔ دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کی کتابوں میں داخلہ لیا۔ حضرت شیخ الہند کی تدریسی زندگی کا یہ آخری سال تھا۔ آپ نے حضرت شیخ الہندؒ مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا محمد احمد صاحب سے کتب احادیث پڑھیں مظاہر العلوم کی طرح دارالعلوم دیوبند میں بھی آپ نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔

سفرِ حج

قیام مظاہر العلوم کے دوران ۱۹۳۶ء میں آپ نے حج ادا کیا۔ آپ کے ایک خصوصی شاگرد اور متوسل جناب مولانا محمود داؤد یوسف صاحب آپ کے رفیق سفر اور خادم خاص تھے۔

مرشدِ اول کا انتخاب

آپ کو اپنی روحانی تسکین کے لئے دور جانے کی ضرورت نہ پڑی۔ طالب علمی کے آخری دَور میں آپ نے مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا جو صرف عالم ہی نہ تھے بلکہ شیخ طریقت اور آسمان روحانیت کے ماہتاب ستارے تھے۔ آپ نے پہلے مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت کی تھی۔

مرشد ثانی

ہندوستان میں اس وقت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی ذات اقدس مرجع خاص وعام تھی چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت سے تجدید دین کا کام جس عظیم الشان طریق پر لیا وہ اہل نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ بھی کسی ایسے ہی جامع شیخ کی تلاش میں تھے۔ قلب ونظر نے حضرت تھانوی کی طرف ایسی جاذبیت اور کشش محسوس کی جو بعد میں رجوع پر منتج ہوئی حضرت حکیم الامت کی طرف رجوع کرنے کے بعد آپ نے اصلاح وتزکیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے تخلیہ اور تحلیہ کی طرف توجہ فرمائی۔

آپ نے ۲۰ رجمادی الآخر ۱۳۴۷ھ کو حضرت تھانوی کی خدمت میں پہلا مکتوب ان الفاظ میں تحریر کیا "احقر کا ارادہ حضرت اقدس کے سلسلہ میں داخل ہوکر ذکر واذکار کرنے کا حسب تجویز اقدس ہے لہٰذا گذارش ہے کہ بندہ کے مناسب حال جو حضرت تجویز فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اہتمام کے ساتھ عمل کروں گا۔ حضرت حکیم الامت نے اس تعلق کو منظور فرمایا اور آپ کے علمی مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کمال تواضع سے تحریر فرمایا۔ "گو میں حضرات اہل کمال کی خدمت کی اہلیت نہیں رکھتا لیکن تاہم خدمت سے عذر نہیں"

تھانہ بھون میں پہلی حاضری

حضرت حکیم الامتؒ تھانوی سے اصلاحی تعلق قائم ہونے کے بعد سب سے پہلے جب آپ نے تھانہ بھون حاضر ہونے کی درخواست کی تو حضرت حکیم الامت نے اجازت دیتے ہوئے یہ مصرعہ جواب میں تحریر فرمایا۔

کرم نما وفرود آکہ خانہ خانہ تست

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ کو آپ سے کیسا انس وتعلق تھا۔ آپ کا حضرت مولانا سے تعلق عجیب تھا جب آپ نے سلسلہ میں داخل ہونے کی درخواست کی اور اصلاح وتربیت کا آغاز ہوا تو آپ کو نہ کسی دوسرے خلیفہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا اور نہ تعداد مکاتیب کی قید رکھی اور آپ

نے بھی اس راہ میں اپنی دانائی و فراست کا وہ ثبوت دیا کہ حکیم الامت کی نگاہوں میں خاص مقام پا گئے اور آپ کی تربیت باطنی کی مراسلت بطور معیار نمونہ مکاتیب عبادۃ الرحمٰن کے زیر عنوان اشرف السوانح کا جزء خود حضرت حکیم الاُمّت کے ایماء سے بنا دی گئی۔ آپ کی اس باضابطہ تربیت اور کمال عقیدت اور کمال عبدیت و فنا کا نتیجہ تھا کہ ابھی تربیتی تعلق کے دو سال بھی پورے نہ ہونے پائے تھے اور ابھی اصلاحی مکاتیب کا سلسلہ جاری تھا کہ خلافت اور پھر بیعت سے نوازے گئے۔

تبدیلی احوال

حضرت حکیم الامت سے تعلق کے بعد آپ کی طبیعت یکسر تبدیل ہو گئی۔ لیل و نہار کے نظام الاوقات میں انقلاب آگیا۔ معمولات میں فرق محسوس ہونے لگا۔ پہلے زیادہ تر وقت مطالعہ کتب میں خرچ ہوتا اب ذکر اللہ اور تدبر و تفکر میں بیشتر وقت صرف ہوتا۔ اگرچہ آپکی پوری زندگی دین داری اور پرہیزگاری میں گذری تھی لیکن بادہ طریقت سے سرشار ہونے کے بعد آپ کی دین داری میں تقویٰ و تورع کا اور بھی زیادہ گہرا رنگ پیدا ہو گیا۔ ذکر جلی و خفی کا دَور دَورہ زیادہ ہونے لگا۔ طبیعت میں خاموشی پہلے سے تھی مگر اب سراپا سکوت بن گئے۔ خلوت بہ نسبت جلوت پہلے کے اب زیادہ محبوب ہو گئی۔

آپ نے جس رفتار اور جس ترتیب و اخلاص سے سلوک کے منازل طے کئے اور جس قدر سرعت سے مراتب عالیہ پر فائز ہوئے تاریخ تصوف و سلوک میں اس کی مثال کم ملے گی۔ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں "مولانا عبد الرحمٰن کاملپوریؒ نے بہت اچھی طرح باقاعدگی سے سلوک کی منازل کو طے کیا ہے"

آپ نے جو گران قدر مکاتیب حضرت حکیم الامت کی خدمت میں لکھے وہ اپنے سوالات و مندرجات کے اعتبار سے اس قدر رفیع تھے کہ خود حضرت حکیم الامت نے ان کے جوابات کو الہامی فرمایا۔ مولانا ظہور الحسن فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی نے ایک بار فرمایا "مولانا عبد الرحمٰن کاملپوری کے مکاتیب محفوظ کر لئے جائیں کیونکہ انہوں نے مجھ سے ایسے سوالات کئے ہیں کہ ان کے جوابات

میرے قلب پر من جانب اللہ القار ہوئے" اس متاعِ گراں مایہ کی قدر دانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اشرف السوانح میں حضرت حکیم الامت کے مکاتیب اصلاحیہ کا نمونہ جزو سوانح بنانے کا موقع آیا تو خواجہ صاحب نے حضرت حکیم الامت کے ایماء سے آپ کے مکاتیب کو من وعن شامل کیا۔

خلافت سے سرفرازی

بیعت کے بعد خلافت مل جانا کوئی بڑی بات نہیں اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے مگر بیعت سے قبل خلافت سے سرفراز ہونا واقعی کمال عبدیت اور راہ معرفت سے واقفیت کی دلیل اور طریقت و سلوک میں ایک نادر مثال ہے۔ حضرت حکیم الامت کے خلفاء میں صرف آپ کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کو بیعت سے قبل ہی خلافت سے نوازا گیا۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی جانب سے مندرجہ ذیل خط تحریر کیا گیا ہے۔

"مشفقی مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم۔ بے ساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو مع دوسرے بعض احباب کے بیعت و تلقین کی اجازت دوں پس توکلاً علی اللہ تعالیٰ اس وارد پر عمل کرنے کے لئے آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔ اگر کوئی طالب حق آپ سے اس کی درخواست کرے تو قبول فرمالیں اس سے متعلم کے ساتھ معلم کو بھی نفع ہوتا ہے مَیں بھی دعا کرتا ہوں اور اپنے خاص محبین پر اسکو ظاہر بھی فرما دیجئے۔ بنظرِ احتیاط بیرنگ لفافہ بھیجتا ہوں" والسلام بندہ اشرف علی از تھانہ بھون۔ حضرت حکیم الامت کو جو اعتماد حضرت مولانا صاحب پر تھا اس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ "مولانا کامل پوری نہیں کامل پورے ہیں۔"

شیخ سے عشق

آپ کو اپنے شیخ سے انتہائی محبت تھی مگر عشق و محبت کے ساتھ ہوش اور حزم و احتیاط کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ مولانا محمود یوسف صاحب تحریر فرماتے ہیں "جب حکیم الامت کا انتقال ہو گیا اور مَیں تھانہ بھون حاضر ہونے کے لئے سہارن پور پہنچا حضرت استاذ اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے اچھی طرح اس بات کا احساس تھا کہ حضرت استاذ کی طبیعت پر کافی اثر ہے۔ تھانہ بھون سے

واپسی پر حضرت قدس سرہ کی ایک کرامت جس کو بعض حاضرین نے عین وفات کے وقت مشاہدہ کیا تھا بطور تذکرہ حضرت استاذ کے سامنے بیان کیا تو فرمانے لگے کہ شیخ اس کا چرچا مت کرو ہم لوگ تو حضرت اقدس کے بارے میں اس سے بھی زیادہ عقیدت مند ہیں مگر خواہ مخواہ نکتہ چین لوگ اس پر تبصرہ کریں گے جس کو سن کر کوفت ہوگی"

تقسیم کے بعد قیام پاکستان

۱۹۴۷ء میں آپ بہبودی تشریف لائے اور وہاں سے مدرسہ خیر المدارس ملتان تشریف لے گئے جہاں تین سال قیام کے دوران ۸۰ طلبا آپ سے علوم حدیث کی سند حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے ۱۹۴۹ء میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کی طرف سے شیخ الفقہ کے عہدہ پر آپکو دعوت دی گئی مگر آپ نے وہاں جانا منظور نہیں فرمایا شوال ۱۳۶۹ھ سے شعبان ۱۳۷۲ھ تک دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں تین سال قیام فرمایا۔ بعد میں وطن واپس تشریف لے گئے۔

۲۱ دسمبر ۱۹۶۵ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی

(تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تجلیات رحمانی۔ سعید الرحمٰن۔ راولپنڈی)

مولانا مفتی واحد بخش

مجاز بیعت

آپ کی تاریخ پیدائش ۱۹ مئی ۱۸۹۰ء ہے۔ آپ کا نسبی تعلق ایک سفید پوش خاندان سے ہے۔ والد کا نام محمد عیسیٰ تھا۔ بچپن میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بڑے بھائی نے تربیت اور پرورش کی ذمہ داری سنبھالی۔ وہ ایک نیک دل اور خوش اطوار انسان تھے۔ کلام مجید کے حافظ تھے۔

مولانا نے کلام مجید ناظرہ اور فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ بعد ازاں علماء کی سنت قدیمہ کے مطابق تلاش علم میں کئی جگہ پہنچے۔ ریاست بہاولپور کے بعض معروف مدارس میں داخل ہوئے۔ پھر امروہہ مراد آباد پہنچ کر مدرسہ اسلامیہ میں داخلہ لیا۔ ذوق طلب نے انہیں اب بھی چین نہ لینے دیا۔ امروہہ سے سند لے کر آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الہند ابھی حیات تھے۔ ان سے بخاری اور ترمذی شریف پڑھیں۔ حضرت مولانا انور شاہ سے مسلم شریف اور مولانا حسین احمد مدنی سے طحاوی شریف پڑھیں۔ فنون کی بعض کتابیں بھی وہاں پڑھیں

تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے کچھ عرصہ نگینہ (بھارت) میں تدریسی خدمات سر انجام دیں پھر برادر بزرگ اور خویش و اقارب کے اصرار پر اپنے وطن واپس آگئے۔ گھر کے قریب خیر پور ٹامے والی کا قصبہ اپنی دینی درس گاہ کی وجہ سے بڑی شہرت کا مالک تھا۔ آپ نے اسی درسگاہ میں علوم دینیہ پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا۔

۱۹۲۵ء میں آپ کا تبادلہ احمد پور شرقیہ میں ہوا۔ آپ ۳۲ سال تک بحیثیت سرکاری ملازم

درس وتدریس کی زریں خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد ریٹائر ہوجانے کے باوجود بھی سات آٹھ سال تک محض جستہ للہ کام کرتے رہے۔ اس درسگاہ کی کامیابی کے لئے آپ کا نام ہی کافی ضمانت تھا۔

کچھ تو گھریلو تربیت اور کچھ اس زمانہ کے اساتذہ کی عام سیرت کا اثر تھا کہ مولانا مرحوم عہدِ طفولیت ہی سے نیکی کی طرف مائل تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں ایک کنواں آگیا۔ اسے دیکھ کر فرمایا۔ یہ کنواں بہت پرانا ہے۔ مَیں طالب علمی کے زمانہ میں کچھ عرصہ کے لئے یہاں (احمد پور شرقیہ) میں آیا تھا۔ ایک دفعہ رات کو نہانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تہجد کی عادت مجھے اس وقت پڑ چکی تھی تو نہانے کے لئے مجھے دور سے چل کر اس کنویں تک آنا پڑا۔

نوعمری میں آپ نے علاقہ جلال پور پیروالہ کے رہنے والے ایک مجذوب بزرگ سے بیعت کا تعلق قائم کرلیا تھا۔ ان کا اسم گرامی فقیر اللہ ڈوایا تھا۔ آپ ان کا ذکر نہایت عقیدت سے فرمایا کرتے تھے۔ امروہہ اور دیوبند میں قیام کے دوران یگانہ روزگار شیخ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں آمدورفت رہی۔ یہ معلوم نہیں کہ حضرت سے بیعت کا تعلق کب ہوا البتہ اتنا ارشاد فرماتے تھے کہ "میں نے پہلے شیخ حضرت فقیر صاحب کی وفات کے بعد اصلاح قلب کے لئے نظر دوڑائی تو نگاہِ تجسس حضرت اقدس تھانویؒ پر مرکوز ہوکر رہ گئی۔ سرکاری ملازمت کی وجہ سے حضرت والا کی خدمت میں حاضری کے لئے سب سے بہترین موقعہ گرمیوں کی چھٹیاں یا دسمبر کی تعطیلات میں مِلتا تھا۔ ریاست بہاول پور میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مدارس میں چھٹی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی یہ ایام بھی مرشد کے حضور گذارتے تھے۔ حضرت حکیم الامت سے زبانی اور زیادہ تر تحریری عرض احوال کا سلسلہ جاری رہا۔

معمولات اور عام عادات

مولانا کے مزاج میں بے حد سادگی تھی۔ ان کے ہر کام سے بے نفسی اور فروتنی نظر آتی تھی۔

"مخذومیت" کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ سفر میں ایک سے زیادہ آدمیوں کو رفیق نہیں بناتے تھے۔ ایک دینی درس گاہ کے صدر مدرس، شہر کے خطیب اور علاقہ کے مفتی ہونے کے باوجود گھر کے عام کام کاج خود سرانجام دیتے تھے۔ ریا و نمود سے بہت ہی اجتناب فرماتے۔ ابتدا میں ہاتھ میں تسبیح لے کر چلنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے لیکن بعد میں اس کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ درس میں یا مجلس میں عالمانہ نکات بیان کرنے سے بہت گریز فرماتے۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ جوانی میں بزرگوں سے سنے ہوئے نکات بیان کرنے پر طبیعت بڑی خوش ہوتی تھی لیکن وہ میری نادانی تھی۔ تدریس اور گھریلو حوائج سے جو وقت بچتا تھا، تلاوت قرآن کریم اور تسبیح خوانی میں بسر ہوتا تھا۔ نوافل التزام سے پڑھتے تھے۔ مغرب کے بعد بیس رکعت کا معمول تھا۔

قرآن مجید روزانہ ایک منزل پڑھتے۔ اتباع شریعت اور حرص فی الدین ان کے ہر عمل سے جھلکتی تھی۔ ایک دفعہ ایک مسجد کے لئے چندہ کی رقم دیتے ہوئے فرمایا: "یہ رقم چونے اور سیمنٹ کی بجائے اینٹوں میں خرچ کی جائے" اپنے ایک صاحبزادے کی شادی کے موقعہ پر فرمایا۔ ولیمہ کی دعوت میں جتنی رقم خرچ ہو جائے میں دینے کو تیار ہوں کیونکہ ولیمہ کرنا سنّت ہے اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اَولم ولو بشاۃٍ کو بعض شراح حدیث نے جانب کثرت پر محمول کیا ہے دوسرے خرافات پر میری رقم ضائع نہ ہو۔ عشاء کی نماز کے بعد زیادہ نہیں جاگتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا: سب سے قوی رشتہ وہ ہے جس کی بنیاد اللہ کا دین ہو جو تعلق اس کے بغیر ہوگا وہ وبال ثابت ہو سکتا ہے۔ فرمایا: انسان کو صرف دشمنوں ہی سے بچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ احباب کی کثرت بھی تضیع اوقات اور غفلت عن اللہ کا موجب بنتی ہے۔ خورد و نوش اور قبول ہدایا میں تقویٰ اور احباب کی دلجوئی دونوں چیزوں کا خیال فرماتے۔ عام طور پر جن باغات کا ثمر قبل از وقت فروخت ہو جاتا۔ ان کا پھل ہرگز نہ لیتے۔

جس معاملہ میں ایک طرف لوگوں کی خوشنودی ہوتی اور دوسری طرف اتباع شریعت، مولانا کامل عزیمت کا مظاہرہ فرماتے۔ مسئلہ رویت ہلال کے بارہ میں بارہا انہوں نے حکومت

وقت کے فیصلوں کو ٹھکرا دیا۔ مولانا کی طبیعت نہایت معتدل تھی لیکن اس کے باوجود بعض اوقات مبتدعین اس حد تک مخالف ہو گئے کہ احباب اور خدام کو آپ کی جان تک کے بارے میں خطرہ لاحق ہو گیا۔ تاہم انہوں نے شریعت کے مقابلہ میں تیر کاہ کے برابر بھی کسی انسان کو وقعت نہ دی۔ مصائب کے وقت مولانا کی ذات پیکر رضا و تسلیم نظر آتی تھی۔ بڑی صاحبزادی ایک حادثہ کا شکار ہو کر فوت ہوئی۔ آپ نے نہایت صبر و تحمل سے کام لیا۔ ایک دفعہ صاحبزادہ حافظ عبدالقادر دور سفر پر گئے۔ کئی روز تک جب خیریت کی کوئی اطلاع نہ آئی تو گھر میں پریشانی ہوئی۔ جب مولانا کے سامنے ذکر آیا تو فرمایا "بس اللہ کے سپرد ہے اگر زندگی ہے تو واپس آجائے گا۔ ورنہ تو رضینا بقضاء اللہ۔

آپ میں ترفع و تعلی کا کوئی نشان نہیں تھا۔ عام لوگوں سے گھل مل کر رہتے ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے۔ غریب سے غریب آدمی کی دعوت میں تشریف لے جاتے۔ جنازے میں شرکت کے لئے جو بھی بلانے آجاتا تشریف لے جاتے۔ دوستوں اور واقف کاروں کے حالات دریافت کرتے۔ ان کی دل جوئی اور عنایت فرماتے۔

اپنے شیخ حضرت تھانوی قدس کو جو خطوط لکھے وہ ملاحظہ ہوں۔

احمد پور شرقیہ کے ڈاک خانہ کی تاریخ	مکتوب گرامی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ بنام مفتی واحد بخش صاحب	کیفیت
۸ ۶/۳۶	السلام علیکم۔ خوف و فکر والے کی نعمت سلب نہیں ہوا کرتی	
۳ ۱۲/۳۴	السلام علیکم۔ میرے نزدیک اپنا شغل تلاوت و ذکر انفع ہے۔ کوئی وقت تو خلوت کا ہونا چاہیئے	
۷ ۲۱/۳۵	السلام علیکم۔ سب احوال باعتبار خاص خاص مناشی کے	غالباً مولانا نے اپنے

	محمود ہیں یہ سب احوال ہیں جو نہ مقصود ہیں نہ کمالات اللہ تعالیٰ مقام راسخ و تشبہ بالنبیؐ نصیب فرمادیں۔	مکتوب میں اپنے قلبی کوائف اور واردات کا ذکر کیا ہوگا جس کے جواب میں حضرت کا یہ مکتوب ہے۔
۱۰ ۱۰/۴۷	السلام علیکم: بالکل حقیقت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ انسان نفس کے قبضہ میں نہیں بلکہ نفس انسان کے قبضہ میں ہے۔ باقی اس جہل و ضعف کا کوئی علاج نہیں کہ غلط اعتقاد کر کے ہمت ہار دے۔	غالباً مولانا نے اپنے مکتوب میں نفس کی امارگی اور اس کے مقابلہ میں انسان کی بے بسی کا ذکر کیا ہوگا
۱۲ ۱۰/۴۲	السلام علیکم۔ خشیت کی بھی ایک حد ہے۔ جب یاس تک پہنچنے لگے آیاتِ رحمت کا استحضار اور تکرار ضروری ہے۔	غالباً مولانا نے اپنے مکتوب میں غلبۂ خشیت کا ذکر کیا ہوگا۔

واحد بخش پنجابی

بخدمت پیر و مرشد ھادینا الی سواء الطریق حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب

ادام اللہ فیوضکم علینا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ غلام تا دمِ تحریر بخیریت ہے۔ حضرتِ والا کو اللہ تعالیٰ عافیت دارین عطا فرمائے۔

معمول روزہ ۶ ہزار اسم ذات و منزل قرآن شریف و معمول شب ۱۲ تسبیح۔

کیفیت ۔ بحمد اللہ غلام کام میں مشغول ہے ۔ چند دن ہوئے نماز فرضیہ میں ایک خاص توجہ و حضور ہوتا ہے جو پہلے ایسا حضور نہ ہوتا تھا اور دل چاہتا ہے کہ سر سجدہ میں پڑا رہے مگر مقتدیوں کی رعایت سے سر اٹھاتا ہوں دعا فرمانا کہ اللہ تعالےٰ اس نالائق کو اچھے ٹھکانہ لگائے ۔ آمین ۔

راقم الحروف واحد بخش پنجابی

از طرف واحد بخش پنجابی

حضرت پیر و مرشد ملجائے و ماورائے دامت فیوضکم علیہا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ؛ ۔ غلام کو اس حاضری میں جو حال وارد ہوا ہے ۔ اس کو عرض کرتا ہے وہ یہ ہے کہ عرصہ دو تین ماہ سے کبھی کبھار سکون وعدم تشویش حاصل ہو جاتی ہے مگر اس حاضری میں نفس کی کشاکشی و تشویش اکثر جاتی رہی ہے اور اکثر اوقات سکون رہتا ہے ۔ مبارک ہو اس سکون کی برکت سے ایک مجلس میں ذکر اللہ چوبیس ہزار و نزول قرآن و مناجات ہو جاتی ہے اور کوئی گرانی نہیں ہوتی بلکہ اطمینان زائد ہوتا ہے ۔ اسلام کا نعمت عظمیٰ ہونا ایسا منکشف ہوا ہے کہ ایسی نعمت دنیا و آخرت میں اس سے بڑھ کر نہیں معلوم ہوتی اور اس پر شکر کیا کرتا ہوں ۔ اگر یہ نعمت نہ ہو تو کوئی نعمت نعمت ہی نہیں اور طاعت بسہولت ہونے لگی ہے اور معاصی سے بحمد اللہ اجتناب قریب قریب طبعی ہو چلا ہے ۔ اللھم زد فزد ۔ یہ سب کچھ حضرت والا کی دعا وعنایت کا اثر ہے ۔ ورنہ یہ نالائق سر تا پا غرق معاصی کو یہ دولت کہاں نصیب ۔ اللہ تعالیٰ حضورِ والا کو وہ دولت عطا فرمائے جو وہم وخیال سے بھی بالا ہو ۔ اور نالائق کا ہر بال حضرت والا کے لئے دعا کرتا ہے ۔ نیز حضرت والا سے محبت بڑھتی ، روزانہ بڑھتی جاتی ہے ۔ حضرت والا کو ہم بعافیت دارین رکھے ۔

نیز عرض ہے کہ انکسار و عجز اپنا روزانہ بڑھتا جاتا ہے اور حقیقت نفس کی نقص در نقص ہوتی جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ عافیت دارین سے تکمیل فرما دے چونکہ یہ نالائق قاصر ہے ۔ حضرت والا دعا فرما دیں کہ اللہ تعالےٰ استقامت و تکمیل نصیب فرمائے ۔ آمین ۔

مولانا عبدالودودؒ

مجاز بیعت

آپ کے والد کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ ۱۸۹۰ء میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپ اخوند پنجو کی اولاد میں تھے جو صوبہ سرحد میں بہت مشہور و معروف بزرگ گزرے ہیں۔ آپ اپنے والدین کے اکلوتے بچے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی بعد میں شہباز گڑھ میں جید علماء سے مستفید ہوئے پھر مذہبی تعلیم کی تکمیل اور اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے مدرسہ اشاعت العلوم بانس بریلی میں داخلہ لیا۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد دیوبند تشریف لے گئے۔

حضرت تھانوی سے باطنی تعلق قائم کیا اور گیارہ سال تک تھانہ بھون میں مقیم رہے گیارہ سال کے بعد آپ کو خلافت عطا ہوئی۔ بعد میں اپنے گاؤں تشریف لے گئے اور وہاں قاضی اور مفتی مقرر کئے گئے۔ دو مرتبہ مکہ مکرمہ کی زیارت اور حج کا شرف حاصل کیا۔

آپ بالکل سیدھے سادے انسان تھے۔ انانیت اور دنیاداری سے بالکل ناآشنا تھے دین کو ہر وقت دنیا کے مفاد پر مقدم رکھا کرتے تھے۔ حقوق العباد میں بہت محتاط تھے۔ معمولات کے سخت پابند تھے۔

ایک مرتبہ آپ تھانہ بھون سے اپنے گاؤں تشریف لے جا رہے تھے کہ رات کے وقت چور سارا سامان لے گئے مگر آپ کے چہرہ پر ذرہ بھر بھی تغیر پیدا نہ ہوا۔ بالکل ہشاش بشاش نظر آتے تھے۔ رات کو مولانا عبدالسلام صاحب (مجاز بیعت حضرت تھانویؒ) کے پاس ٹھہرے

اور انہیں یہ واقعہ سنایا۔ انہوں نے واقعہ سن کر کچھ رقم دینا چاہی تو فرمایا کہ یہ رقم تو بہت زیادہ ہے صرف اتنی رقم درکار ہے کہ گاؤں تک پہنچ جاؤں۔

رمضان المبارک میں آپ لوگوں کے افطار کے لئے شربت وغیرہ کا انتظام کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شربت کا کچھ بندوبست نہیں ہوسکا۔ رقم بھی پاس نہیں تھی۔ گڑ اور چینی بھی نہیں تھی کہ جس سے روزہ افطار کرنے کا انتظام ہوسکتا ہو۔ ایک طالب علم سے کہا کہ بھائی مجھے صرف ۲۰ روپے چاہئیں کیونکہ رمضان المبارک ختم ہونے میں صرف چند دن باقی ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ڈاکیہ منی آرڈر لے کر حاضر خدمت ہوا اور کہا کہ مبلغ ۲۰ روپے کا منی آرڈر حضرت نے تھانہ بھون سے بھیجا ہے۔ جولائی ۱۹۳۰ئ میں آپ نے قاضی نورالرحمٰن کو جو خط تحریر فرمایا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے شیخ سے کس قدر محبت تھی۔ تحریر فرمایا۔

از جانب عبدالودود السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

عرض یہ ہے کہ بندہ بخیریت آگیا لیکن حضرت مولانا کی طبیعت علیل ہے۔ دن بھر اور رات بھر گھر میں رہتے ہیں فقط ظہر کے وقت ڈولی میں بیٹھ کر خانقاہ شریف تشریف لاتے ہیں۔ بعد ازاں عصر کے وقت تشریف لے جاتے ہیں۔ دعا فرمایا جاوے کہ حضرت کو کامل صحت ہو اور ہم سب کو حضرت کے فیوضات سے اللہ تعالیٰ مالامال فرمائے۔ احقر کو بھی دعا کی سخت ضرورت ہے کیونکہ حضرت مولانا کی نظافت بے حد بڑھ گئی ہے ایسا نہ ہو کہ بندہ سے چونکہ کج فہم ہوں ناراض ہوجاویں سب لوگ حضرت کی بیماری پر مغموم ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاجو عبدالودود

اپریل ۱۹۵۲ئ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

حکیم محمد مصطفیٰ بجنوریؒ

مجازِ بیعت

آپ کے والد ماجد مردان علی صاحب بڑے عہدے دار اور خطاب یافتہ کارگذار اور اس کے ساتھ ہی نہایت دیندار بھی تھے۔ اپنے سب صاجزادوں کو بجائے انگریزی کے عربی کی تعلیم دلائی۔ جناب حکیم صاحب کی استعداد علمی بہت اعلیٰ پایہ کی تھی۔ حضرت والا کے مواعظ کو تقریر کی روانی کے وقت بھی بلا تکلف قلم برداشتہ عربی عبارت میں ضبط کرتے جاتے تھے کیونکہ عربی الفاظ جامع اور مختصر ہوتے ہیں۔ پھر بعد میں اس کی اردو کرتے تھے۔ آپ نے مناجات مقبول کا ایسا نفیس اور معنی خیز اردو ترجمہ کیا ہے کہ حضرت تھانوی اس کی اکثر تعریف فرماتے تھے کہ اول خود اپنے ذہن میں اس کے کسی فقرہ کا ترجمہ سوچا۔ پھر حکیم صاحب کے ترجمہ سے ملایا تو ہمیشہ حکیم صاحب کے ترجمہ کو بڑھا ہوا پایا۔

سب سے پہلے حضرت تھانوی کے مواعظ کو آپ ہی نے قلمبند کرنا شروع کیا تھا جو امت مرحومہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ثابت ہوا۔ آپ نے حضرت تھانویؒ کی مشہور تصنیف الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدۃ کی جو نو تعلیم یافتہ حضرات کے شبہات کے رد میں لاجواب کتاب ہے، ایک نہایت نفیس شرح بھی تحریر فرمائی جس سے آپ کی قابلیت اور علوم عقلیہ میں مہارت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ آپ نے حضرت والا کے رسالہ "شوق وطن" کی بھی تسہیل فرمائی ہے آپ فن طب کے بھی ماہر تھے اور میرٹھ کے ایک مشہور

حاذقِ طبیب تھے، اور بہت سے نافع اور عجیب وغریب مرکبات کے موجد تھے۔ آپ نہایت لطیف الطبع اور ذکی الحس تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات کسی کے نقش تحریر ہی سے اخلاق اور مزاج کی کیفیت معلوم کر لیتے تھے اور فاسق ومتقی کے قاروروں میں فرق کر لیتے تھے بہشتی زیور کے حصہ نہم میں اور بہشتی گوہر میں سب اصناف امراض کے متعلق اپنے خاص خاص مجربات بے دریغ تحریر فرما کر اور نہایت مفید معالجات وتدابیر طبیہ درج فرمائی۔ آپ اس کے علاوہ معلوماتِ اشرفیہ"۔ "مجالس الحکمت"، "امثالِ عبرت" وغیرہ کے بھی مصنف ہیں۔

حضرت والا کے ارشد خلفاء میں سے تھے۔ آپ کو تقویٰ کا بہت ہی اہتمام تھا، اور دقیق دقیق شوائب نفس پر نظر رہتی تھی۔ صدق وخلوص آپ کا شعار اور عبدیت وانکسار آپ کا حال تھا۔ سفر حج میں موٹر چلانے والے نماز کے وقت جب کسی طرح موٹر روکنے پر راضی نہ ہوئے تو حکیم صاحب چلتی موٹر سے کودنے پر تیار ہو گئے لیکن خدا کی شان موٹر میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی اور اسے خود بخود روکنا پڑا۔ آپ کارہائے خیر کے بے حد حریص تھے اور مساکین کا نہایت توجہ کے ساتھ مفت علاج کرتے تھے، نیز اپنے آشنا عازمین حج کو سفر میں کام آنے والی دواؤں اور بعض دیگر کارآمد اشیاء مثلاً سمت قبلہ معلوم کرنے کا نقشہ وغیرہ اکثر ہدیۃً عطا فرماتے تھے، بڑی عمر میں کلام پاک حفظ فرمایا اور حافظوں کو لقمہ دینے میں خاص طور سے ماہر تھے۔ غرض آپ کی ذات والا صفات مجموعۂ کمالات جلیلہ اور مخزن اوصافِ جمیلہ تھی

حکیم صاحب کو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ سے کس قدر عشق اور عقیدت تھی اس کا اندازہ حضرت تھانویؒ کے اس سفر کی روئیداد کے ابتدائی فقروں سے ہوتا ہے جس کو خود حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند کیا۔ انہوں نے تحریر فرمایا "احقر محمد مصطفےٰ بجنوری عرض رسا ہے کہ مدت دراز سے خاکسار کو یہ تمنا تھی کہ کسی موقع پر اپنے پیر ومرشد زبدۃ المحققین مجدد الملۃ والدین حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب مدظلہٗ کے ساتھ طویل سفر کرے تاکہ حضرت والا کے اخلاق ومعاملات ومعاشرت ومعمولات سے استفادہ کر سکے مگر اس آرزو کے پورا ہونے

میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی مانع موجود رہا۔ اتفاقاً ماہ محرم ۱۳۳۵ھ میں بروقت تشریف آوری حضرت والا کے میرٹھ میں احقر نے یہ خواہش ظاہر کی۔ فرمایا بہت قریب ایک سفر گورکھپور ہونے کا ہے اگر چلنا ہے تو یہ موقع ہے اور خرچ سفر تیرا ہمارے ذمہ۔ احقر کو جو خوشی ہوئی بیان نہیں کر سکتا اور باوجود کثرت علائق اور بعض خاص عوائق کے تہیہ کر لیا اور تاریخ ۱۹ صفر ۱۳۳۵ھ کو میرٹھ سے مراد آباد پہنچ کر حضرت کے ہمرکاب ہو گیا۔

جن لوگوں نے حضرت والا کی صحبت اٹھائی ہے یا ایک دفعہ بھی زیارت کی ہے وہ بخوبی اس بات کی تصدیق کریں گے کہ حضرت والا کی ذات بابرکات کو حق تعالیٰ نے سچ مچ حکیم الامت بنایا ہے اور حضرتِ والا کا کوئی فعل و قول بلکہ ادنیٰ حرکات و سکنات بھی حکمت سے خالی نہیں اور شک و شبہ وجود باوجود اس کا مصداق ہے۔

اے قبائے راہنمائی راست بر بالائے تو
علم و حکمت را شرف از گوہر والائے تو

احقر کا ارادہ خود ہی پہلے سے تھا کہ اس سفر کے تمام واقعات و ملفوظات قلم بند کرے اور اس مقصد سے بعض حمیم حضرات مثل خواجہ عزیز الحسن صاحب اور میر معصوم علی صاحب کی فرمائش نے اور بھی موکد کر دیا اور کاغذ و پنسل کافی مقدار میں ہمراہ لے لیا اور تمام سفر میں اسی کے سر رہا کہ حتی الامکان قلم کسی ملفوظ اور واقعہ کو قلمبند کرنے سے نہ چھوڑے۔ اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے ہر وقت کاغذ پنسل پاس رہتا۔ افسوس ہے کہ قلم زبان کا پورا ساتھ نہیں دے سکتا ورنہ ایک لفظ بھی حضرت والا کا ضائع نہ جانے دیتا۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا " حکیم محمد مصطفےٰ امیرٹھی کہتے ہیں کہ میں قارورہ دیکھنے سے مومن و کافر، فاسق اور متقی میں امتیاز کر لیتا ہوں۔ نیز نبض سے بے نمازی ہونے کا ادراک ہو جاتا ہے۔ نیز خط کے الفاظ سے کاتب کی حالت کا ادراک ہو جاتا ہے کہ کس حالت میں اس نے خط لکھا ہے۔

حکیم محمد مصطفےٰ بجنوری صاحب نے ایک مرتبہ خواب دیکھا جو رسالہ "صدق الرویا" سے نقل کیا جاتا ہے۔" بندہ نے ایک خواب ۳ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو یعنی رجب ۱۳۱۹ھ میں جبکہ حضرت مدظلہ کے قیام خانقاہ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ بمقام مراد آباد دیکھا کہ حضرت والا مدظلہ خانقاہ تھانہ بھون میں جنوب کی جانب طلبہ کو درس دے رہے ہیں اور تہجد کا وقت ہے۔ چاندنی کھلی ہوئی ہے۔ عجب سہانا وقت ہے اتنے میں صبح صادق ہوئی طلبہ سبق ختم کرکے نماز کی تیاری کے لئے نکلے ان کے منہ سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ بندہ نے عرض کیا کہ ان حضرات کے واسطے کوئی معجون مقوی کیوں نہ بنائی جائے۔ حضرت والا نے فرمایا۔ ان کے واسطے معجون مشائین بنائی گئی ہے بس میری آنکھ کھل گئی" یہ خواب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو لکھا گیا تو آپ نے یہ جواب لکھا۔

"مشفقہم سلمہم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خواب بہت اچھا ہے۔ یہ خوشبو علم وذکر کی ہے جس میں بندگان خدا یہاں مشغول ہیں۔ مشائین سے مراد سالکین ہیں۔ مشی اور سلوک کے معنی متقارب ہیں۔ آپ نے اپنے کو ان میں شامل دیکھا آپ کے لئے بھی بشارت عظمیٰ ہے" والسلام۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب مدظلہ، تحریر فرماتے ہیں "حکیم صاحب حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے شاگرد بھی تھے، مرید بھی۔ پھر خلافت سے سرفراز ہوئے ان کی علمی قابلیت رسالہ "حل الانتباہات" سے ظاہر ہوئی جو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے مختصر رسالہ انتباہات کی شرح ہے۔ حضرت قدس سرہ کا رسالہ ایک جزو سے زیادہ نہیں مگر حکیم صاحب کا رسالہ کئی سو صفحات سے متجاوز ہے۔ اس رسالہ میں انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے شبہات کا جواب ہے حکیم صاحب اگر طب کا مشغلہ اختیار نہ کرتے۔ درس و تدریس کا شغل اختیار کرتے تو بڑے بڑے علمار کے ہمسر ہوجاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فہم و فراست عطا فرمائی تھی اور اس کے ساتھ تقویٰ کی دولت سے بھی نوازے گئے تھے۔ مکائد نفس پر بڑی گہری نظر تھی۔ تربیت السالک میں آپ کے خطوط کے جوابات حضرت حکیم الامت نے بڑی تفصیل سے دیے ہیں۔ ایک طویل مکتوب کا نام بھی مستقل رسالہ کی صورت میں غالباً اشتغال اہل الاصطفار تجویز فرمایا ہے۔

حضرت قدس سرہٗ نے حکیم صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"حکیم مصطفےٰ افقیہ النفس ہیں۔ مکائدِ نفس پہ بڑی گہری نظر ہے۔"

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے حکیم صاحب کو خاص تعلق تھا۔ حضرت قدس سرہٗ ان کی بڑی عزت و قدر کرتے تھے۔ تمام خلفاء میں غالباً حکیم صاحب ہی کی ذات ایسی ہے جن پر حضرت حکیم الامت کا کبھی عتاب نہیں ہوا۔ حکیم صاحب کو فن طب میں بھی کمال حاصل تھا۔ بہشتی زیور حصہ نہم میں جو طبِ یونانی کے نسخے ہیں وہ حکیم صاحب ہی کے تحریر فرمودہ ہیں اور فرماتے تھے کہ بعض نسخے بے نظیر ہیں۔

حکیم صاحب کو تقویٰ کا خاص اہتمام تھا جب کسی ایسے مریض کے گھر جاتے جس کی آمدنی حرام ہو تو اس سے فیس اس طرح لیتے کہ وہ کسی ہندو سے ان کے سامنے قرض لے اور قرض لے کر حکیم صاحب کو دیدے اور پھر اپنی آمدنی سے ہندو کا قرض ادا کرے۔

مولانا ریاض الحسن باغپتیؒ

مجازِ صُحبت

مولانا ریاض الحسن صاحب کے والد منشی ضیاء الحسن انصاری ریاست باغپت میں مینیجر تھے آپ بچپن ہی سے نحیف الجثہ تھے۔ کھیل کود سے فطرتاً نفرت تھی۔ غالباً سات سال کی عمر میں بائیں ہاتھ اور پاؤں پر فالج کا اثر ہوگیا تھا جس کی وجہ سے چلنے پھرنے اور کام کرنے میں قدرے دِقت ہوتی تھی۔ ۱۴ سال کی عمر میں ان کے والد صاحب نے بغرض تعلیم و تربیت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔ آپ کو بیس پچیس سال تک حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں رہنے کا موقعہ ملا۔

طب کی باقاعدہ سند لکھنؤ سے حاصل کی تھی اور میرٹھ میں حکیم غلام مصطفےٰ صاحب کے معاون کی حیثیت سے بھی کچھ عرصہ طبابت کا کام انجام دیا۔

آپ دین کے احکام پر سختی کے ساتھ عمل پیرا تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی اہلیہ کا پردہ اپنے بھانجوں سے بھی کرایا تھا۔ جن کی عمر اس وقت ۱۴ سال ہی تھی حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے یہاں حقوق العباد کی ادائیگی پر بے حد زور دیا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے حقوق العباد کی ادائیگی پر خاص توجہ دی۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے بھانجے سے فرمایا کہ بھوپال میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے متعلق ایک صاحب رہتے ہیں ان کو تلاش کر کے کہنا کہ میرے پاس آپ کی ایک کتاب جو میں نے مستعار لی تھی وہ گم ہوگئی ہے یا تو آپ اس کی قیمت

سے لے لیں یا وہ کتاب معاف کردیں تاکہ آخرت میں مواخذہ سے بچ سکوں۔ ایک مرتبہ باغپت ریلوے اسٹیشن پر نواب جمشید علی خاں مرحوم سے ان کی ملاقات ہوگئی دونوں اپنے اپنے کام سے ایک ٹرین سے دہلی جارہے تھے۔ نواب صاحب کا ٹکٹ اپر کلاس کا تھا اور مولانا صاحب نے تیسرے درجہ کا ٹکٹ لیا ہوا تھا۔ نواب صاحب نے دیکھ کر کہا کہ "مولانا کہاں کا ارادہ ہے" فرمایا "دہلی جا رہا ہوں" چنانچہ نواب صاحب ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپر کلاس میں سوار ہوگئے اور باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ اسی دوران میں گاڑی چل دی۔ آپ بڑے پریشان ہوئے کہ میں اپر کلاس میں بیٹھ گیا ہوں حالانکہ ٹکٹ تھرڈ کلاس کا ہے۔ نواب صاحب نے ان کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے فرمایا کہ آپ پریشان نہ ہوں ٹکٹ چیکر آئے گا تو آپ کا ٹکٹ بھی اپر کلاس کا کرا لیا جائے گا دوران سفر ٹکٹ چیکر نہیں آیا اور دونوں منزل مقصود پر اتر کر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوگئے لیکن آپ کو یہ خلش ستاتی رہی کہ تھرڈ کلاس کے ٹکٹ سے اپر کلاس میں سفر کیا ہے جس کا آخرت میں مواخذہ ہوگا۔ چنانچہ اس کی تلافی اس طرح کی کہ واپسی پر اپر کلاس کا ٹکٹ خریدا اور تھرڈ کلاس میں بیٹھ کر آئے اور سکونِ قلبی حاصل کیا۔

جامع مسجد باغپت سے ملحق ایک مکان تھا جس کو حضرت مولانا صاحب کے والد نے خرید کر جامع مسجد کے لئے وقف کر دیا تھا اور شرط یہ عائد کی تھی کہ اس میں صرف امام مسجد قیام کرے گا چنانچہ آپ جب تک اس مسجد میں امامت کرتے رہے مکان میں مقیم رہے اور بعض اوقات ایسے بھی آئے کہ جب امامت کے فرائض نہیں رہے تو اس عرصہ میں مکان میں رہنا پسند نہیں فرمایا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ آپ نے باقاعدہ طب کی سند حاصل کی تھی اور آپ کے پاس بعض نایاب اور قلمی نسخے بھی تھے مگر کبھی کسی دوا کا نسخہ فارمولا پوشیدہ اور راز میں نہیں رکھا۔ دریافت کرنے پر نہایت دریا دلی سے پورا نسخہ اور بنانے کی ترکیب اور ضرورت پڑنے پر اپنی خدمات بھی لوجہ اللہ پیش کر دیا کرتے تھے۔ والد صاحب کی ہدایت کے مطابق اس پیشہ کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا اور اگر ضرورت ہوتی کہ خود جا کر مریض کو دیکھا جائے تو آدھی رات کو بھی فوراً چلے جاتے۔

بعض اوقات سواری مہیا نہ ہو سکی اور کسی غریب کو ایک دو میل پر دیکھنے بھی جانا پڑا تو اپنی ذاتی مجبوری کے باوجود پیدل روانہ ہو جاتے اور مریض کو خود جا کر دیکھ آتے اپنے پاس سے بلا معاوضہ دوا دیتے اور اللہ سے تندرستی کی دعائیں کرتے۔

خوددار اس قدر تھے کہ باوجود شدید ضرورت کے اپنے والدین اور حقیقی بھائی کے سامنے بھی اپنی ضرورت اور مسائل کو پیش نہ کرتے۔ اپنے والدین کے سامنے اونچی آواز سے بولنا گناہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنی سوتیلی والدہ سے کچھ کہہ دیا اگرچہ وہ غلطی کے درجے میں نہ تھا لیکن بہت ہی خوشامد کے ساتھ معافی مانگی اور والدہ سے عرض کیا کہ جب تک آپ مجھ کو معاف نہیں کریں گی میری نماز بھی قبول نہیں ہو گی۔

آپ کا لباس نہایت سادہ جو ایک کرتے اور شرعی پاجامہ (جو نصف ساق سے کبھی تجاوز نہ کرتا تھا) اور سر پر ململ کی ٹوپی پر مشتمل تھا چہرے پر بے حد نورانیت اور چمک تھی کبھی کسی معاملہ میں اللہ کے حکم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق مبارک کے خلاف عمل کرنا گوارا نہ تھا۔

۱۹۴۸ء میں مکہ معظمہ ہجرت فرمائی اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ جب آپ نے مکہ معظمہ کا عزم کیا تو راستے میں جہاز طوفانی لہروں میں پھنس گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جہاز بھنور سے نکال کر بخیر و عافیت جدہ پہنچایا جدہ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ تقسیم ہند کے بعد چونکہ بے شمار لوگ ہجرت کر کے سعودی عرب آ گئے ہیں اس لئے حکومت نے مزید داخلے پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اب سخت پریشانی کا عالم تھا ایک ہفتہ تک جہاز کے اندر ہی رہنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور حکومت کی طرف سے خصوصی پرمٹ مل گیا اور ان کو جہاز سے اترنے کی اجازت مل گئی۔ مکہ معظمہ سے جو خطوط آپ نے اپنے رشتہ داروں کو تحریر فرمائے ان میں اس بات کا تذکرہ ہوتا تھا کہ ہم لوگ یہاں کی سرزمین میں دفن ہونے کے ارادے سے آئے ہیں چنانچہ آپ کی یہ تمنا پوری ہوئی اور ۱۹۶۱ء میں پہلے ان کی اہلیہ اور تقریباً دس ماہ بعد خود بھی اللہ تعالیٰ سے جا ملے اور مکہ معظمہ کے مشہور قبرستان جنت المعلیٰ میں دونوں میاں بیوی قریب قریب آرام فرما رہے ہیں۔

مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مجازِ صحبت

پاکستان وہند میں شاید ہی کوئی ایسا خطہ اور گوشہ ہوگا جہاں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا علمی اور روحانی فیض نہ پہنچا ہو جس طرح حضرت والا کی سینکڑوں کتابیں مختلف علوم میں علمی فیض پہنچا رہی ہیں۔ اسی طرح اطراف ملک میں بہت سے خلفاء اور تربیت یافتہ حضرات فیض روحانی پہنچانے میں مصروف ہیں ان سے واسطہ در واسطہ فیض پہنچانے کا سلسلہ تو اس قدر وسیع ہے کہ جس کا شمار ہی مشکل ہے۔ حضرت حکیم الامت کے ان ہی بلاواسطہ تربیت یافتہ اور خاص صحبت یافتہ لوگوں میں سے مولانا مفتی سید عبدالکریم صاحب گمتھلوی بھی تھے۔

وطن

مفتی صاحب کا وطن ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل کا مشہور قصبہ گمتھلہ گڈھو تھا۔ ابتدائی عمر میں قرآن شریف اسی قصبہ میں پڑھا اور کچھ نوشت وخواند اردو بھی اس جگہ حاصل کی اس کے بعد اگرچہ تعلیم وتدریس کے سلسلہ میں باہر ہی عمر گذاری مگر اپنے آبائی وطن سے تعلق ونسبت کو ہمیشہ باقی رکھا۔ اسی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ گمتھلوی لکھا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے قصبہ کے ایک نمبردار غالباً چوہدری نصیب خاں سے وعدہ کر لیا تھا کہ گمتھلہ کی طرف اپنی نسبت کو ہمیشہ باقی رکھوں گا اور تمام عمر اس وعدہ کا ایفا کرتے رہے۔

ولادت

مفتی صاحب کی ولادت باسعادت ۱۵ محرم ۱۳۱۵ھ آپ کی ننھال موضع گنگیڑی ضلع کرنال میں ہوئی۔ موصوف کے ماموں کا نام محمد شریف تھا۔ آپ کی عمر ابھی غالباً چار پانچ سال کی ہوگی کہ آپ کی والدہ کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا تھا۔ حضرت موصوف فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی والدہ کی شکل وصورت یاد نہیں۔ مگر میں ایک مرتبہ ان کے ساتھ اپنی ننہیال گیا تھا تو انہوں نے مجھے فلاں جگہ کھڑا کیا تھا اس کا نقشہ ذہن میں باقی ہے۔ آپ کے والد ماجد جناب حکیم محمد غوث صاحب دہلی کے تعلیم یافتہ علاقہ کے مشہور ترین حکیم تھے۔ فارسی میں بہت ذوق رکھتے تھے اور دہلی کے مشہور نقشبندی خاندان سے بیعت وارادت کا تعلق تھا۔

تحصیل علوم

قرآن شریف اور معمولی لکھنا پڑھنا اپنے قصبہ کے پیرجی محمد اسحٰق صاحب وغیرہ سے سیکھا اور پھر سہارن پور مدرسہ مظاہر العلوم میں آکر شیخ المحدثین مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری شارح ابوداؤد کے ظلِ عاطفت میں علوم دینیہ کی باقاعدہ تحصیل شروع کردی۔ اسی اثنا میں درس نظامی کا کچھ حصہ حضرت حکیم الامت کے زیرِ سایہ خانقاہ امدادیہ میں کئی حضرات مدرسین مولانا انوار الحق امروہوی اور سید احمد حسن صاحب سنبھلی سے پڑھنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور گاہ بہ گاہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مدظلہم سے استفادہ فرماتے رہے۔ خانقاہ امدادیہ میں تعلیم کے ساتھ تربیت کا خاص اہتمام پایا جاتا تھا۔ یہ خانقاہ کی خصوصیت تھی۔ مدرسہ عبدالرب دہلی میں حضرت مولانا عبدالعلی صاحب جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے شاگردوں میں امتیازی شان رکھتے تھے اور دارالعلوم دیوبند کے مدرس رہ چکے تھے اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے اساتذہ میں سے تھے۔ مفتی صاحب نے ان کی خدمت میں رہ کر دوبارہ مسلم شریف اور ترمذی شریف حدیث کی دو کتابوں کو پڑھا تھا۔ حضرت مولانا عبدالعلی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ تعلیم کے بہت ہی حریص تھے حضرت کے ایک حصہ بدن پر فالج کا اثر ہوگیا تھا مگر پھر بھی پڑھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آجکل

طالب علم بہت بے شوق ہو گئے ہیں جمعہ کو پڑھنے نہیں آتے ۔

حضرت موصوف صاحبِ جائیداد تھے ۔ اپنی آمدنی کا زیادہ حصہ مہمان نوازی اور طلبہ پر خرچ فرماتے تھے ۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب دہلی تشریف لے جاتے تو اپنے استاد سے ملاقات کے لئے مدرسہ عبدالرب تشریف لے جاتے تھے اور استاد مکرم کو ہمیشہ تحائف پیش کرتے ۔

طریقۂ تعلیم

حضرت مولانا عبدالعلی صاحب کا طریقہ تعلیم بہت مختصر تھا ۔ ایک مرتبہ طلبا ر نے عرض کیا کہ حضرت تقریر ذرا مفصّل فرمایا کریں ۔ جس طرح دیوبند اساتذہ مفصّل تقریر فرماتے ہیں ۔ اس پر حضرت نے اس روز خوب مفصّل تقریر کی ۔ اگلے دن سبق شروع ہونے سے پہلے ایک طالب علم سے گزشتہ کل کی تقریر دریافت فرمانے لگے مگر تمام تقریر کس کو یاد رہتی ہے کسی نے ایک دو باتیں بتلائیں کسی نے دو چار ۔ اس پر حضرت نے نصیحت فرمائی کہ دیکھو کل مفصّل تقریر ہوئی تو سبق تھوڑا ہوا ایک دو حدیثیں بھی پڑھی گئیں زائد باتیں زیادہ ہوئیں اور پھر وہ یاد بھی نہیں رہتیں ۔ اس طرح سبق بھی تھوڑا ہوتا ہے اور نفع بھی کم ہوتا ہے ۔ کتاب کو سمجھ کر پڑھو اور ایک دو باتیں مختصر طور پر جو ہر روز بتلائی جاتی ہیں وہ مفصّل تحریر کا مغز اور خلاصہ ہوتی ہیں ۔ ان کو یاد رکھو ۔ پھر مفصّل تقریر تم ختم کر لو گے ۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی قلمی سند

انقلاب ۱۹۴۷ء میں جہاں بہت سے علمی اداروں کا ضیاع ہوا وہاں مشرقی پنجاب میں بہت سے قلمی اور علمی نوادرات کا ذخیرہ بھی اس انقلاب کی نذر رہوا ۔ حضرت مفتی صاحب کے قلمی تربیتی خطوط اور حضرت حکیم الامت سے جو خط و کتابت ہوئی وہ بھی وہاں ضائع ہو گئی مگر اتفاق سے حضرت مولانا سہارنپوری کی عطا کردہ سند محفوظ ہے ۔ یہ سند حدیث کی صحاح ستہ موطین کے متعلق حضرت سہارنپوری نے مفتی صاحب کو اس وقت کے مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم مولانا عنایت الٰہی صاحب

سے لکھوا کر دی تھی اور اس پر اپنی مہر لگائی تھی۔ اس پر تاریخ ۶ رجب ۱۳۳۶ھ مرقوم ہے اس کا ایک حصہ درج ذیل ہے۔

اما بعد فقد قراء علی اوائل الصحاح الست و الموطئین لامام دارالهجرة مالک رحمه الله تعالیٰ ومحمد بن الحسن الشیبانی رحمة الله تعالیٰ - اخی فی الدین المولوی السیّد عبدالکریم گمتھلوی و استجازنی علی حسن ظنّه بی کما اجازنی مشائخی الکرام فاجزته بما یجوز لی روایته من المنقول والمعقول الخ:

درسِ حدیث

درسِ نظامی سے فراغت کے بعد حضرت سہارنپوری کے ایما سے حضرت مفتی صاحب موضع اجراوڑ ضلع میرٹھ کے مدرسہ میں مدرس کی حیثیت سے مامور ہوئے۔ کچھ عرصہ مدرسہ کے طلبار اور دوسرے مسلمانوں کو مستفید کرتے رہے۔ اس کے بعد مختلف مدرسوں میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں اپنے پیرو مرشد حضرت تھانوی کے زیر سرپرستی تدریسی تالیفی اور فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دینے لگے۔ حضرت حکیم الامت کو چونکہ مفتی صاحب پر حد درجہ اعتماد اور اطمینان تھا اس لئے بڑے بڑے اہم کاموں کی انجام دہی پر آپ کو مامور کیا جاتا تھا۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی زندگی کا بڑا حصہ جس طرح اپنے مرشد کے زیر سایہ گذرا ہے۔ اسی طرح آپ کے سوانح اور دینی خدمات کے تذکرہ کا بھی زیادہ حصہ حضرت حکیم الامت کے سوانح کے ساتھ منضبط ہو کر شائع اور محفوظ ہو گیا ہے۔ اشرف السوانح کی تالیف کے وقت آپ نے اپنی دینی خدمات کا تذکرہ خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر دیا تھا۔ وہ "مکارم عشرہ" کے عنوان سے "اشرف السوانح" میں شامل ہے۔ ان میں سے بعض اہم خدمات کا تذکرہ اختصار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

پنجاب میں بہنوں اور بیٹیوں کو میراث دلانے کی تحریک

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت کی مجلس میں تذکرہ ہوا کہ پنجاب میں وراثت کا قانون شریعتِ مقدسہ کے خلاف ہے مثلاً بہن اور بیٹی کو حصہ نہیں دیا جاتا۔ حضرت والا نے بڑے اہتمام سے فرمایا کہ وہاں کے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ احقر (مولانا عبدالکریم صاحبؒ) نے عرض کیا کہ مشاہیر علمائے کرام اگر خاص سعی فرمائیں تو ممکن ہے کہ لوگ سمجھ جائیں۔ ارشاد فرمایا جس قدر کوشش ہو سکے اس میں دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ نفعے کی فکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ احقر کو اس ارشاد کے بعد کسی قدر ہمت ہوئی اور وطن جا کر اپنے نواح میں اس ضروری مسئلہ کی اشاعت خاص طور سے شروع ہو گئی اور امرتسر لاہور کے بعض جلسوں میں بھی اسی غرض سے شامل ہوا لیکن افسوس کہ اہل جلسہ نے یہ عذر کر دیا کہ لوگ خلاف کریں گے جلسہ کے ناکام ہونے کا اندیشہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت اقدس راجپورہ (ریاست پٹیالہ) کے قریب والد صاحب کی سسرال تشریف لائے اور دوران قیام اس مسئلہ کا تذکرہ آ گیا تو حضرتِ والا نے والد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس کی اشاعت کے لئے تو اس کی ضرورت ہے کہ پنجاب کا سفر کیا جائے انشاء اللہ تعالیٰ مصارف کا بندوبست ہو جائے گا اور واپس پہنچتے ہی ۳۰ روپیہ کا منی آرڈر والد صاحب کے نام روانہ کر دیا اس پر سفر ضروری ہو گیا اور فکر شروع ہو گئی۔

سفر پنجاب

لاہور اور امرتسر کے سفر سے اس کی بھی سخت ضرورت محسوس ہو چکی تھی کہ مشاہیر علمائے کرام کی تحریرات اس مسئلہ کے متعلق ساتھ ہوں۔ اس لئے سب سے پہلے ایک سوال تقریباً چالیس پچاس جگہ بھیجا گیا۔ اور توکلاً علی اللہ سفر بھی شروع کر دیا۔ سرہند وغیرہ سے ہوتا ہوا لاہور پہنچا اور زیادہ کوشش اس کی رہی کہ اہل علم اور اسلامی انجمنوں کو اس جانب توجہ ہو جائے کیونکہ ان کے ذریعہ اشاعت بہت سہولت سے ہو سکتی ہے۔ اس طویل سفر میں صرف لاہور میں ایک ایسی جماعت ملی جس کے کارکنوں کو کسی قدر اس مسئلہ کا خیال تھا اور تھوڑی بہت جزوی کوشش کا بھی ارادہ تھا مگر لوگوں

کی مخالفت کے سبب کوئی سبیل نظر نہیں آرہی تھی چند روز لاہور میں رہنے کے بعد آگے بڑھنا شروع کیا مگر سوال مذکورہ کے جوجوابات آچکے تھے ان کو چھپوانا بھی ضروری سمجھا گیا۔ اس لئے غالباً وزیرآباد سے واپس آنا پڑا۔

تھانہ بھون میں حاضر ہو کر فتویٰ چھپوایا جس کا عنوان یہ تھا "ظلم پنجاب کے متعلق خدائی وصیت" اس کے بعد ارادہ کیا کہ اس کو ہمراہ لے کر پنجاب کا سفر کیا جاوے لیکن اطرافِ آگرہ سے فتنہ ارتداد کی افسوسناک خبر پہنچی۔ حضرت نے آپ سے فرمایا کہ الاہم فالاہم پر عمل کرنا چاہیئے۔ بسم اللہ کر کے آگرہ اور اس کے نواح میں جاکر تبلیغ کا کام کرو مفتی صاحب تو وہاں چلے گئے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایمائسے مطبوعہ فتویٰ پنجاب کے شہروں اور قصبوں بلکہ بہت سے دیہاتوں میں بذریعہ ڈاک بھیج دیا گیا۔

رسالہ غصب المیراث کی تالیف

ایک رسالہ غصب المیراث بھی چھپوا کر بذریعہ ڈاک ہی تقسیم کیا گیا۔ طباعت اور ڈاک کے تمام مصارف کا اہتمام حضرت تھانوی نے فرمایا۔ اس رسالہ میں سورۂ نسار کے دوسرے رکوع کی تشریح اور تفسیر کے ضمن میں لوگوں کو شرعی طریقہ وراثت کی طرف متوجہ کیا گیا اور پنجاب کے ظالمانہ طریقہ میراث کو بدلنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ رسالہ ایک سفر میں ریل میں بیٹھے بیٹھے چند گھنٹوں میں لکھا گیا تھا۔

علاقہ ارتداد میں تبلیغ کے ساتھ قانونِ وراثت کی طرف بھی حضرت حکیم الامت کو برابر توجہ رہی اس فتویٰ اور رسالہ کے ختم ہونے کے بعد پھر دوبارہ کثیر مقدار میں ان کو چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔

جمعیت العلمار کو توجہ دلانا

جمعیت علمار ہند کو اس طرف توجہ دلانے کے لئے جمعیت کے تین جلسوں میں شرکت کے لئے آپ کو بھیجا گیا دو جلسوں میں تو مختلف وجوہ کی وجہ سے کامیابی نہ ہو سکی مگر تیسری بار کی شرکت اور کوشش پر جلسہ ۱۳۴۳ھ بمقام مرادآباد میں ایک پُر زور تجویز منظور ہو گئی۔

دوبارہ سفرِ پنجاب

جب علاقہ ارتداد میں بقدرِ ضرورت تبلیغ ہوچکی تو حضرتِ والا نے ایک عریضہ کے جواب میں اصل مضمون کے بعد فرمایا: "میرا خیال ہے کہ ان قصّوں کو چھوڑ کر پنجاب کا سفر تحریک عدل فی المیراث کیا جاوے۔" اس وقت سے پھر پنجاب کا سفر کیا گیا اور اس مرتبہ مولانا عبدالمجید صاحب بچھرانوی کو بھی حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کے ہمراہ بھیجا گیا۔ اس سفر میں سہولت بھی رہی اور اثر بھی زیادہ ہوا۔ حق تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام پنجاب اور سرحد وغیرہ کے علاقہ میں بھی خوب اشاعت ہوئی۔ حضرت اقدس کی توجہ اور دعا سے بیحد اثر ہوا اور سفر ختم ہونے سے پہلے ہی لوگوں نے قانون بدلنے کی سعی شروع کردی۔

پاکستان بن جانے کے بعد ۱۹۴۹ء میں جب قانون وراثت کسی قدر شرعی ضابطوں کے مطابق پنجاب میں نافذ ہوا تو آپ خوش ہو کر فرماتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی سعی اور کوششوں کا کسی قدر نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ خدا کی قدرت سے پاکستان میں سب سے پہلے پنجاب ہی میں یہ قانون اسمبلی نے پاس کیا جہاں مفتی صاحب نے اس قانون کے نفاذ کے لئے کوشش کی تھی۔ اس کے بعد پاکستان کے دوسرے علاقوں میں بھی یہ قانون جاری ہوا۔

انسدادِ فتنۂ ارتداد

۱۹۴۱ء میں آگرہ کی طرف سے ارتداد کی خبر پہنچی کہ وہاں آریہ کوشش کر کے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کر رہے ہیں۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے حضرت مفتی صاحب کو وہاں بغرضِ تبلیغ جانے کی اجازت فرمائی۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس کام کے لئے عبدالحمید بچھرانوی مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ اس اختلاف رائے کا فیصلہ مولوی ظفر احمد صاحب کے سپرد ہونا چاہیئے۔ مفتی صاحب نے عرض کیا کہ میرے خیال ناقص کی آپ کے سامنے حقیقت ہی کیا ہے جو فیصلہ کی ضرورت ہے لیکن حضرت نے فرمایا کہ یہی مناسب ہے اس میں برکت ہوگی۔

مولانا ظفر احمد صاحب اس وقت کتب خانہ میں تھے ان کو حضرت نے آواز دی

اور فرمایا کہ میں اس کو سمجھنا چاہتا ہوں اور اس کے خیال میں مولوی عبدالمجید کو بھیجنا مناسب ہے اور ہر دو رایوں کی وجہ بھی بیان کردی۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے فرمایا کہ میرے خیال میں دونوں کو بھیجنا مناسب ہے اس میں ہر دو وجہ کی رعایت بھی ہو جائے گی۔ نیز ایسے موقع پر تنہا سفر بھی دشوار ہے۔ حضرت اقدس نے نہایت بشاشت سے فرمایا کہ بہتر اور مسکرا کر حضرت مفتی صاحب سے فرمایا کہ دونوں جیت گئے۔

حضرت تھانوی نے مناسب نصائح و ہدایت اور مزید دعوات کے بعد حضرت مفتی صاحب اور مولانا عبدالمجید صاحب کو رخصت فرمایا اور ان اطراف میں پورے دو سال تک دونوں حضرات نے نہایت اہتمام کے ساتھ تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔

تبلیغ کے ساتھ تعلق خاطر

اسی دوران آپ کے ایک دوست نے آپ کو حج کے لئے اپنے ہمراہ لے جانا چاہا۔ آپ کو حج کا بے حد اشتیاق تھا۔ خوش ہو کر حضرت اقدس سے اجازت طلب کی۔ ارشاد فرمایا جس کام میں یہاں مشغولیت ہے وہ حج نفل سے مقدم اور افضل ہے اور بڑے جوش کے ساتھ فرمایا کہ مسعود بک نے فرمایا ہے۔

اے قوم بہ حج رفتہ کجائید کجائید
معشوق دریں جاست بیائید بیائید

حضرت والا کے حوصلہ افزا کلمات

تبلیغی سلسلہ میں حضرت والا زبانی ارشادات سے اور خطوط میں بھی نہایت مفید ہدایات فرماتے رہتے تھے نیز دعاؤں کے ساتھ حوصلہ افزائی کے کلمات بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ذیل میں چند والا ناموں کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) السلام علیکم۔ حالات سے بہت کچھ امیدیں ہوئیں اور مجھ کو اس سے پہلے بھی آپ جیسے مخلصوں کا جانا اور پھر مولوی محمد الیاس صاحب کا ساتھ ہو جانا یقین کا مبانی دلاتا ہے۔ علم غیب تو

حق تعالیٰ کو ہے۔ مگر میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ انشاء اللہ سب وفود سے زیادہ نفع آپ صاحبوں سے ہوگا۔ بخدمت مولوی صاحب سلام مسنون"

(۲) آپ کا خط پہنچا۔ کاشف تفصیلِ حالات ہوا۔ بہت کچھ امیدیں بڑھیں میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ انشاء اللہ آپ کی جماعت اس بارے میں جس قدر مفید ہوگی۔ شاید دوسری بڑی بڑی جماعتیں اس درجہ مفید نہ ہوں بناءً علیٰ ماقال الرومی ؎

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود   ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

کان اللہ معکم و من معکم جمعہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ۔ ایک والانامہ میں ایسے ہی مضمون کے بعد تحریر فرمایا ؎

در سفالین کاسہ رنداں بخواری منگرید

کیں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

تقریباً ۱½ سال بعد ایک جماعت نے تمام تبلیغی علاقہ یعنی ۲۹ ضلعوں کا مفصل حال لکھ کر شائع کیا اور اس روئداد میں اس کی تصریح بھی تھی کہ ضلع گڑگانواں کی تحصیل پلول جہاں حضرت مفتی صاحب اور مولانا عبدالمجید صاحب کارِ تبلیغ انجام دیتے تھے اور فتنۂ ارتداد رد کرنے کے لئے اوّل نمبر کامیاب رہے۔ تب معلوم ہوا کہ حضرت تھانوی کی یہ بشارت اور پیشن گوئی خدا کے فضل سے بالکل صحیح ثابت ہوئی۔

اجرائے مکاتب

اس اہتمام تبلیغ کے علاوہ اسی تبلیغی علاقہ میں دینی مکاتب بھی قائم کئے گئے جن کی مالی امداد میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے کافی حصہ لیا۔ حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تقریباً سو مکاتب ایسے ہیں جن کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے جو اس علاقہ تبلیغ میں جاری کیے گئے۔

قیام خانقاہ تھانہ بھون

پنجاب کے سفر سے واپسی کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے حکم سے حضرت مفتی صاحب

خانقاہ تھانہ بھون میں مقیم ہو گئے۔ یوں تو آپ نے تعلیمی زمانہ کا بھی کافی حصہ خانقاہِ امدادیہ میں گذارا تھا مگر درسیات سے فراغت کے بعد تو تقریباً ۲۵ سال تک خانقاہ سے تعلق قائم رہا۔

حیدر آباد سندھ اور ریواڑی میں قیام

اس ۲۵ سال کے عرصہ میں حیدر آباد سندھ میں تقریباً ایک سال تک تعلیمی اور تبلیغی امور انجام دیئے اور کچھ مہینے ریواڑی کے عربی مدرسہ میں مدرس ہو کر قیام فرمایا۔

حیدر آباد کے علاقہ میں ایک مرزائی مبلغ نے مسلمانوں کو بہت پریشان اور تنگ کیا ہوا تھا وہ لوگ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں آئے۔ مفتی صاحب مناظرہ کے لئے تیار ہو گئے۔ راستہ میں موٹر خراب ہو گئی۔ راستہ کچا تھا۔ دیر ہونے سے لوگوں کو پریشانی ہوئی۔ عشار کی نماز کے بعد حضرت مفتی صاحب اس قصبہ میں پہنچے اور پہنچتے ہی نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر مناظرہ گاہ میں مناظرہ شروع کر دیا۔ مناظرہ جامع مسجد کے صحن میں ہو رہا تھا۔

اگلی نشست صبح کو جمعہ سے قبل تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ رات کے مناظرہ سے صبح کا مناظرہ زوردار رہا شائد مفتی صاحب تھکے ہوئے تھے اس لئے رات کے مناظرہ میں مرزائی مناظر کی سخت گرفت نہیں فرمائی تھی۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ رات کے مناظرہ میں اگر یہ طرز اختیار کیا جاتا تو یہ مناظر صبح کو مناظرہ کے لئے نہ آتا اور بھاگ جاتا۔ اب شائد جمعہ کے بعد مناظرہ کے لئے نہ آئے۔ چنانچہ مفتی صاحب کا اندازہ صحیح نکلا اور وہ مناظر نہ آیا۔ چنانچہ وہ لوگ اس کے گھر گئے مگر اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں آتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگ پھر اس کے گھر گئے اور وہ بادلِ نخواستہ مناظرہ گاہ میں آگیا۔ مناظرہ حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں تھا۔ اس نے حمائل شریف کھول کر سورہ نسار کی مشہور آیتیں پڑھنا شروع کیں۔ مفتی صاحب نے جب جوابی تقریر فرمائی تو حواس باختہ ہو کر بھرے مجمع میں کہنے لگا کہ دعا کیجئے اور مناظرہ ختم کیجئے۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ مناظرہ تو اپنے وقت پر ختم ہو گا اگر آپ کو جواب نہیں آتا تو آپ چلے جائیں۔ اس نے اس اجازت کو غنیمت سمجھا اور بڑی ذلت آمیز شکست کے بعد تمام مسلمانوں کی موجودگی میں جلسہ میں سے اُٹھ کر چلا گیا۔ حضرت مفتی صاحب عصر کے وقت تک

وعظ ونصیحت فرماتے رہے۔ حق کی فتح اور باطل کی شکست کا نظارہ سب مسلمانوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا۔

دوسرا مناظرہ

ایک مرتبہ انبالہ سے مرزائیوں نے جلسہ کا اشتہار دیا اور اس میں یہ بھی لکھا کہ جو شخص چاہے جلسہ میں اعتراض کر سکتا ہے۔ یہ اشتہار مرزائیوں نے ہی پہنچایا تھا۔ مفتی صاحب تھانہ بھون سے اپنی سسرال جانے کے لئے راجپورہ تشریف لائے تو لوگوں نے یہ اشتہار دیا۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنا سفر ملتوی کر دیا اور انبالہ جلسۂ مرزائیہ میں پہنچ گئے۔ حضرت مفتی صاحب نے مقرر کی تقریر پر اعتراضات کئے، انہوں نے پہلے جواب دینے کی کوشش کی مگر جب گرفت سخت ہوتی گئی تو آخر میں یہ کہہ کر جلسہ برخواست کر دیا گیا کہ ہم لوگ ملازم پیشہ ہیں صبح کو دفتر میں کام کرنے کے لئے جانا ہے چونکہ رات کا کافی حصہ گزر گیا ہے اب ہم معذرت خواہ ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا بہت اچھا اب جلسہ برخواست کل اسی میدان میں ہم مسلمانوں کی طرف سے جلسہ ہوگا۔ آپ صاحبان کو بھی دعوت ہے۔ ہمارے جلسے میں آئیں اور دل کھول کر اعتراضات کریں اور ہم سے جواب لیں۔ اگلی شب اسی میدان میں جلسہ ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نے ایک تفصیلی تقریر حیات مسیح علیہ السلام پر فرمانے کے بعد فرمایا کہ اب میں صبح تک اسی جگہ ہوں جس کا دل چاہے اعتراض کرے اور جواب لے ہماری طرف سے وقت گزرنے کا عذر نہ ہوگا۔ مرزائیوں میں سے ایک شخص اٹھا اور کچھ اعتراضات کئے مگر حضرت مفتی صاحب نے اس کو اس بری طرح الجھایا کہ وہ بے بس اور عاجز ہو کر رہ گیا اور یہی کہتے بن پڑا کہ اس کا جواب قادیان سے منگوایا جا سکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں آپ کو چھ ماہ کی مہلت دیتا ہوں اس کا جواب منگوا دیجئے مگر انھوں نے شکنجہ سے نکلنے کے لئے یہ راستہ اختیار کیا تھا مگر حضرت مفتی صاحب کی اس جرأت سے مرزائیوں کے قلوب پر اتنا رعب چھا گیا تھا کہ وہ انبالہ میں ۳ سال تک جلسۂ عام نہ کر سکے اور پھر تمام عمر کے لئے ان کو ایسا سبق ملا کہ انہوں نے یہ لکھنا ہی چھوڑ دیا کہ ہر شخص جلسہ میں اعتراض کر سکتا ہے۔

ریاست الور میں دینی تعلیم کا اجراء

غالباً ۱۳۴۶ھ یا ۱۳۴۷ھ کا واقعہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کا تعلق مدرسہ معین الاسلام قصبہ نوح ضلع گڑگاواں میں تھا۔ ریاست الور میں دینی تعلیم کو حکماً بند کر دیا گیا تھا۔ تمام چھوٹے بڑے مدارس اور مکاتب یک قلم توڑ دیے گئے تھے۔ اسلامی تعلیم کی کچھ شرائط کے ساتھ صرف اتنی اجازت رہ گئی تھی کہ پاؤ پارہ قرآن مجید، اور مالا بدمنہ اور اردو کی زبانی تعلیم دی جائے اس سے زائد کسی صورت میں اجازت نہ تھی۔ اس خبر وحشت اثر کو سن کر حضرت مفتی صاحب نے حضرت تھانوی کو بتایا اور عرض کی کہ اس بارہ میں کوئی سعی تو ممکن معلوم نہیں ہوتی دعا فرمائیے کہ یہ قانون کسی طرح ٹوٹ جائے۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ کیا قانونی سعی مثلاً گورنمنٹ سے چارہ جوئی بھی ممکن نہیں؟ حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا کہ اس کی پوری تحقیق نہیں، لیکن اگر گنجائش ہوئی بھی تو اس کے مصارف بہت درکار ہوں گے۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ سر دست مصارف کا جو تخمینہ ہوا ہے اس سے اطلاع دو۔ حضرت مفتی صاحب نے تقریباً ایک سو روپیہ کا اندازہ بتلایا۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا انشاء اللہ خیال رکھوں گا کہ یک صد روپیہ پیش کر دوں تو کلاً علی اللہ کام شروع کر دیں۔ حضرت مفتی صاحب نے پہلے تو سخت دشواری کے ساتھ اس ظالمانہ حکم کی نقل حاصل کی، پھر دہلی آ کر وکلاء اور دیگر اہل دانش سے مشورہ کیا تو معاملہ کی مفصل کیفیت معلوم کر کے سب نے بالاتفاق یہ کہا کہ اس کے متعلق اب کوئی صورت ممکن نہیں کیونکہ مسل تبلا رہی ہے کہ خود ریاست کے مسلمانوں کی درخواست پر یہ حکم دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود مفتی صاحب نے ہمت نہیں ہاری اور برابر کوشش کرتے رہے اور حضرت قدس سرہٗ نے تھوڑے ہی عرصہ میں چند منی آرڈروں کے ذریعہ سے سو روپیہ پہنچا دیا۔ حضرت قدس سرہٗ کی اس توجہ کا فوری اثر یہ ہوا کہ بہت جلد کھلی کامیابی اور مکمل فتح نصیب ہوئی۔

تحفظ مکاتب از تعلیم جبریہ

حضرت مفتی صاحب مکاتب کے لئے دوڑ دھوپ کے دوران دہلی آئے ہوئے تھے کہ

اچانک خبر ملی کہ دہلی میں بھی مکاتبِ قرآنیہ کو حکماً توڑنے کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے. چنانچہ اس وقت تک گیارہ مکتب ٹوٹ چکے تھے جن میں تقریباً ۵۰۰ بچے تعلیم حاصل کرتے تھے. حضرت قدس سرہٗ کو سخت صدمہ ہوا اور حفاظتِ مکاتب کی خاطر بہت کچھ دُعا مانگی.

رسالہ جبریہ تعلیم

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے فرمانے پر ایک سوال اس کے متعلق لکھ کر حضرت مفتی صاحب نے حضرت کی خدمت میں پیش کیا. حضرت قدس سرہٗ نے اس کا جواب تحریر فرمایا. بعد ازاں سہارن پور دیوبند اور میرٹھ سے علمائے کرام کے دستخط حاصل کر کے دہلی کے علماء سے بھی تصدیق حاصل کی اور سب مجموعہ چھپوا کر شائع کیا. اس کا بے حد اثر ہوا اور ایک انجمن خادم القرآن قائم ہوئی جس نے اس معاملہ میں بہت کوشش کی. خدا کا شکر ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کی برکت سے خود دہلی میں بہت کامیابی حاصل ہوئی اور اس کے بعد کوئی مکتب ٹوٹ نہ سکا. بلکہ ٹوٹے ہوئے مکتب بھی دوبارہ قائم ہو گئے اور دوسرے مقامات پر بھی دہلی کی کوشش کا بہت اثر ہوا خاص طور پر مراد آباد سہارن پور وغیرہ میں بروقت کافی روک تھام ہوگئی.

آپ نے تحفظِ مکاتب قرآنیہ کے لئے جو سعی وجد وجہد کی اس کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ میری نجات کا ذریعہ بن جائے گی.

تحریک تقرر قضاۃ

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کو اس کا بہت خیال تھا کہ ہندوستان میں بدستور سابق قاضیوں کا تقرر ہوجائے. حضرت قدس سرہٗ نے مختلف صورتوں سے اس کے متعلق سعی فرمائی. حضرت قدس سرہٗ کے اشارہ پر میرٹھ میں ایک انجمن نصب القضاء قائم ہوئی اس نے رسالہ القول الماضی فی نصب القاضی وغیرہ شائع کر کے لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا.

۱۳۴۷ھ میں ایک جلسہ بمقام دہلی منعقد کیا گیا جس میں تمام ممبران اسمبلی اور عمائد شہر دہلی کے علاوہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری اور مولانا محمد علی جوہر نے بھی شرکت کی اور سہارنپور

اور دیوبند سے بھی ممتاز علماء کرام تشریف لائے تھے۔ حضرت قدس سرہٗ نے مولانا مفتی صاحب کو اپنی طرف سے شرکت کے لئے بھیجا۔ اس جلسہ کا زیادہ تر مقصد یہ تھا کہ ممبران اسمبلی کو اس بات کی ضرورت کا احساس دلایا جائے۔ جب حضرت قدس سرہٗ نے آپ کو بھیجنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ وہاں بڑے بڑے مشاہیر کا مجمع ہوگا۔ اس لئے کسی بڑے شخص کو بھیجنا مناسب ہوگا۔ اس پر حضرت قدس سرہٗ نے بڑے جوش سے فرمایا کہ تم بڑوں کے سامنے اپنے کو اسی طرح چھوٹا ہی سمجھتے رہو لیکن جہاں جاؤ گے وہاں سب پر غالب رہو گے۔

عورتوں کی مشکلات کے حل کے لئے "حیلۂ ناجزہ" کی تصنیف

ہندوستان کے اندر شرعی قاضی مقرر نہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کو بعض حالات میں سخت مصائب کا سامنا ہو رہا تھا۔ حضرت قدس سرہٗ نے اس طرف خاص توجہ فرمائی اور چونکہ فقہی شرائط کے مطابق ان مسائل میں ضرورت شدیدہ کی وجہ سے مالکی مسلک کو اختیار کیا گیا تھا۔ مدینہ منورہ کے علمائے کرام سے مکرر سہ مکرر فتاویٰ حاصل کر کے کامل تحقیق کے بعد ان مشکلات کے حل کی نہایت سہل صورتیں تجویز فرمائیں۔ پھر علمائے دیوبند و سہارن پور سے بار بار مراجعت اور استصواب کے بعد ایک رسالہ الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ تصنیف فرمایا۔ اس میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مفتی عبدالکریم صاحب کو برابر شریک رکھا۔ حضرت قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی سہولت اور احتیاط کی غرض سے اپنے خاص اہلِ علم و اہلِ تقویٰ دوستوں کو اس تصنیف میں برابر شریک رکھا جن کا نام بھی اسی رسالہ میں لکھ دیا ہے۔ حضرت قدس سرہٗ کی مساعی جمیلہ نتیجہ خیز ثابت ہوئیں اور ممبران اسمبلی نے ایک مسودۂ قانون "انفساخ نکاح اہل اسلام" کے نام سے اسمبلی میں پیش کر دیا۔

افسوس کہ اس مسودہ میں ضروری قیود و شرائط کو نظر انداز کر دیا گیا۔ حضرت قدس سرہٗ نے اس مسودہ قانون کی کوتاہیاں مفصل تحریر فرما کر اہل علم کے جلسہ میں روانہ فرما دی تھیں اور مزید وضاحت کے لئے حضرت مفتی صاحب کو اس جلسہ میں شرکت کے لئے بھیجا تھا۔ آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع

صاحب سے مل کر اس مسودۂ قانون کی ہر دفعہ کی شرعی ترمیمات تحریر کر کے طبع کرایا اور مسلم ممبرانِ اسمبلی سے ملاقات کر کے ان کو یہ شرعی ترمیمات دیں کہ اس کے مطابق مسودہ میں ترامیم کی جائیں۔ یہ ترامیم مکمل طور پر تو قانون نہ بن سکیں لیکن فی الجملہ عورتوں کے مصائب میں بہت کمی ہوگئی۔

قانون اوقاف

بعض اوقاف میں متولیوں کی گڑبڑ دیکھ کر ایک مسودۂ قانون کونسل میں پیش کیا گیا۔ جب وہ مسودہ رائے عامہ کے لئے شائع ہوا تو حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب مہتمم مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور نے حضرت قدس سرہٗ کو اس کی روک تھام کی طرف توجہ دلائی۔ مفصل صلاح مشورہ کے لئے ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ کو دیوبند اور سہارنپور کے مہتمم صاحبان مع دیگر حضرات کے تھانہ بھون جمع ہوئے صلاح مشورہ کے بعد قرار پایا کہ حضرت قدس سرہٗ کی زیر نگرانی اس مسودہ پر تفصیلی نظر کر کے اس کے نقائص کو ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ترامیم بھی تجویز کر دی جائیں جن کے بعد یہ مسودہ شریعت کے موافق ہو جائے اس کام کے واسطے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی اور حضرت مولانا عبدالکریم گمتھلوی صاحب کو تجویز فرمایا گیا۔

ان تینوں اصحاب نے مل کر ہر ایک چیز میں حضرت قدس سرہ کی رائے حاصل کرنے کے بعد اس مسودۂ قانون پر تبصرہ لکھا۔ ۲۳ ذی الحجہ کو تبصرہ مکمل ہو کر حضرت قدس سرہٗ کے دستخط سے مزین ہوا تو یہ قرار پایا کہ ۲۵ ذی الحجہ کو دیوبند میں اجتماع ہو۔ حضرت مفتی صاحب اور دیگر علماء سہارنپور وہاں پہنچے صبح سے عشاء تک تمام تبصرہ پورے غور و خوض کے بعد بالاتفاق منظور ہو گیا اور ۳۰ علمائے کرام سے دستخط ثبت ہونے کے بعد کونسل میں بھیج دیا گیا۔

مسودہ کے محرک حافظ ہدایت حسین نے ایک خط لکھا کہ اس مسودہ پر مکالمہ کی غرض سے غالباً ۲۲ اپریل ۱۹۳۶ء تھانہ بھون آنا چاہتا ہوں۔ تاریخ مقررہ پر حافظ ہدایت حسین صاحب تشریف لائے ان کے ہمراہ نواب جمشید علی خاں صاحب، حاجی وجیہ الدین صاحب اور حاجی رشید احمد صاحب بھی تھے اور دیوبند سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ حضرت مہتمم صاحب اور سہارن پور سے جناب

ناظم صاحب اور حضرت مولانا محمد ذکریا صاحب مدظلہم تشریف لائے۔ تقریباً ۸ گھنٹے تک مسلسل گفت گو ہوتی رہی۔ حافظ صاحب نے بعض ترامیم کو منظور کرلیا۔ بعض میں کچھ عذر کیا اور بعض کے متعلق غور کرنے کا وعدہ کیا۔

اس کے بعد ۱۱ محرم الحرام کو علمائے کرام کا دیوبند میں دوبارہ اجتماع ہوا۔ اس میں علماء سہارنپور کے علاوہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کو بھی دعوتِ شرکت دی گئی۔ آپ مع مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب کے شریک ہوئے اس جلسہ میں اس مسودہ کے متعلق چند جدید ترامیم بالاتفاق طے ہوئیں اور تبصرہ کے بعد بالاتفاق کونسل کو بھیج دیا گیا۔

المختارات

اس رسالہ میں خیار بلوغ وغیرہ کی صورتوں کے احکام لکھ کر حضرت حکیم الأمت اور دوسرے علماؒ کی تصدیق کے بعد حیلہ ناجزہ کا تتمہ بنا دیا گیا ہے۔

تجدد اللمعہ فی تعدد الجمعہ

مولانا عبد الحق صاحب مدنی نے عدم جواز تعدد جمعہ کے ثابت کرنے کی غرض سے ایک رسالہ بنام القول الجامع عربی زبان میں تالیف کیا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے تھانہ بھون سے اس کا جواب تفصیل کے ساتھ لکھا اور تعدد جمعہ کے جائز ہونے کو مفتی بہ اور جائز قرار دیا۔ اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے بہت عمدہ الفاظ میں تصدیقی کلمات تحریر فرمائے تھے اور حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری نے اس پر تحریر فرمایا تھا: "یہ تحریر خاصی استقرار سے لکھی گئی ہے"۔ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری نے اس پر مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایسے جواب کی بڑے حضرات سے توقع کی جاسکتی تھی۔

القول الرفیع فی الذب عن الشفیع

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کے رسالہ غایات النسب پر جب بعض لوگوں نے شور وغوغا کیا اور بڑے بڑے علامہ بھی اس سے متاثر ہوگئے اور رسالہ کی بعض روایات پر تنقیدات

اخبارات میں شائع ہوئیں تو اس کے جواب میں مفتی صاحب مرحوم نے دو حصّوں میں ایک تحریر لکھی جس میں ایسی تنقیدات کا علمی جائزہ لیا اور درج شدہ عنوان سے اس کو شائع کروایا۔

ایک اصلاح

مذکرہ بالا تحریر میں ایک جگہ اخباری فتویٰ کا لفظ لکھا گیا تھا، حضرت حکیم الامت نے جب اس مسودہ کو ملاحظہ فرمایا تو اس کو کاٹ کر اس کی جگہ "اخبار کا فتویٰ" تحریر فرمادیا۔ اور زبانی ارشاد فرمایا کہ اخباری فتویٰ متبذل لفظ ہے اہلِ علم کو ایسے الفاظ سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

وفاق المجتہدین عن وفاق المجتہدین

ایک عالم نے حیلہ ناجزہ سے متعلق چند سوالات اور اشکالات لکھ کر تھانہ بھون بھیجے تھے۔ مفتی صاحب نے اس رسالہ میں ان سوالات کے جوابات تحریر کئے ہیں اور ان کے اشکالات کو رفع کیا ہے۔ خط و کتابت کے اس مجموعہ کا یہ نام ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے اس پر تصدیق تحریر فرمائی تھی۔

علمی نکتہ

دیو بند میں ایک بزرگ عالم نے ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب مرحوم سے فرمایا کہ سجدہ تعظیمی کی حرمت ثابت کرنے کے لئے بیان القران میں روایاتِ حدیثیہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ آیت قرآنیہ لاتسجدوا للشمس ولا للقمر (الآیۃ) سے کیوں نہیں استدلال کیا گیا۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس آیت میں سجدہ عبادت کی ممانعت ہے۔ سجدہ تحیۃ کی ممانعت اس سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ آیت کے آخر میں ان کنتم ایاہ تعبدون ہے۔ اس لئے سجدہ تعظیمی کی حرمت پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا گیا اس کو سن کر وہ بزرگ عالم پھڑک اٹھے اور بہت محظوظ ہوئے۔

خواب

انہی مذکرہ بزرگ عالم نے فرمایا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرے مکان پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فلاں چارپائی پر آرام فرما رہے ہیں۔ چند روز کے بعد مولانا مفتی عبدالکریم صاحب

گمھلوی میرے مکان پر مہمان ہوئے اور اسی جگہ اسی چارپائی پر قیام کیا۔ معاً میرے دل میں آیا کہ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ مفتی عبدالکریم صاحب کو فقہ سے بہت مناسبت ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ صحابہ میں تفقہ کے اندر ممتاز شان رکھتے تھے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد القول الجلیل میں ہے کہ "مولوی عبدالکریم صاحب کو ہر علم سے مناسبت ہے۔

بیان القرآن پر نظر ثانی

حضرت حکیم الامت کے زیر سایہ رہ کر حضرت مفتی صاحب نے درس و تدریس اور افتاء وغیرہ کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ بہشتی گوہر جو بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ ہے اس پر آپ نے حضرت قدس سرہٗ کے حکم سے اصلاح فرمائی تھی گویا اس کو دوبارہ لکھا گیا اور بیان القرآن پر نظر ثانی میں بھی حضرت قدس سرہٗ نے آپ کو شریک رکھا۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی وفات کے بعد غالباً مئی ۱۹۴۵ء کے اوائل میں جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے ہندوستان میں امارت شرعیہ کے قیام کی تجویز سامنے آئی تو اس پر غور و فکر کے لئے حسب سابق حضرت مفتی صاحب نے تھانہ بھون کی طرف سے نمائندگی کی اور دیوبند اور سہارن پور کے اکابر علماء سے اس تجویز کے ہر گوشہ پر گفتگو ہوئی اور اس کے مضار و مفاسد کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ جب جمعیت کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ایک عظیم اجتماع علمائے کرام کا نصب شدہ خیموں میں ہوا اور یہ تجویز زیر بحث آئی تو علمائے کرام نے اس کے حق میں اپنی اپنی آراء کا اظہار فرمایا مغرب کے بعد تک طویل سلسلہ تقاریر جاری رہا۔ بالآخر حضرت مفتی صاحب نے کھڑے ہو کر اپنی تجویز رکھی کہ یہ تجویز کافی غور و فکر کی محتاج ہے۔ اس پر عمل کرنے میں جلدی سے بہت بڑے مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں اور میں نے دیوبند اور سہارن پور کے علماء سے گفتگو کے بعد یہ محسوس کیا کہ اس تجویز کے حق میں ان کے ذہن بھی پوری طرح صاف نہیں ہیں اس لئے اس پر غور کے لئے وقت دیا جانا ضروری ہے نیز حکومت کے مسلط ہوتے ہوئے چونکہ امارت کو قوت اور شوکت حاصل نہ ہوگی۔ اس لئے اس سے

ایک اختلافِ جدید اور مستقل نزاع کا باب کھل جائے گا۔ یہ خاص اجتماع حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی صدارت میں ہو رہا تھا۔ حضرت مدنی نے جب دیکھا کہ یہ سلسلہ بہت طویل ہو گیا ہے تو آپ نے اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں اس جلسہ کو برخواست کرتا ہوں اور ایک سب کمیٹی اس تجویز پر غور کرنے کے لئے مقرر کرتا ہوں اور سب کمیٹی کے ممبران حضرات کے نام تحریر کرنے شروع کر دیے سب سے پہلا نام مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا تھا اور دوسرا نام حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب کا تھا۔ غالباً گیارہ یا پندرہ علماً کے نام تجویز کئے گئے تھے، اور مراد آباد ان کے مشورہ کے لئے مقام مقرر کیا گیا تھا مگر سیاسی حالات نے پلٹا کھایا اور یہ تجویز ختم ہو گئی۔ مفتی محمد نعیم لدھیانوی صاحب کی آپ کے صاحب زادہ سے ملاقات ہوئی تو ہنستے ہوئے فرمایا کہ تمہارے والد (مفتی عبدالکریم صاحب) نے امارت بنتے بنتے رکوا دی۔

علمی افادہ

امارت شرعیہ کا مسئلہ انگریزوں کے عہدِ حکومت میں کافی دیر سے زیر بحث تھا۔ اس سلسلہ میں غالباً سب سے پہلا خطبہ حضرت مولانا محمد علی مونگیری صاحب کا ہے جس میں اس امر پر کافی بسط سے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ اسی زمانہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ ان دلائل پر غور فرما رہے تھے اور ان دلائل پر کچھ تحریر بھی فرما دیا تھا۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب جب دیو بند تشریف لائے تو حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ نے وہ مسودہ آپ کو سنایا اور مشورہ کے بعد ترامیم و اضافات کئے گئے۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ نے اس خطبہ کے اس استدلال کا تذکرہ فرمایا کہ غزوہ موتہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے از خود علم اسلام کو سنبھال کر لشکرِ اسلامی کی امارت پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں نے اس کو جائز رکھا، اس سے انگریزی دورِ اقتدار میں بھی یہی جواز ثابت کیا گیا تھا کہ اگر مسلمان کسی شخص کو راضی ہو کر امیر تسلیم کر لیں تو یہ امارت صحیح ہو جاتی ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے سنتے ہی فرمایا کہ غزوہ موتہ کے اس واقعہ کو ہماری موجودہ حالت سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ استدلال صحیح نہیں ہے بلکہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ غیر مسلم حکومت میں تحت ولایۃ الکفار مسلمانوں کا کسی

کو امیر بنالینا یہ مسئلہ زیرِ بحث ہے اور غزوہ موتہ میں امیرِ جیش کا تقرر جو مجاہدینِ اسلام کی رضامندی سے ہوا تو یہ مجاہدین حکومتِ غیر مسلم کے باشندے اور تحت ولایت کفار نہیں تھے۔ یہ تو کفار سے برسرِ پیکار اور دوسرے مسلم ملک کے باشندے تھے برخلاف اہل ہند کے یہ تحت ولایت کفار ہیں اس لئے یہ واقعہ محل نزاع سے محض غیر متعلق ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ اس جواب سے بہت ہی مسرور ہوئے اور اس کی بڑی ہی قدر فرمائی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ کو حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سے بہت گہرا تعلق تھا اور آپس میں دونوں کے علمی صلاح مشورے ہوا کرتے تھے۔ جب حضرت مفتی صاحب موصوف نے اپنے دارالعلوم کے زمانہ کے فتویٰ جلد اول و جلد ثانی کو دوسری مرتبہ طبع کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان پر اصلاحی نظر کے لئے حضرت مولانا صاحب کو پیش کش کی تھی۔ حضرت مفتی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔ "اب جلد اول و دوم کی طبع ثانی کے وقت یہ دونوں جلدیں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی مفتی تھانہ بھون کو اصلاحی نظر سے دیکھنے کے لئے پیش کی۔

زمانہ قیام تھانہ بھون میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ نگرانی حضرت مولانا صاحبؒ نے فتویٰ کا جو کام کیا تھا اس کا نام حضرت تھانوی نے سلسلۂ امدادیہ کے تفاول کے ساتھ "امداد المسائل" رکھا تھا۔ مگر اس کی طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔

افادۃ العوام ترجمہ نصوص خطبات الاحکام

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سال بھر کے جمعوں کے واسطے الگ الگ خطبات کا جو مجموعہ بنام خطبات الاحکام لجمعات العام تصنیف فرمایا تھا وہ بکثرت آیات و احادیث پر مشتمل ہے اور حضرت مولانا مفتی صاحب نے عام نفع رسانی کی خاطر ان خطبات کی آیات و احادیث کا ترجمہ مع ضروری فوائد کے لکھا اور بعض ایسی روایات جن کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اصل مسودہ میں تحریر فرمایا تھا مگر نظر ثانی کے وقت بغرض اختصار ان کو حذف فرمایا تھا ان کا ترجمہ بھی "اضافہ" کا عنوان قائم

کر کے دیا تھا۔ یہ ترجمہ عنوان بالا سے طبع ہو کر خطبات الاحکام کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

سفرِ حج و قیامِ مدینہ

آپ نے پہلی مرتبہ غالباً ۱۳۲۵ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا تھا اور تقریباً آٹھ ماہ کے بعد واپسی ہوئی تمام مقاماتِ مقدسہ کی تلاش و جستجو سے زیارت کی۔ دوسرے سفرِ حج میں مع بال بچوں کے جانا ہوا۔ اور ایک سال حجاز میں قیام کے بعد دوسرا حج کر کے واپسی ہوئی، دوسرے سفرِ حج میں مسلسل آٹھ ماہ مدینہ منورہ میں قیام کا شرف حاصل ہوا اور مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ میں حدیث و فقہ کی بڑی کتابوں مسلم شریف اور موطا امام مالک ہدایہ وغیرہ کے درس دینے کا موقع اللہ تعالےٰ نے نصیب فرمایا۔ حرم محترم نبوی کے بعض اساتذہ بھی درسِ حدیث میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک مدرس حرم سے ایک مرتبہ آپ نے دریافت کیا کہ آپ تو صاحب مذہب ہیں۔ موطا امام مالک آپ کے امام کی کتاب ہے۔ اس کو تو آپ حنفیوں سے زیادہ سمجھتے ہوں گے پھر آپ اس کے سبق میں کیوں شریک ہوتے ہیں۔ ان عالم صاحب نے فرمایا کہ اپنے مذہب کے خلاف جو بات ہوتی ہے اس کا جواب تو ہم خود دے دیتے ہیں مگر احادیث میں جو تطبیق آپ دیتے ہیں ان کو سننے کے لئے میں آتا ہوں پھر اس کو جا کر حرم نبوی میں طلبہ کو سناتا ہوں۔ یہ فنِ تطبیق جیسا کہ آپ حضرات کو آتا ہے ہمیں نہیں آتا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ طبعی ذہانت و فطانت کے علاوہ چونکہ کافی طویل زمانہ تک حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے زیرِ تربیت تعلیمی و تصنیفی کام کرتے رہے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علمی ذوق سے ان کو حصہ عطا فرما دیا تھا جو ہر کسی کو صرف کتب بینی سے حاصل نہیں ہو سکتا

ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری بہاولنگر میں بڑہ عالمگیر تشریف لے گئے۔ حضرت مفتی صاحب ان دنوں مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاول نگر کے شیخ الحدیث کی حیثیت سے قریب ہی مقیم تھے۔ آپ بھی حضرت مولانا رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے بڑہ عالمگیر گئے۔ رات کو پہنچے صبح فجر کی نماز کے لئے مسجد میں گئے تو یہ عجیب بات پیش آئی کہ تکبیر مکبر نے کہہ دی مگر کوئی صاحب مجمع میں سے آگے بڑھ کر نماز پڑھانے کے لئے مصلّے پہ نہ آئے۔

انتظار کے بعد آگے بڑھے اور نماز پڑھا دی۔ نماز کے بعد مولانا رائے پوری سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ میں آواز سے کچھ پہچانا تو تھا کہ مفتی عبدالکریم ہوں گے۔ مگر پھر خیال آیا کہ ایسی سردی میں شب کو کیسے آئے ہوں گے۔ مگر پہچان صحیح نکلی۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ آج تو بخاری شریف کے باب میں من تام بغیر امرہ پر عمل ہو گیا جب کوئی صاحب نماز پڑھانے کے لیے مصلے پر نہیں پہنچے تو میں نے خود ہی پیش قدمی کی اور نماز پڑھا دی۔

سیاسی مسلک میں آپ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مسلک کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ اور کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت اور اس کے نظریۂ متحدہ قومیت کے بہت مخالف تھے۔ اسی لئے ایسے امور میں گفتگو کے لئے حضرت تھانوی اپنی جانب سے آپ کو ہی بھیجا کرتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کے لئے جو وفود حضرت تھانوی کی جانب سے روانہ کئے جاتے تھے ان میں آپ کو بھی شریک کیا جاتا تھا۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے آپ کو ایک تعلقِ خاص تھا۔ چنانچہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے انتقال کے بعد جائے تدفین کے انتخاب کرنے اور آپ کے غسل وکفن میں شرکت کا خصوصی شرف حاصل رہا چنانچہ خاتمۃ السوانح میں تحریر ہے کہ "حضرت کی وفات کے تھوڑی دیر بعد جناب مولانا شبیر علی صاحب تھانوی برادر زادہ حضرت اقدس کی دوائیں لے کر سہارن پور سے تھانہ بھون تشریف لائے تو وہ اسی وقت حضرت اقدس کے وقف کردہ تکیہ میں جس کا تاریخی نام "قبرستانِ عشق بازاں" تھا مع جناب مولانا عبدالحکیم صاحب گمتھلوی کے دفن کی جگہ تجویز کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر دونوں صاحبوں کی رائے بلا اختلاف اسی جگہ ہوئی جہاں حضرت اقدس آرام فرما ہیں اور وہ واقعی ہر لحاظ سے ایسا اچھا موقع ہے کہ جس نے دیکھا بہت پسند کیا۔"

آپ کو حضرت کی وفات کا اتنا قلق ہوا تھا کہ آپ بار بار بے تابانہ بے اختیار کہتے تھے۔ ہائے میرے شیخ ہائے میرے شیخ۔

حضرت قدس سرہٗ بھی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ ایک

خط میں تحریر فرمایا "واللہ میں آپ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا ہوں"۔ حضرت قدس سرہٗ جب کسی کو اجازت بیعت و تلقین فرماتے تھے تو اکثر اس کا یہ عنوان ہوتا تھا "بے ساختہ یہ قلب میں آیا کہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دے دوں گا لہٰذا توکلاً علی اللہ آپ کو اجازت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نفع کو عام اور تام فرمائے اگر کوئی رجوع کرے تو انکار نہ کریں"۔

لیکن آپ کے سلسلہ میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے جو تحریر فرمائی وہ مندرجہ ذیل تھی مشورہ بآزادی رائے حسب معمول اس وقت بھی بعض احباب کو میں نے اس خدمت کے لئے منتخب کیا ہے کہ وہ شائقین دین کو اپنی معلومات سے نفع پہنچائیں اور ایسی جماعت کا لقب مجازِ صحبت رکھا گیا ہے۔ میں نے آپ کو بھی توکلاً اس سلسلے کے لئے تجویز کیا ہے اگر آپ کی مصلحت یا طبیعت کے خلاف نہ ہو امید ہے کہ ایسے طالبین کی طرف توجہ رکھیں اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں "حضرت قدس سرہٗ کی اس تحریر کے جواب میں آپ کا جو عریضہ گیا اس پر حضرت قدس سرہ کی طرف سے جواب میں تحریر کیا گیا "جس خیال کی بنا پر میں نے یہ امر تجویز کیا تھا آپ کے جواب سے بحمداللہ اس خیال کی مزید تائید ہوئی۔ باقی دعا کرتا ہوں اور دعا چاہتا ہوں"۔

حضرت قدس سرہٗ اپنے عزیزوں کی طرح حضرت مولانا صاحب کے ساتھ مالی تعاون بھی فرماتے تھے جس کو آپ بلاتکلف قبول فرمالیتے تھے۔ حضرت قدس سرہٗ کی ایک تحریر اس سلسلہ میں یوں ہے:

"ہدیہ برائے خرچ آں مشفق مع عت" ایک منی آرڈر کے کوپن پر آپ نے تحریر فرمایا" از اشرف علی السلام علیکم۔ میرا دل چاہا کہ کرایہ وغیرہ کے لئے کچھ امداد کروں مگر انتظام نہ ہوسکا۔ اللہ تعالیٰ نے مخلص دوست کے دل میں ڈالا۔ انہوں نے یہ رقم مجھ کو یہ رقم اس لئے دی کہ آپکو بھیج دوں۔ مرسل ہے"۔

۱۹۴۸ء کے اوائل میں اپنے اعزہ اور اہل وطن کے ہمراہ قصبہ ساہیوال ضلع سرگودھا میں تشریف لائے اور تقریباً سوا سال اسی قصبہ میں قیام فرماکر بعارضہ بخار و اسہال بتاریخ ۹ رجب المرجب ۱۳۶۸ھ مطابق ۸ مئی ۱۹۴۹ء ۵۲ سال ۶ ماہ ۴ دن کی عمر پاکر اس عالم فانی سے رخصت ہوگئے۔ اسی قصبہ کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔

مولانا محمد اسحٰق بردوانیؒ

مجازِ بیعتؒ

حسب نسب و لادتِ باسعادت

آپ کا نام محمد اسحٰق ہے سلسلہ نسب یہ ہے محمد اسحٰق بن لطف الہدیٰ بن نجم الثاقب بن غلام نبی بن محمد نعیم اللہ بن ابو محمد بن محمد معظم۔

محمد معظم یعنی حضرت والا کے مورث اعلیٰ بردوان کے مشہور قاضی تھے۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ مغل دور میں شیر افگن کی معیت میں آپ نے خطہ بردوان میں قاضی کی حیثیت سے ورود فرمایا تھا اور یہیں سکونت اختیار فرمائی۔ ان کی پکی قبر اب بھی بردوان کے مضافات اچلا بازار میں موجود ہے۔ ایک مرتبہ حضرت والا نے فرمایا تھا کہ یہ خاندان حضرت عباس رضی اللہ کی نسل سے ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آپ کے والد بزرگوار قاضی لطف الہدیٰ ایک نہایت ہی باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ اشرف النساء المعروف بہ مانک بی بی ایک بہت ہی دولت مند گھرانے کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ یہ بی بی بہت سخی تھیں۔ ان اطراف میں ان کا بہت شہرہ تھا۔

حضرت قبلہ چونکہ اپنے والدین کے سب سے پہلے فرزند تھے اس لئے مقامی دستور درسم کے مطابق آپ کی ولادت اپنے نانا کے گھر (کیتھن سے چھ میل دور) میں ہوئی۔ عین جبکہ مقامی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی جارہی تھی، اس وقت آپ تولّد ہوئے۔ تاریخ ولادت

ربیع الاول ۱۳۸۲ھ دسمبر ۱۸۶۵ء رہے

عہدِ طفولیت

حضرت قبلہ اپنے وقت کے مشاہیر علماء میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ بچپن ہی سے آپ کا طرز و انداز نرالا تھا جب مکتب میں پڑھتے تھے تو حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ پڑھتے تھے سب کچھ زبانی حفظ ہو جاتا تھا۔

ساڑھے چار برس کی عمر میں آپ کی ابجد خوانی شروع ہوئی۔ اسی محلہ میں آپ کے گھر کے قریب ایک بزرگ عالم مولوی سید ممتاز حسین کا گھر بھی تھا۔ آپ ہی حضرت قبلہ کے استاد مقرر ہوئے۔ اس وقت سے سید صاحب استاذ صاحب کے نام سے مشہور ہوئے۔ چند ماہ کے اندر ہی اس ہونہار طفلِ مکتب نے قرآن مجید ناظرہ ختم کر ڈالا اور ۹ برس کے اندر آپ نے گلستان بوستان، انوار سہیلی، یوسف زلیخا، پند نامہ، سکندر نامہ اور دیگر فارسی کتابیں ختم کر ڈالیں۔ اسی زمانہ میں مقامی زبان بنگلہ سیکھنے کے لئے قریبی گاؤں کے سکول میں آپ کو داخل کیا گیا تو وہاں بھی غیر معمولی ذہانت نے اپنا مقام بلند کر دکھایا لیکن بزرگوں کو زیادہ دن اس اسکول میں رکھنا گوارا نہ ہوا۔ خاص طور سے عربی کی تعلیم کے لئے آپ کو اپنے قصبہ کے قریب منگل کوٹ کے مشہور عالم مولانا محمد اور مولانا منیر الحق کے پاس شرف تلمذ حاصل کرنے کو تشریف لے گئے۔ وہاں بھی ان کی خوبیوں نے استادوں کے دل موہ لئے۔ یہاں عربی کی ابتدائی کتابوں سے لے کر کافیہ کامل، شافیہ نصف اور منطق وغیرہ کی کتابیں پڑھیں۔

حصولِ علم کے لئے سفر

منگل کوٹ میں مولانا محمد رحمۃ اللہ علیہ سے فیضِ تلمذ حاصل کرنے کے بعد تشنگیٔ علم آپ کو آرہ (بہار) کی طرف لے گئی۔ آرہ میں آپ نے مولانا قاضی محمد حنیف سے (جو کہ محمد علی محدث کے معتقدِ خاص تھے) شرح جامی، قطبی، میر قطبی۔ مختصر المعانی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ بر دوان کے مولانا محمد عرفان جو اس وقت آرہ میں مقیم تھے اور بعد کو ڈھاکہ کالج میں عربی اور فارسی کے پروفیسر بنگلی مدرسہ کے

سپرنٹنڈنٹ ہوئے تھے ان سے شافیہ کا پورا سبق لیا۔ یہاں دو سال سے کچھ زائد قیام کے بعد جولانی طبیعت نے مرکز رشد و ہدایت یعنی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ بابرکت مدرسہ جامع العلوم کانپور میں سعادت باریابی و تلمذ سے بہرہ یاب کر کر دیا۔

مدرسہ جامع العلوم میں تمام کتابوں کا آپ نے حضرت حکیم الامت سے فیضِ درس حاصل کیا۔ سوائے مشکوٰۃ المصابیح اور نور الانوار کے جن کا درس مولانا عبد الغفار کانپوری سے حاصل کیا۔

۱۳۰۹ھ میں آپ کی دستار بندی ہوئی، جلسہ کی صدارت علی گڈھ کے مولانا لطف اللہ صاحب نے کی تھی۔ آپ کی ذہانت و فطانت کا رنگ دیکھتے ہوئے حضرت حکیم الامت نے اپنے زیر سایہ مدرس دوم مقرر فرما دیا مدرسہ جامع العلوم کانپور میں نہایت اہم ذمہ داریاں یعنی تفسیر قرآن مجید و احادیث، عربی ادب، فلسفہ (صدری و شمس بازغہ) اقلیدس کی تدریس کے ساتھ دار الافتاء کی سربراہی بھی آپ ہی کے سپرد کی گئی۔

حفظِ قرآن کے متعلق ظہور کرامت

سات دن چار گھنٹوں میں حفظ کلام مجید

حضرت مولانا محمد اسحٰق مدرسہ جامع العلوم کانپور میں اہم ذمہ داریوں میں مصروف تھے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی رحمت و کرم فضل و عنایت کی حیرت انگیز مثال ہے کہ انہیں دنوں حضرت مولانا کو حفظ قرآن کا شوق پیدا ہوا اور آپ نے صرف ۸۰ دن میں حفظ کلام مجید کو انجام تک پہنچایا۔ ظاہر ہے کہ انہیں اپنی اہم ذمہ داریوں اور فرائض کی ادائیگی کے انہماک میں زیادہ سے زیادہ روزانہ دو گھنٹوں سے زیادہ مہلت نہ مل سکی ہوگی اس لئے دراصل ۲، ۱ گھنٹے میں (جن کے حقیقت میں صرف دن اور چار گھنٹے ہوتے ہیں)، انہوں نے کلام مجید حفظ کیا۔ اس ظہور کرامت پر تمام شہر کانپور میں ہلچل مچ حالانکہ اس وقت صرف ۸۰ دنوں کا ہی شور تھا اور سات دن اور چار گھنٹوں پر کسی کی نظر نہیں تھی۔

یوم یک شنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ میں حفظ قرآن مجید شروع فرمایا اور اسی سال ۱۳۱۴ھ جمادی الثانی حفظ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ بڑے اہتمام سے اعزاز قرآن مجید کے لیے خصوصی طور پر دستار بندی دوبارہ عمل میں لائی گئی

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مواعظ میں ذکر فرماتے تھے کہ ہمارے ایک دوست مولانا محمد اسحٰق بردوانی کا انداز حفظ کلام مجید بھی معجزاتِ کلامِ الٰہی میں سے ایک ہے۔

مدرسہ میں حضرت حکیم الامت کی قائم مقامی

(تلخیص از اشرف السوانح۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب) ۱۳۱۴ھ کے ختم پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ شغل درس و تدریس اور تعلق کانپور کو یک قلم ترک کر دینے پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن خطرہ تھا کہ حضرت کی علیحدگی سے مدرسہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے اس لئے حضرتِ والا نے اول تو یہ کیا کہ مدرسہ سے تنخواہ لینی بند کر دی اور اعلان فرمایا کہ آمدنی کم ہو گئی اس لئے فی الحال جب تک مدرسہ کو کافی آمدنی نہ ہونے لگے میں اپنی تنخواہ نہ لوں گا پھر حضرتِ والا نے اس طرح حسنِ تدبیر سے اپنے کو صدر مدرسی سے علیحدہ کرنا چاہا۔ مدرسہ کی روئداد میں جو ماہوار شائع کی جاتی تھی، یہ اعلان منجانب مہتمم شائع کیا کہ مدرسین کو بہت دنوں سے ترقیاں نہیں دی گئیں لہٰذا مدرسِ اول یعنی خود حضرت والا کو تو سرپرست مدرسہ بنایا جاتا ہے اور ان کی جگہ موجودہ مدرس دوئم مولوی محمد اسحٰق صاحب بردوانی کو مدرس اول مقرر کیا جاتا ہے اور اسی ترتیب سے سب مدرسین کو ترقی دی جاتی ہے۔ اسباق کا یہ انتظام فرمایا کہ قریب الفراغ طلبہ کے اسباق اپنے ذمے لے لئے اس سے حضرت والا کا مطلب یہ تھا کہ میرے چلے جانے سے کسی طالب علم کا مطلق حرج نہ ہو۔ اب رہا نشست کا انتظام اس کی یہ صورت فرمائی کہ خود مسجد میں بیٹھ کر درس دینے لگے اور وجہ یہ بیان کی کہ فارغین کی جماعت بڑی ہے اس لئے ان کے لئے مدرسہ کی درس گاہ تنگ ہے لہٰذا میں تو مسجد میں پڑھاؤں گا اور میری درس گاہ میں مولوی محمد اسحٰق بردوانی مدرسِ اول ہو کر پڑھائیں گے۔

غرض اس لطافت کے ساتھ مولوی محمد اسحٰق صاحب کو ہر طرح مدرس اوّل اور اپنا قائم مقام بنا کر مدرسہ کو ان کے سپرد کر دیا۔ یہاں تک کہ جو بعض انتظامی امور مدرسہ خاص حضرت والا کے سپرد تھے۔ ان کو بھی کم فرصتی کا عذر فرما کر مولوی صاحب ہی کے سپرد فرما دیا لیکن اس قید کے ساتھ کہ آخر میں میرا نام ہی لکھا جائے یہ قید اس لئے بڑھا دی کہ لوگوں کو حضرت والا کے قصد قطعِ تعلق کا شبہ نہ ہو۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف اس طرح نام لکھنے لگے: "اشرف علی بقلم محمد اسحٰق"۔

حضرت والا کے ترکِ تعلق کے بعد بھی برسوں مولوی محمد اسحٰق صاحب جب تک جامع العلوم میں مدرس رہے برابر اسی طرح جملہ کاغذاتِ مدرسہ پر الفاظ اشرف علی بقلم محمد اسحٰق لکھتے رہے۔ ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت ان کے مدرس اوّل پر فائز رہنے کے دوران کانپور تشریف لائے اور اسی طرح دستخط کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اب "بقلم" کیوں لکھتے ہو۔ اس پر ان کے شاگرد رشید نے فرمایا کہ برکت کے لئے میں نے اسے جاری رکھا ہے اور اس کی مجھے اجازت دی جائے۔ اس کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کے ترکِ تعلق کے بعد بھی مدتِ دراز تک مدرسہ بحُسن و خوبی چلتا رہا اور اب تک قائم ہے گو اب اس کا رنگ متغیّر ہو گیا۔

سرکاری عہدے

سنہ ۱۹۱۰ء میں ڈاکٹر سر ای ڈینس راس پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ کے انتخاب پر حضرت مولانا محمد اسحٰق کانپور سے کلکتہ تشریف لے آئے۔ یہاں بھی بفضل تعالیٰ ان کی جودتِ طبیعت اور نصرتِ ایمانی نے اپنا جلوہ نمایاں کیا۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم کے موقع پر جب انگریزوں کی طرف سے خلافتِ عثمانیہ ترکیہ کے خلاف ہر محاذ سے حملے ہو رہے تھے اور خلافتِ عثمانیہ کو بن و بیخ سے اکھاڑنے میں ہندوستانی مسلمانوں کو ورغلا کر شرکت پر آمادہ کیا جا رہا تھا۔ انہی دنوں میں مدرسہ کے انگریز پرنسپل نے حضرت مولانا کو جواز خلافت کے خلاف فتویٰ دینے کے لئے بظاہر فرمائش کی اور درپردہ زور لگایا لیکن انہوں نے اس مکروہ استدعا کو یک قلم ٹھکرا کر اس کے ہاں سے فوراً مراجعت فرمائی۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں ڈھاکہ میں آپ کی منتقلی ہوئی۔ یہاں ان کے دورانِ قیام میں ایک مرتبہ سر

عبدالرحیم ڈھاکہ مدرسہ کے معائنہ کے لئے تشریف لائے اور آپ کی عالمانہ گفتگو سے متاثر ہو کر واپس جاتے ہوئے پرنسپل صاحب سے یہ کہا کہ یہ تو بڑے غیر معمولی عالم اور نہایت ہی برگزیدہ ہستی معلوم ہوتے ہیں ان کو یہاں کے تعلیمی صیغہ سے علیحدہ نہ ہونے دینا چاہیئے اور کلکتہ واپس جا کر سر عبدالرحیم نے سرکاری طور پر آپ کے متعلق ضروری ہدایات فرما دیں۔

ادائے فریضۂ حج

۱۹۲۶ء میں حضرت قبلہ نے فریضۂ حج ادا کیا۔ وہاں سعودی عرب کے بہت بڑے عالم حافظ محمد وہبہ سے حرم محترم میں تعارف کرایا گیا۔ دوران گفتگو مختلف احادیث کی اسناد پر بات چلی۔ حافظ وہبہ آپ کی قابلیت کا رنگ دیکھ کر اپنے حلقے کے لوگوں میں آپ کی بہت تعریف کرنے لگے۔ حافظ وہبہ کی داڑھی چونکہ خلافِ سنت تھی۔ اس پر حضرت قبلہ نے اپنی فطری ذہانت سے براہِ راست اعتراض کرنے کے بجائے ان سے داڑھی کے متعلق حدیث احفوا الشوارب واعفوا اللحی (مونچھیں کم کرو اور داڑھی بڑھاؤ) کی سند کے بارے میں سوال کیا کہ اس حدیث کی سند کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ اس پر وہ بہت محجوب ہوئے اور خلافِ سنت داڑھی کے متعلق شرمندگی اور معذرت کا اظہار کرنے لگے۔

مولانا کا علمی تبحّر

مولانا کا علمی تبحّر اس درجہ کا تھا کہ آپ کے معاصرین میں آپ کو ہر طرح کی سرفرازی حاصل رہی معاصرین ان سے اکثر و بیشتر معاملات میں استفادہ کرتے رہتے تھے۔ جب کبھی کوئی پیچیدہ دینی مسئلہ درپیش ہوتا تو معاصرین حضرت ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور برجستہ تشفی بخش جواب پاتے تھے۔ حوالے کے لئے اگر کسی کو کتابوں سے سند لینے کی ضرورت ہوتی تھی تو حضرت کتاب ہاتھ میں لے کر جب کھولتے تو وہی مطلوبہ صفحہ پیشِ نظر ہوتا تھا جس پر علماء حیران رہ جاتے تھے اور اس کیفیت کو حضرت قبلہ کی کرامت پر محمول کرتے تھے۔

حضرت قبلہ ہر سال ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت کی زیارت کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے

اور جب حضرت حکیم الامت کے یہاں حاضر ہوتے تھے تو انہیں دیکھ کر وہ بہت خوشی کا اظہار کیا کرتے ۔ معانقہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور قبل اٹھنے کے حاضرین مجلس کو خاص اہتمام سے بیٹھے رہنے کی تلقین کرتے تھے ۔ اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت مولانا سے وعظ کہنے کی فرمائش کیا کرتے اور چونکہ حضرت قبلہ کا وعظ حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ کا نمونہ ہوا کرتا تھا اس لئے دوسرے لوگ بھی ان کے مواعظ کے بہت مشتاق اور مدّاح رہتے اور وعظ کے بعد حضرت تھانوی بہت مشفقانہ انداز میں بطور تعریف فرمایا کرتے تھے کہ ماشاء اللہ نظر بہت وسیع ہے ۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار حضرت مولانا بردوانیؒ کے شاگرد ہیں ۔ انھوں نے اپنے ایک غیر مطبوعہ مضمون میں لکھا ہے کہ اگر حضرت مولانا بجائے جامع العلوم کانپور کے دیوبند میں درس دیتے تو مولانا انور شاہ صاحب کی طرح حفظ احادیث و روایات میں مشہور ہوجاتے ۔ مولانا نے برسوں بخاری شریف کا درس اس طرح رکھا کہ روزانہ ایک پارہ تلاوت کرتے تھے میں نے وہ بخاری دیکھی ہے جس پر مولانا نے اپنی ختم بخاری کی ابتدا اور انتہا کی تاریخیں ضبط کی ہیں ۔ غالباً ستر سے اوپر ختم کی نشان دہی کی گئی ہے اور جو ختم اس سے پہلے کے ہیں ان کی شمار معلوم نہیں ۔ اس لئے بخاری میں جو حدیث جتنی جگہ آتی ہے مولانا بے تکلف تبلا دیتے تھے ۔ سنا ہے کہ حج کے موقعہ پر کسی نجدی عالم نے ایک حدیث کے بارہ میں مولانا سے پوچھا کہ یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ ہے ۔ فرمایا چھ جگہ ہے وہ عالم حیران رہ گئے کہ ہندی علمائے دین بھی ایسے حافظہ والے موجود ہیں ۔ مولانا نے ایک زمانہ میں جب کہ جامع العلوم کانپور میں قیام تھا تو موطا مالک کی شرح لکھنا شروع کی تھی تو ایک جزو کی شرح اکیس بیس صفحات میں لکھی تھی پھر آگے نہ لکھی گئی کہ اس طرح شرح طویل ہوجائے گی، کون چھاپے گا ۔ حضرت تھانوی قدس سرہ سے آپ کو اجازت و خلافت بھی حاصل تھی ۔ حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ میں نے مولانا محمد اسحٰق صاحب کو اشغال صوفیا نہیں بتلائے بلکہ تلاوت قرآن و

حدیث ہی میں شغل تبلایا۔ اسی سے ان کو مناسبت تھی اور اسی سے ان کو نسبتِ باطنیہ حاصل ہوگئی۔

درس حدیث برائے افادۂ عام

اسلامک انٹرمیڈیٹ کالج ڈھاکہ سے پنشن لینے کے بعد ڈھاکہ یونیورسٹی شعبۂ عربی و اسلامک اسٹڈیز کے استاد کی حیثیت سے تاحیات درس دیتے رہے اور برائے افادۂ عام مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ اور مدرسہ اشرف العلوم بڑا کٹرہ ڈھاکہ میں درس حدیث جستہ لِلّٰہ دیتے رہے جس میں طالبان علم کے علاوہ اساتذہ اور دوسرے اہلِ ذوق حضرات بھی شامل ہوتے تھے۔ آپ اپنے زمانہ میں دینی امور میں مرجع خاص وعام تھے۔ ہر مسلک ومذہب کے افراد کو ان ہی کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ڈھاکہ کے اہل حدیث بھی آپ ہی سے فتویٰ لیا کرتے تھے ان کو آپ پر کامل اعتماد تھا۔ کیونکہ آپ انہیں مسلکِ اہل حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

معمولات

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آپ کو سند الفراغ میں یہ جملہ مزید تحریر فرمایا تھا: شاب نشأ فی عبادۃ اللہ (وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشوونما پائی ہے) جس پر آپ فخریہ فرماتے تھے کہ یہی سند قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی نجات کے لئے پیش کروں گا۔

صلوٰۃ باجماعت کے سخت پابند تھے۔ یہاں تک کہ یوم النعیم میں بھی صلوٰۃ باجماعت مسجد میں قائم فرماتے تھے کہ میرے لئے یوم النعیم میں گھر میں صلوٰۃ ادا کرنے کی رخصت جائز نہیں اس لئے کہ سرکاری کام کی انجام دہی کے لئے بارش مانع نہیں ہوتی تھی۔ وقت کے اس قدر پابند تھے کہ اقامتِ صلوٰۃ باجماعت کے لئے ایک منٹ اِدھر اُدھر ہونا ہرگز گوارا نہ کرتے تھے۔ اگر آپ کے لئے ایک دو منٹ انتظار کیا جاتا تو بہت بگڑتے، فرماتے تھے کہ اس سے جماعت میں شرکت کرنے والوں میں سے بہت ایسے ہوں گے جنھیں جلدی ہوگی اور انتظار ان کے لئے تکلیف دہ

ہوگا جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کر لیتے تو اسے ضرور انجام تک پہنچا کر چھوڑتے۔

ڈھاکہ میں عیدین کی نماز مساجد میں ہوا کرتی تھی، میدان میں پڑھنے کی سنت جاری نہیں تھی تو آپ نے ڈھاکہ کے بائیس پنچایت کے سیکرٹری جناب عبدالمجید مرحوم سے فرمایا کہ یہ سنت جاری ہونی چاہیئے۔ حاجی عبدالمجید تیار ہو گئے یہ ۱۹۳۲ء یا ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے اور اس سال پہلی مرتبہ عیدالفطر کی نماز دلکشا باغ کے قریب پلٹن میدان میں ہونے کا اعلان کر دیا گیا لیکن عید کی رات سخت بارش شروع ہو گئی اور فجر کے بعد بھی بہت دیر تک بارش ہوتی رہی۔ حاجی صاحب کے لڑکے عبدمناف بھیگتے ہوئے آپ کے پاس آئے کہ اب تو میدان میں نماز ہونا ناممکن ہے۔ آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ انشاء اللہ ضرور ہوگی، پانی میں بھیگتے ہوئے ہی سہی، اور نہایت قلیل جماعت کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد حضرت قبلہ سب کو لے کر مع حاجی عبدالمجید صاحب کے فوراً گاڑی پر روانہ ہو گئے اللہ کے فضل سے تھوڑی دیر بعد بارش رک گئی۔ ادھر دل کشا باغ کے گیٹ پر خواجہ عتیق اللہ بائیس پنچایت کے صدر خان بہادر خواجہ محمد اعظم مع پورے خاندان کے انتظار کر رہے تھے، حضرت قبلہ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ دیکھ کر فوراً آگے بڑھ کر شامل ہو گئے۔ اس کے بعد لوگ جمع ہونے لگے اور قریب چار پانچ سو کی جماعت کھڑی ہو گئی۔ اسی سال سے یہ سنت ڈھاکہ میں اللہ کے فضل و کرم سے جاری ہے۔

قرآن مجید ہمیشہ ورد زبان رہتا تھا۔ فارغ وقت میں اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، سفر حضر ہر وقت قرآن مجید بر زبان۔ ایک طرف سے سلسلہ وار تلاوت فرماتے تھے۔ اسی دوران میں اگر کوئی مخاطب بات کرتا تو اس سے بات کر لیتے۔ اس کے بعد پھر تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ ختم قرآن مجید کے ساتھ روزانہ اوراد و وظائف کے متعدد سلسلے جاری رکھتے تھے۔ فجر کی نماز میں ایک سلسلہ ختم کا رہتا تھا۔ چاشت کی نماز میں دوسرا سلسلہ ہوتا تھا۔ فارغ اوقات کے لئے اور چلتے۔ پھرتے اٹھتے بیٹھتے، ایک اور سلسلہ ختم جاری رہتا۔ تہجد کی نماز میں ایک الگ سلسلہ رہتا۔ اس کے سوا روزانہ ناظرہ ایک منزل تلاوت فرماتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی زندگی گویا قرآن مجید ہی میں رچی

بسی ہوئی تھی۔

بخاری شریف کے ختم کے لئے بھی روزانہ باقاعدہ ورد کا معمول رکھتے تھے "بار خود برخلق منہ" کے اصول پر چلتے تھے، کبھی کسی سے بدن یا پیر وغیرہ دبوانے کی عادت نہیں تھی، تیز رفتار تھے۔ اپنی عادت کے مالک تھے نہ کہ غلام۔ پان سے شوق فرماتے تھے لیکن جب اپنے وطن گاؤں میں دو ایک مرتبہ پان کا اہتمام نہ ہو سکا تو دفعۃً ترک کر دیا۔ جاڑے میں تہجد کے وقت گرم پانی سے وضو فرماتے تھے لیکن جب گھر میں تکلیف ہونے لگی تو گرم پانی کا استعمال ترک کر کے ٹھنڈے پانی سے وضو فرمانے لگے۔

تصنیفات

آپ زیادہ تر زبانی وعظ و پند اور درس و تدریس پر ہی اکتفا کرتے تھے۔ کتابوں کے لکھنے کی طرف مائل نہ تھے۔ اگرچہ ان کی چند تصانیف بھی ہیں جن کی تفصیلات یہ ہیں۔

(۱) اللؤلؤ المکنون بالامثال التی تمثّل بہا الامین المامون۔ جس میں منتخب احادیث ہیں مع اردو ترجمہ کے۔ ایمان اسلام اور دین کے بارہ میں جو جو امثال بیان فرمائے ہیں ان ہی کا مجموعہ ہے۔ اس میں حضرت حکیم الامت کی تقریظ بھی عربی زبان میں مع اُردو ترجمہ کے ہے۔

(۲) الحکمۃ البالغۃ فی الاخلاق الفاضلۃ۔ ایمان اسلام دین اور اخلاقِ حسنہ کے متعلق اس میں ہر موضوع کے مناسب قرآنی آتیں، احادیث، اقوال الصلحاء، اقوال الشعراء جمع کئے گئے ہیں۔

(۳) التنقیحات السنیۃ فی تحریم الرقص والغناء وسجدہ التحیۃ۔

(۴) النور اللامع۔ احادیث کا مجموعہ۔

(۵) سہل الوصول۔ اصول فقہ کے متعلق۔

(۶) آپ نے مولانا شبلی کی سیرۃ النبی حصہ اوّل میں بعض روایتوں پر تنقید اور تصیح کر کے ایک

تحریر مولانا سید سلیمان ندویؒ کے پاس ارسال فرمائی۔ انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور دوسرے حصے کا ایک نسخہ ارسال فرما کر فرمائش کی کہ اس کے متعلق بھی آپ بنظر اصلاح جو کچھ مناسب سمجھیں تحریر فرمادیں چنانچہ آپ نے تفصیل کے ساتھ مع حوالہ تبصرہ کر کے بھیج دیا یہ پوری تحریر علامہ سلیمان ندوی نے طبع کرادی۔

حادثۂ رحلت

حضرت مولانا کے گھر میں سخت بیمار ہو کر علاج کے لئے کلکتہ تشریف لے گئیں۔ حضرت قبلہ بھی موسم خزاں کی تعطیل ہونے پر کلکتہ کو بعد میں پہنچے۔ اپنی بیوی کی علالت کے سبب آپ بہت ہی مضطرب اور شکستہ دل ہو رہے تھے۔ فرماتے تھے کہ اتنے سال کے رفیق زندگی کا اس طرح جدا ہو جانا نہ معلوم کیسے برداشت کیا جائے گا لیکن قضا و قدر کو انہیں اس رنج و غم سے بچا کر پہلے ہی اٹھا لینا منظور تھا۔ چنانچہ دوشنبہ ۲۶ر دسمبر بعد مغرب رات کا کھانا کھا کر کسی نامعلوم وجہ سے باہر نکل گئے لیکن جب تمام رات واپس نہیں آئے تو گھر والوں کو تشویش ہوئی اور سب لوگوں نے ادھر ادھر تفتیش و تلاش شروع کر دی۔ ٹیلیفون سے پتہ چلا کہ کوئی موٹر کے حادثے کا شکار کیمبل پور ہسپتال میں گذشتہ رات کو داخل کیا گیا۔ وہاں جا کر پتہ چلا کہ بے ہوشی کی حالت میں جنرل وارڈ میں آپ لیٹے ہوئے ہیں۔ فوراً انہیں کیبن میں منتقل کر دیا گیا۔ ایک ہفتہ بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال میں رہے۔ اسی دوران جب ہوش آتا تو نماز نماز کہہ کر کچھ الفاظ کہتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ زیر لب کچھ پڑھ رہے ہیں۔ کیونکہ ہر وقت قرآن مجید پڑھنے کا تو ان کا معمول تھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کا وہ ایک خاص بندہ جس نے کلام الٰہی کے ذکر و شغل کو اپنا نصب العین بنا رکھا تھا اور احادیث نبوی کا مسلسل درس جس کے گلے کا ہار تھا، اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملا۔

مولانا عبدالجبار

مجازِ بیعت

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲۵ مارچ ۱۸۹۳ء موضع ڈربی سرسہ ضلع حصار میں پیدا ہوئے آپ راجپوت برادری کے متوسط درجہ کے زمیندار گھرانے کے فرد تھے۔ آپ کے والد مولانا محمد شاکر صاحب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے اس لئے گھر کا ماحول نہایت ہی عمدہ اور دین دار تھا۔ ابتدائی تعلیم آپ نے گھر پر ہی حاصل کی آپ اپنے والد کے اکلوتے فرزند تھے لہٰذا آپ کے والد نے آپ کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ جب آپ کچھ سنِ شعور کو پہنچے تو مزید تعلیم کے لئے آپ کو رائپور گجراں ضلع جالندھر کے شہرہ آفاق مدرسہ میں داخل کرادیا گیا۔ جہاں آپ نے موقوف علیہ دورہ تک کی تعلیم استاذ العلماء حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور پھر تکمیل کے لئے مدرسہ عالیہ عبدالرب دہلی میں داخل ہوئے جہاں سے آپنے سندِ فراغت حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور اپنی تمام توجہات تعلیم و تبلیغ کے لئے وقف کردیں اور اپنی مستقل رہائش ابوہر منڈی ضلع فیروزپور میں اختیار کرلی جہاں ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کروائی اور مدرسہ اشرف المدارس کا اجرا کیا۔ علاقہ باگڑ ریاست بیکانیر کے ہزارہا لوگوں نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔ حضرت شیخ الہند نے اپنی وفات کے وقت آپ کو حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی طرف رجوع کا حکم فرمایا چنانچہ آپ حضرت شیخ کی وفات کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے آپ کو خلافت سے نوازا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت قدس سرہٗ کی برکت سے اور صحبت کی وجہ سے امور شرعیہ امور طبعیہ بن گئے ہیں حضرت قدس سرہٗ کی آپ پر خصوصی شفقت تھی۔

آپ حقہ پیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت تھانوی قدس سرہ سے دریافت کیا کہ کیا جنت میں حقہ ملے گا۔ حضرت قدس سرہٗ نے ازراہ تفنن فرمایا کہ ہاں مگر آگ لینے کے لئے جہنم میں جانا پڑے گا۔

جب علامہ مشرقی نے تذکرہ مولوی کا غلط مذہب وغیرہ لکھیں تو حضرت قدس سرہٗ نے آپ کو ان کے رُد پر مقرر فرمایا۔ آپ نے حسب الحکم تمام ہندوستان کا دورہ کیا۔ اس دورہ کے دوران کئی مرتبہ آپ پر قاتلانہ حملے ہوئے۔ اطراف ملک سے بہت سے لوگوں نے آپ کی تقریر اور اس کی تاثیر سے متعلق حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھا تو حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ عُبدالجبار کے بیان میں میری دعا شامل ہے"۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں شرکت کے لئے علماء کا ایک وفد ترتیب دیا تھا حضرت مولانا عبدالجبار صاحب بھی اس وفد میں شامل تھے۔

حضرت قدس سرہٗ کے حکم پر آپ دارالعلوم دیوبند میں عرصہ تک صدر تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کو حضرت قدس سرہ سے ایسی محبت تھی کہ قلم سے اس کا اظہار ممکن نہیں۔ شاید ہی کوئی ایسی مجلس ہو جس میں آپ حضرت قدس سرہ کا ذکر نہ کرتے ہوں۔

حضرت قدس سرہٗ کی وفات کے بعد اکثر آپ کا ذکر کرتے وقت رو پڑتے تھے جب حضرت تھانوی کے انتقال کی خبر دارالعلوم دیوبند پہنچی تو آپ ریل کا انتظار کئے بغیر پیدل ہی تھانہ بھون چل دیے باوجودیکہ راستہ میں کئی پُرخطر ندیاں آتی ہیں اور حضرت کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ آپ اپنے مواعظ میں اکثر فرمایا کرتے تھے ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

آپ ایک بہت مشہور واعظ تھے۔ قرآن پاک بہت اچھا پڑھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں جنگل میں ہوتا ہوں اور بعد نماز فجر سننے والا کوئی نہیں ہوتا تو میں درختوں سے خطاب کر کے

انہیں ترجمہ سناتا ہوں۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجاہدہ کے دوران حضرت حکیم الاُمت قدس سرہٗ نے آپ کو وعظ کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ بعد میں اجازت فرمائی تھی کہ کتاب دیکھ کر وعظ کیا کرو، پھر کچھ عرصہ بعد خود وعظ کرنے کی اجازت دے دی لیکن فرمایا کہ نظر کتاب پر ہو اور لوگ یہی سمجھیں کہ کتاب دیکھ کر وعظ کر رہے ہو۔ پھر اصلاح کے بعد اجازت وعظ دے دی اور آخر میں آپ کو خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے لئے واعظ مقرر کر دیا گیا تھا۔

جب آپ نے فاضلکا میں سکونت اختیار کی تو ابوہر میں ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی اور اس کے نام کے متعلق حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ سے مشورہ کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس کا نام "اشرف المساجد" رکھ دیا جائے کیونکہ آپ کا معمول تھا کہ اپنے خانگی امور تک کی ہر جزئیات کے لئے حضرت قدس سرہٗ سے مشورہ لیتے تھے۔ حکیم الامت قدس سرہٗ کی طرف سے جواب موصول ہوا کہ "بیت الجبار" رکھنے میں کیا حرج ہے۔ اس سے آپ حضرت قدس سرہٗ کا منشا سمجھ گئے کہ مساجد تو بجز سہ مساجد کے سب برابر ہیں پھر "اشرف المساجد" کا کیا مطلب۔ پھر آپ نے اس کا نام اشرف المساجد نہیں رکھا۔ اس کے بالمقابل حضرت کا اپنا پختہ مکان تھا جس میں بیٹھک بالاخانہ سہ دری وغیرہ بھی تھے۔ بالاخانہ میں کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا جس میں حضرت تھانوی کی تمام میسر شدہ کتابیں موجود تھیں۔

تبلیغ تو آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ حضرت حکیم الاُمتؒ نے آپ کو مجلس "دعوت الحق" کا مبلغ بنا دیا اور ضرورتِ سفر کے لئے ایک خادم بھی دے دیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد دارالعلوم دیوبند کی طرف سے تبلیغ کا کام آپ کے سپرد ہوا۔ اور آپ نے ہندوستان کے دور افتادہ علاقوں کا دورہ فرمایا۔

آپ جب بزرگانِ دین کا تذکرہ کرتے تو آپ پر وجد طاری ہو جاتا تھا اور سامعین کو تڑپا دیتے تھے جو حصہ وعظ کا بزرگان دین کے تذکرہ سے خالی ہوتا اس میں لوگوں کی آنکھیں خشک ہوتیں جونہی حضرت نے مولانا اسمٰعیل شہید وغیرہ حضرات کا ذکر فرمایا تو لوگوں کو آنسو صاف کرتے دیکھا جب آپ دیکھتے تھے کہ سامعین پر اثر کم ہو رہا ہے تو اہل اللہ کا ذکر شروع فرما دیتے بس فوراً سامعین پر سناٹا

چھا جاتا تھا۔ آپ پر سامعین کی بیجا ہلچل اور خلافِ اصول نشست و برخاست کا اثر بھی ہوتا تھا چنانچہ ایک شخص سامنے بیٹھا ہوا تسبیح پھیر رہا تھا فرمایا کہ بھائی ادب سے بیٹھو میری طبیعت بٹتی ہے جو مجبور ہو وہ آنکھوں سے اوجھل بیٹھے۔ البتہ سامعین کی کمی بیشی کا اثر نہیں ہوتا تھا۔

صرف سامعین کی دلچسپی اور توجہ چاہتے تھے۔ صبح کے درس میں عام مجمع کے وعظ سے زیادہ حظ حاصل ہوتا تھا۔ شدتِ مرض اور نہایت تکلیف میں کئی دفعہ یہ شعر پڑھے ؎

سکھ دیویں یا دکھ دیویں ہیں کون جو حضرت دم ماراں
جو دکھ دی لذت جان گئے او سکھ دے کولوں نسے فی

اثنائے ذکر میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی مناجات "گلزار معرفت" کے اشعار پڑھا کرتے تھے جیسے ؎

مرض لا علاج کی دوا کس سے چاہوں　　تو ہے شافی اور میں بیمار تیرا
کہاں جائے جس کا نہ تجھ بن ہو کوئی　　کسے ڈھونڈھے جو ہو طلب گار تیرا

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ کی خدمت میں ایک دفعہ لکھا کہ معاش کے متعلق کسی وقت ذہن میں آتا ہے کہ کوئی ذریعہ معاش اختیار کر لوں تو جواباً ارشاد فرمایا کہ تو پھر مشورہ کیجئے بس آپ سمجھ گئے کہ شیخ کا منشا اپنے ہی طرزِ طریق پر رکھنے کا ہے۔ فرمایا اس کے بعد پریشانی تو کیا کبھی خیال تک نہ آیا۔

ابوہر کی مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے رات کو درد بھری آواز میں بارگاہِ الٰہی میں درخواست کی کہ مولیٰ اپنا اور اپنے حبیبؐ کا دربار دکھلا۔ معلوم نہیں وہ آواز کسی کے کان میں پڑ گئی یا باری تعالیٰ کی طرف سے اس کو الہام ہوا کہ جب کچھ دیر بعد مسجد سے نکلے تو ایک آدمی دروازہ پر ملا کہ آپ کو حج کے لئے جتنے روپے کی ضرورت ہو حاضر ہے۔

ایک دفعہ رات کو ابوہر کے ایک جلسہ میں بمعہ اہل و عیال تشریف لے گئے جب واپس آئے تو قفل ٹوٹا ہوا پایا اور گھر کا سامان تمام صحن میں بکھرا پڑا ہے۔ حیران ہو گئے ہر ایک چیز کو سنبھالا تو

بالکل درست پایا حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کو اطلاع دی تو شیخ نے جواب تحریر فرمایا:

رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گزشت

اور ہدایت فرمائی کہ اس طرح آئندہ گھر خالی نہ چھوڑنا چاہیئے۔

حضرت کے ایک خادم تحریر فرماتے ہیں کہ ایک قصبہ میں آپ کا بیان تھا میں تہجد کے وقت مسجد میں آیا وہیں کچھ دیر ہو گئی۔ سردی کا موسم تھا۔ حضرت نے میرے بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا سردی میں وہاں کیوں بیٹھ رہے۔ نفل پڑھ کر یہاں ذکر کر لیتے۔ آپ صبح کو درس دینے کے لئے قرآن شریف دیکھ رہے تھے میں آہستہ ذکر کرنے لگا تو فرمایا اپنے حسب معمول ذکر کرو مجھ پر آواز کا اثر نہیں ہوگا۔ میں نماز مغرب کے لئے گیا، وہاں دیر ہو گئی آپ نے آواز دی میں باہر نکلا تو مسجد کے دروازے کے سامنے اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے ہیں، فرمایا ذکر دوسرے وقت بھی ہو سکتا ہے۔ حقوق العباد کا خیال رکھا کرو۔ میزبان کو روٹی کے لئے انتظار کی تکلیف ہو گی، آج دعوت ہے وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا حضرت میں علیل ہوں، کھانے میں پرہیز ہے تو فرمایا کہ شادی وغیرہ کے کھانے جو نام و نمود کے لئے ہوتے ہیں مضر ہوتے ہیں۔ مخلصانہ دعوت کا طعام نقصان نہیں کرتا۔ مجھے نئی شکایت کا ڈر تھا، سابقہ بھی کافور ہو گئی۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا صاحب کے خطوط

عرض: میرے لئے احیاء العلوم کا دیکھنا مناسب ہے یا صرف حضور کے مواعظ پر اکتفا کروں۔

ارشاد: تقدیم اس کی چاہیئے پھر تربیت السالک۔

عرض: مناظرہ سے نفع کچھ نہیں ہوتا بلکہ مخالفت زیادہ بھڑکتی ہے۔

ارشاد: بس تو ایسے شغل کو ترک کر دیا جائے۔

عرض: بفضلہٖ تعالیٰ ببرکت حضور والا ترکہ کے متعلق ہمشیرگان سے تصفیہ کر لیا ہے۔

ارشاد: مبارک ہو، اگر اولاد کی مقبوضہ جائیداد میں کوئی پھوپھی شریک ہو تو اس کا بھی ایسا تصفیہ

کر لیا جائے۔

عرض: کل دوپہر کو خواب میں حضرت نے دریافت فرمایا کہ عبدالجبار عشار کی اذان ہوگئی، مَیں نے عرض کیا نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ کہو مَیں نے اذان کہی، نماز پڑھنا یاد نہیں، مجلس میں بعض دفعہ جی بھر آتا ہے، چیخیں مار کر رونے کو جی کرتا ہے، بشکل ضبط کرتا ہوں۔

ارشاد: سب حالتیں مبارک ہیں۔

عرض: مَیں پنکھا ہلانے کے فن سے واقف ہوں، اگر اجازت ہو تو کبھی کبھی اس کام کو کر لیا کروں۔

ارشاد: بہتر۔

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب نے پنکھے کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا کہ جب پہلی دفعہ خانقاہِ امدادیہ میں حاضر ہوا تو ایک صاحب حضرت حکیم الامت کا پنکھا کھینچ رہے تھے اور حضرت کچھ تحریر فرما رہے تھے۔ مَیں نے پنجابیوں کے طریق پر بلا اجازت ان سے پنکھا لے کر زور زور سے کھینچنا شروع کر دیا۔ جب ہوا تیز ہوئی تو حضرت کے کاغذ اڑنے لگے۔ میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جب تمہیں ہلانا نہیں آتا تو بلا اجازت اس سے چھینا کیوں اب کاغذ اڑ رہے ہیں۔ میرا وقت ضائع ہو رہا ہے اس وقت معلوم ہوا کہ میں حکیم الاُمت کی تربیت کا کتنا محتاج ہوں۔

عرض: حضرت والا کا گرامی نامہ ملا۔ بے حد ندامت ہوئی کہ مَیں نے ایک اجنبی شخص کے ہاتھ دستی لفافہ بھیج دیا اور حضرت کو ناحق تکلیف پہنچائی، مجھے اپنی اس غلطی پر بے حد ندامت ہوئی اس پر مجھ کو جو صدمہ ہوا وہ مَیں ہی جانتا ہوں۔ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ ہمیشہ خط بذریعہ ڈاک بھیجا کروں گا۔ نہایت عاجزی کی عرض ہے کہ غلام کی غلطی معاف فرمائی جائے۔

ارشاد: یہ آپ کی محبت ہے مجھ کو دستی خط سے تکلیف نہیں ہوتی اس کے لفافہ نہ دینے سے ہوئی ہے۔

عرض: حضور نے گرامی نامہ میں اس ناچیز کو بیعت و تلقین کی اجازت فرمائی ہے چونکہ یہ میرے گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس لئے نعمتِ خداوندی سمجھ کر قبول کرتا ہوں اور ارادہ ہے کہ

کچھ مدت حضور کی خدمت میں رہ کر اپنی اصلاح کی سعی کر دوں، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس ارادہ کو پورا فرمائیں نہایت بے چین ہوں۔

ارشاد: دعا کرتا ہوں۔

اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا "میں تھانہ بھون محض حضرت والا کی زیارت و ملاقات کے لئے حاضر ہوا تھا۔ حضرت نے مجلس "دعوۃ الحق" کا کام سپرد فرما دیا۔ درحقیقت مجھے اللہ تعالیٰ اور پھر اپنے شیخ کی رضامندی مقصود ہے۔ قبل ازیں لکھنؤ، پٹنہ، عظیم آباد جو کہ کلکتہ کے قریب ہے اور دہلی وغیرہ کا بھی دورہ کیا ہے۔ تھانہ بھون بھی قیام ہوتا ہے۔ یہاں کی مساجد میں بھی حضرت والا کے مشورہ سے وعظ ہو رہے ہیں۔ میرے کام سے شیخ بیحد خوش ہیں تنخواہ سے انکار کیا گیا تھا مگر شنوائی نہیں ہوئی۔ مسٹر جناح اور بہت سے بڑے بڑے آدمیوں سے ملاقات کر کے ان کو تبلیغ کی گئی۔

اپنے شیخ قدس سرہٗ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار ان الفاظ میں کیا" بخدا سچ عرض کرتا ہوں کہ حضرت والا کی تعلیم اور ہر امر پہ دن بدن فریفتہ ہوتا جاتا ہوں اور محبت میں اضافہ ہو رہا ہے اگر بیوی بچوں کا جھگڑا نہ ہوتا تو اپنی عمر خانقاہ شریف کی جاروب کشی میں گذار دیتا۔ اب بھی انشاء اللہ جلدی جلدی حاضری کی کوشش رکھوں گا۔"

ایک خط میں تحریر فرمایا:" اب تو ہر وقت اپنی ناکامی پر توجہ رہتی ہے اور یہ خیال رہتا ہے کہ حضرت اقدس محض عنایت سے برگزیدہ مجلس میں بیٹھنے کی جگہ دیتے ہیں۔ ورنہ مجھ میں تو ابھی تک انسانیت ہی پیدا نہیں ہوئی۔ آہ اپنی عمر کا معتدبہ حصہ برباد کر لیا مگر الحمد للہ کہ حضور کی برکت سے خلافِ شرع امور سے نفرت آنے لگی ہے اور ارتکاب سے کراہت۔"

آپ مزاج اور لباس کے سادہ اور صفائی پسند تھے، جماعت اور خطبہ کے وقت عمامہ زیب تن فرماتے اور پابندی شرع کا یہ عالم تھا کہ خلاف شرع امور پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد اپنی مستقل رہائش ہارون آباد میں اختیار کی اور یہاں سابقہ مدرسہ اشرف المدارس کا اجرا کیا۔ ۱۶ اپریل ۱۹۵۱ء کو آپ ہمیشہ کے لئے اس دار فانی کو خیرباد کہہ گئے۔

حافظ محمد طٰہٰ

مجازِ صحبت

آپ کے والد صاحب کا نام محمد اصغر تھا۔ آپ کے خاندان کا سلسلہ حضرت عمر فاروق رضؓ تک جا ملتا ہے۔ مولوی محمد اصغر صاحب پیدائشی ولی تھے۔ آپ بیحد پابندِ شرع اور شروع ہی سے تہجد گزار تھے۔ گورنمنٹ نارمل سکول گورکھپور میں استاد تھے۔ اسی سکول میں مشہور افسانہ نگار منشی پریم چند بھی مدرس تھے۔ گھر میں ہر طرح کی خوشحالی تھی۔ حکمت بھی کرتے تھے مگر دنیا کمانے کے لئے نہیں بلکہ محض خدمتِ خلق کے لئے۔ آپ کے والد محترم شروع میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے مرید تھے۔ پنشن پانے کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے مرید ہو گئے پھر آخری عمر تک ان ہی کے مسلک پر چلتے رہے۔ آپ کے والد مرحوم نے منت مانی تھی کہ اگر میرے لڑکا ہوگا تو اس کو حافظ بناؤں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو قبول کیا اور آپ کو لڑکا عطا فرمایا اور آپ نے اپنی اس منت کو پورا کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت دین دار اور پابندِ شریعت تھیں اور وہ بھی حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے بیعت تھیں آپ کی والدہ آپ کو قرآن شریف اور دینیات کی تعلیم نماز وغیرہ کے مسائل اور دعائیں یاد کروایا کرتی تھیں۔

آپ کی پیدائش سنہ ۱۸۹۰ء میں ہوئی۔ آپ بڑے خوبصورت دُبلے پتلے انسان تھے۔

خوش پوشاک اور خوش خوراک تھے ہمیشہ سفید کپڑے پہنتے تھے۔ ملازمت کے دوران شیروانی کرتہ، شرعی پاجامہ اور کتھئی رنگ کی مخمل کی گول ٹوپی دجسے وہ خاص طور پر بنواتے تھے) زیب تن کیا کرتے تھے چوگوشہ ٹوپی گھر پر پہنتے تھے۔ حافظ صاحب رحمۃ اللہ کی شادی ضلع بلیار میں سکندر پور کے پاس ایک موضع قاضی پور میں مولانا بخشش احمد صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حافظ صاحب کو قرآن مجید حفظ کرانے میں لگا دیا۔ حافظ صاحب ۱۲ سال کی عمر میں حافظ ہو گئے۔ قرآن مجید حفظ کرنے میں ۴½ سال کا عرصہ لگا۔ بہت عمدہ یاد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آواز بھی بہت عمدہ عطا کی تھی۔ زندگی بھر قرآن شریف کا ورد کرتے رہے۔ جب تک صحتمند تھے اس وقت تک رمضان المبارک کے زمانہ میں تراویح سناتے رہے جو لوگ ان کی امامت میں تراویح پڑھتے تھے ان کا کہنا ہے کہ ان کے پیچھے قرآن مجید سننے میں کبھی جی نہیں گھبراتا تھا نہایت دل کش لہجہ تھا مقتدیوں کا دل ان کی قرأت کی طرف کھنچا جاتا تھا۔

اس کے بعد انگریزی تعلیم شروع کی اور S. L. C کا امتحان پاس کرکے محکمہ پولیس میں سب انسپکٹر مقرر ہوئے اور مراد آباد ٹریننگ کے لئے بھیج دیے گئے۔ امتحان پاس کرنے کے بعد اٹاوہ کے ایک تھانے میں سب انسپکٹر مقرر ہوئے۔ خود فرماتے تھے کہ مجھ کو شروع میں پولیس کی نوکری بہت پسند تھی" لیکن اس محکمہ میں آنے کے بعد اصلیت کا پتہ چلا اور ایک سال سے زیادہ ملازمت نہ کر سکے کیونکہ اس مدت میں نہ تو کسی ملزم کا چالان کیا اور نہ ہی مارا پیٹا۔ فرماتے تھے کہ ہم کو تو سب کیس جھوٹا معلوم ہوتا تھا تو میں کس کا چالان کرتا۔

دوستوں نے مشورہ دیا کہ آپ کورٹ انسپکٹری کا امتحان دے کر وہ نوکری اختیار کریں۔ کورٹ انسپکٹری کا امتحان دیا اور کامیابی کے بعد کورٹ انسپکٹر ہو گئے اور نہایت ایمانداری سے کام کرتے رہے۔ اپنی پوری ملازمت کے دوران کبھی کوئی ہدیہ یا تحفہ پبلک یا عوام سے نہیں لیا۔ پولیس والوں کی دعوت میں کبھی شریک نہیں ہوتے تھے۔ جب کبھی ڈی آئی جی اور یا کوئی بڑا افسر دورے پر آتا اور ان کی دعوت میں شرکت ضروری ہوتی تو گھر سے ایک لفافہ میں کچھ میوہ اور پھل لے جاتے تھے

اور دعوت میں کہیں کنارے پر بیٹھ کر جیب سے طشتری نکال کر کھاتے ایک سرکاری اردلی ملا ہوا تھا جو صبح کو آکر آپ کا بکس دفتر لے جایا کرتا تھا۔ اس سے صبح کو گوشت اور سبزی وغیرہ منگوایا کرتے تھے مگر مہینے کے بعد اس کو معاوضے میں تنخواہ ضرور دیتے تھے اور کبھی اس سے مفت کام نہیں لیا۔ کچہری ٹھیک وقت پر جایا کرتے تھے گھر سے نکل کر جیب بائیسکل پر پاؤں رکھتے تو قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دیتے۔ کچہری پہنچ کر خالی وقت میں زیادہ تر تسبیح پڑھا کرتے تھے اجلاس میں بھی بحث سے ذرا فراغت ہوئی اور تسبیح شروع کر دی۔ حکام اور کلکٹر وغیرہ سب ان کی بہت زیادہ عزت کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ سب انسپکٹری کے زمانے میں پولیس کپتان تھانہ سے پیدل گاؤں میں گیا راستہ میں عصر کا وقت ہو گیا گھبرا رہے تھے کہ یا خدا کیا ہو گا۔ اسی اثناء میں انسپکٹر پولیس کھڑے ہو کر کسی شخص سے اتنی دیر تک بات چیت کرتا رہا کہ عصر کی نماز اطمینان سے ادا فرمائی اور ان کی بات چیت کا سلسلہ جاری تھا۔ محکمہ پولیس میں اپنی دیانت داری کی وجہ سے اتنے مشہور تھے کہ بحیثیت کورٹ انسپکٹر اپنے ضلع اعظم گڑھ میں تعینات رہے جبکہ پولیس کا ایک سپاہی بھی اپنے ضلع میں نہیں رکھا جاتا ابتدائی زندگی میں سگار پیتے اور پولو کھیلتے تھے یہ شغل اس زمانہ میں عوام نہیں کر سکتے تھے۔ شکار کا بیحد شوق تھا نشانہ اتنا اچھا تھا کہ ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھ کر بھاگتے ہوئے ہرن کا شکار کرتے تھے۔ طبیعت میں نفاست بہت تھی اور کسی میلی چیز کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ علی گڑھ کا کالا کوٹ اور سفید پتلون پہنتے تھے جو علی گڑھ ہی میں سلتا تھا مگر اگست ۱۹۲۲ء میں ان کے بھائی کا اچانک انتقال ہو گیا۔ ان کے مرنے کا اتنا صدمہ ہوا کہ انگریزی لباس چھوڑ دیا۔ سیر و تفریح شکار و سگار سب ترک کر دیا۔ اسی زمانہ میں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے دربار میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد ان سے بیعت ہوئے اور پھر زندگی میں ایک تغیر آگیا۔

حضرت تھانوی سے تعلق کے بعد زندگی میں ایک انقلاب آگیا۔ اوائل نوکری میں اگر کسی سے کوئی چیز تحفہ میں قبول کی تھی تو بعد میں یاد کر کے اس کے ورثاء کا پتہ لگا کر ان کو اتنی رقم منی آرڈر

دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک بھتیجے اپنے وطن سے گورکھپور جا رہے تھے۔ حافظ صاحب نے ان کو ایک روپیہ کچھ آنے دیئے اور کہا کہ گورکھپور تک کا ایک تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے کر پھاڑ دینا۔ انھوں نے حافظ صاحب کے کہنے پر عمل کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ گورکھپور سے حافظ صاحب وطن آرہے تھے گاڑی میں بھیڑ تھی۔ آپ کے پاس تیسرے درجے کا ٹکٹ تھا۔ گاڑی چھوٹ رہی تھی، دوسرا ٹکٹ تبدیل کرنے کا وقت نہیں تھا۔ مجبوراً انٹر کلاس میں سفر کرنا پڑا۔ گاڑی میں انہیں ریلوے ٹکٹ چیکر وغیرہ نہیں ملا جس سے اپنا ٹکٹ تبدیل کراتے سفر کے اختتام پر تیسرے درجہ اور انٹر کے کرایہ میں جو فرق تھا آپ نے اِس طرح اسکو پورا کر دیا۔

کسی رشتہ دار کو سرکاری قلم یا سرکاری کاغذ پر کبھی خط نہیں لکھا اور نہ ہی نجی کام کے لئے استعمال کرتے تھے کسی ایسی جگہ سے سامان نہیں منگواتے تھے جہاں ذرا بھی شبہ ہوتا کہ پولیس میں ہونے کی وجہ سے رعایت ہوگی۔

ملازمت کے دوران کبھی کسی کو سخت الفاظ یا گالی نہیں دی کبھی شاذونادر کسی سے بگڑ جاتے تو بعد میں اس سے معافی مانگ لیتے اپنے نفس کو ملامت کرتے توبہ استغفار کرتے تھے۔

تبلیغ کی ہمیشہ فکر رہی کچھ خاص لوگوں کو بلا کر دین کی باتیں کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی گاؤں کی عورتوں کو جمع کر کے پردے سے تبلیغ دین کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے بھائی صاحب نے کہا چونکہ آپ کھانے کے بعد دودھ استعمال کرتے ہیں اس لئے ایک گائے پال لیجئے۔ آدمی بھی دیکھ بھال کے لئے موجود ہے گھاس چارہ کی افراط ہے۔ دودھ اچھا ملے گا جواب دیا کہ جتنی دیر میں گائے کی فکر کروں گا اتنی دیر خدا کی یاد میں صرف کروں گا یہ زیادہ اچھا ہے اور اسی سبب سے گائے وغیرہ کبھی نہیں پالی۔

والدین کا بے حد احترام کرتے تھے، گفتگو کرتے وقت دونوں ہاتھ باندھ کر مؤدب کھڑے ہوتے نگاہیں نیچی کر کے ہمیشہ جو کہنا ہوتا تھا کہتے۔ ہمیشہ والدین کی خدمت کی فکر رہا کرتی تھی۔ خاص طور پر والدہ صاحبہ سے بے حد محبت تھی جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے پیر کو پکڑ کر نیم بے ہوشی

کے حال میں عرصہ تک اپنے سر میں ملتے رہے اور کہتے تھے کہ ہائے اب یہ قدم کہاں ملے گا جب والد صاحب کا آخر وقت آیا تو ان کا پیشاب پاخانہ وغیرہ سب اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے تھے۔ ان ہی ایام میں ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ کے والد صاحب کے پلنگ کے نیچے پیشاب کا برتن رکھا ہوا تھا۔ آپ کے ایک بھتیجے نے چاہا کہ وہ اس کو لے جا کر پھینک دیں۔ حافظ صاحب خود دیلنے کو بڑھے کہ ان کے والد صاحب نے فرمایا کہ "کچھ اس کو بھی کمانے دو" آپ فوراً ہٹ گئے اور دروازے کی اوٹ میں جا کر کھڑے ہوئے جب وہ برتن لے کر آگے بڑھے تو آنکھوں میں آنسو بھر کر گڑگڑاتے ہوئے بولے کہ اب یہاں سے مجھ کو دیدو اور ان سے پیشاب لے جا کر خود پھینکا ایسا معلوم ہوتا کہ گویا بہت بڑی دولت مانگ رہے ہوں۔

اپنے بھائی کی وفات کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی طرف رجوع کیا۔ خط و کتابت ہوتی رہی آخر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے مجاز صحبت کی فہرست میں شامل کیا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ آپ سے بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتے۔ آپ خود فرماتے تھے کہ حضرت علیہ رحمۃ بڑی شفقت فرماتے تھے اور ہمیشہ نشاط ہی میں تعلیم دی اگر کبھی کسی وقت کسی بات پر گرفت بھی کی تو بہت تھوڑے عرصہ کے لئے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی کتابیں زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں خاص کر حضرت قدس سرہٗ کے مواعظ اور رسالہ النور ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ سال میں ایک مرتبہ چھٹی لے کر تھانہ بھون جایا کرتے تھے اپنے پیر و مرشد کی بڑی عزت و احترام کرتے اور ہمیشہ والہانہ انداز میں ان کا ذکر کیا کرتے تھے

معمولات

آخر شب میں نماز کے لئے اٹھتے نماز تہجد ادا کرتے۔ نماز میں اتنی عمدہ آواز میں تلاوت کرتے کہ روح پھڑک اٹھتی تھی۔ دعا میں خوب گڑگڑاتے تھے اور روتے تھے۔ تہجد کی نماز کے بعد فجر کی نماز تک ذکر میں مشغول رہتے پھر نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہیں سے نکل کر تھوڑی دیر ٹہلنے کے لئے چلے جاتے۔ اس دوران تلاوت قرآن زبان پر جاری رہتی واپسی

کے بعد پون گھنٹہ کے قریب تلاوت کلام پاک کرتے پھر نماز چاشت ادا کرتے گیارہ بجے تک حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ملفوظات دیکھتے کھانے کے بعد ظہر تک کلام پاک و مناجات مقبول پڑھتے پھر عصر تک ذکر میں مشغول رہتے، نماز عصر کے بعد تھوڑی دور ٹہلنے جاتے اس دوران کلام پاک کی تلاوت کرتے رہتے۔ بعد نماز مغرب ایک گھنٹہ تک اسم ذات کا ذکر جہر کرتے۔

علالت کی وجہ سے مسلسل چھ سال تک روزے نہیں رکھے لیکن بڑی پابندی کے ساتھ فدیہ ادا کرتے تراویح کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی شوق کا یہ عالم تھا کہ رات کو کھانے کے بعد جب تھوڑی دیر کے لئے آرام فرماتے تو کہتے کہ آج معلوم ہوتا ہے کہ تراویح پوری نہیں پڑھ سکوں گا لیکن جہاں اذان کی آواز آئی فوراً اٹھ بیٹھتے۔ وضو کے بعد کمر میں رومال باندھتے اور مسجد میں پہنچ جاتے، چار یا آٹھ تک کھڑے ہو کر پڑھتے پھر بیٹھ کر ادا کرتے۔ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے کہ اس نے اتنی ہمت دے دی کہ تراویح پوری کر لی۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا وصی اللہ صاحب فتح پوری سے بہت زیادہ تعلق ہو گیا تھا۔ کوئر پا پار سے فتح پور برابر جایا کرتے تھے اور کئی کئی روز قیام فرماتے حضرت مولانا فتح پوری آپ کا بے حد خیال کرتے تھے اور حد سے زیادہ شفقت فرماتے۔ مجلس میں ہمیشہ اپنے ساتھ یا اپنے بالکل سامنے بٹھاتے۔

اِنتقال

آخر وقت میں ہر لمحہ زبان پر ذکر جاری رہتا۔ سورۃ یٰسین پڑھنے کا بہت اہتمام رکھتے جو لوگ بھی عیادت کے لئے آتے ان سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگتے اور خاتمہ بالخیر کی دعا کرواتے۔ ۱۷؍جون ۱۹۶۰ء کو آپ کو گلوکوز چڑھایا گیا۔ اس کا اثر غلط ہو گیا۔ حالت بہت خراب ہو گئی۔ مرتے وقت خواہش کی کہ مجھے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں دفن کیا جائے۔ ۱۸؍جون ۱۹۶۰ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

مولانا محمد عیسیٰ

مجاز بیعت

آپ کے والد صاحب کا نام میر سید خیرات علی تھا۔ آپ سادات کے زیدی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی پیدائش ضلع الٰہ آباد تحصیل سورام کے ایک موضع محی الدین پور میں ۱۸۸۲ء کو ہوئی آپ کشیدہ قامت تھے۔ بدن چھریرا رنگ گورا چہرہ قدرے لانبا کم گوشت کر پُر ہیبت آنکھیں چھوٹی۔ آپ بچپن ہی سے روزہ، نماز کے بہت پابند اور دین کی طرف مائل تھے اپنے گھر پر قرآن کریم ناظرہ ختم کرنے کے بعد دیہی سکول میں اردو مڈل تک پڑھی پھر انگریزی پڑھنے لگے۔ ۱۹۰۲ء میں آپ بی اے میں پڑھتے تھے کہ حسنِ اتفاق سے حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ الٰہ آباد تشریف لائے اور ریلوے اسٹیشن کے قریب مسجد شیخ عبداللہ میں مقیم ہوئے آپ کو حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے غائبانہ عقیدت پہلے سے تھی اب جو زیارت اور ملاقات کی اور وعظ میں شرکت کی تو دل دنیا سے اچاٹ ہوگیا فکر آخرت کا غلبہ ہوگیا اور آپ نے فیصلہ کرلیا کہ بس اب یہ انگریزی تعلیم کا آخری سال ہے اس کے بعد مجھے انگریزی نہیں پڑھنی ہے۔ یہ سوچ کر اپنے نفس کی تنبیہ و تذکیر کے لئے چند پرچوں میں یہ لکھ کر کہ "اے نفس مجھے ایک بڑے امتحان (حشر) کی بھی تیاری کرنی ہے اس لئے اس چھوٹے امتحان (بی اے) کی تیاری جو کچھ کر سکے بس اسی سال کرلے یہ اس امتحان کا آخری سال ہے۔ اس کے بعد اب موقعہ نہ دیا جائے گا" اپنے کمروں کی دیواروں پر کئی جگہ چسپاں کرلیا۔ ایک پرچہ میز پر چپکا لیا تاکہ ہر وقت یہ بات ذہن اور نظر کے سامنے

رہے۔ امتحان میں شریک ہوئے مگر کامیاب نہ ہو سکے اس کے بعد سی ٹی کا امتحان دیا جس سے فوراً آپ کو گورنمنٹ ہائی سکول فتح پور میں ماسٹری مل گئی اور انگریزی پڑھانے لگے چونکہ آپ کو آخرت کی دھن لگ گئی تھی اس لئے آپ نے فتح پور کے مشہور عالم مولانا نور محمد صاحب (خلیفہ اجل شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی) سے درخواست کی کہ میں عربی درسیات فقہ و حدیث پڑھنا چاہتا ہوں مگر سرکاری ملازمت کی وجہ سے عربی مدرسہ کے اوقات اسباق میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ مولانا نور محمد صاحبؒ نے آپ کی رعایت سے متعلقہ کتابوں کے اسباق عصر سے متصل مقرر کر دیے۔ آپ نے وہاں اطمینان سے درسیات پڑھیں بعد میں آپ کا تبادلہ شہر لکھنؤ میں ہو گیا تو آپ نے وہاں بھی فرنگی محل کے ایک عالم مولانا عبدالباری سے باقی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۲۲ء میں آپ نے عربی فارسی کی پروفیسری قبول کی جس پر آخر تک قائم رہے۔ ۱۹۳۶ء میں پنشن پائی۔

۱۹۰۲ء میں جب حضرت تھانوی قدس سرہٗ الٰہ آباد تشریف لائے تو اس وقت آپ نے بیعت کی۔ پھر تھانہ بھون جا کر چالیس دن تک قیام کیا اور یکسوئی کے ساتھ ذکر و شغل میں لگ گئے۔ توفیقِ الٰہی نے مرشدِ کامل کی توجہ خاص اور ریاضت شاقہ کی شکل میں ظہور کیا اور آپ نے بہت جلد سلوک کے منازل طے کر لئے یہاں تک کہ حضرت تھانویؒ قدس سرہٗ نے آپ کو غالباً ۱۹۱۲ء میں خلافت عطا کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے متعلق فرمایا تھا "مولوی عیسیٰ پر زہد کا بہت غلبہ ہے"۔ اسی لئے حضرت تھانوی نے سب سے زیادہ طالبین اور مسترشدین آپ ہی کے سپرد کئے تھے۔

آپ بیعت سے پہلے شیروانی پہنتے تھے۔ بیعت کے بعد سے آپ نے سادہ عبا پہننی شروع کر دی تھی آپ کا ریاض اتنا بڑھا ہوا تھا کہ فتح پور میں جب آپ مولانا نور محمد صاحب سے درسیات پڑھتے تھے اس وقت کے آپ کے ایک ہم سبق مولوی محمد صادق صاحب ناقل تھے کہ "جب استاد سبق کی تقریر فرماتے اور ہم لوگ خاموش رہتے میں مولانا محمد عیسیٰ صاحب کے پاس بیٹھتا تھا تو صاف سنائی دیتا تھا کہ مولانا صاحب کا قلب ذکر کر رہا ہے"۔ آپ نے ۱۹۱۶ء میں مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کے ہمراہ حج کیا۔ ۵۰ سال کی عمر میں حفظ قرآن کا شوق پیدا ہوا چونکہ آپ کو تلاوت قرآن سے

خاص شغف تھا اس لئے بہت جلد حفظ کر لیا اور کئی سال رمضان میں محراب بھی سنائی۔ آپ کا معمول تھا کہ روزانہ بعد نماز فجر ایک منزل تلاوت فرماتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر میں کوئی دوسری کتاب پڑھتا ہوں تو جلد سر میں درد ہونے لگتا ہے لیکن اگر تلاوت قرآن کرتا ہوں تو چاہے سارا دن پڑھتا رہوں نہ سر میں درد ہوتا ہے نہ طبیعت اکتاتی ہے۔ ایک بار وطن سے ملازمت پر بذریعہ ریل جانے لگے اسٹیشن پر اس وقت پہنچے جب ریل آچکی تھی اور چھوٹنے ہی والی تھی آپ کے پاس سامان مقررہ وزن سے زیادہ تھا وزن کرا کر محصول دینے کا موقع نہ تھا گھبراہٹ میں ٹکٹ لے کر ریل میں تو بیٹھ گئے مگر خلافِ شریعت زیادہ سامان بلا محصول لے جانے پر دل بے چین تھا۔ خدا سے دعا کی کہ اس معصیت سے بچنے کی کوئی سبیل نکال دیجئے کہ اچانک ذہن میں آیا کہ جہاں ریل سے اترنا وہاں سامان کا وزن کرا کر محصول ادا کر دینا۔ آپ نے یہی کیا مگر رات کا وقت تھا ٹکٹ کلکٹر نے سامان تولنے سے انکار کر دیا اور کہا جائیے لے جایئے آپ نے فرمایا آپ کو خلافِ قانون اس کی اجازت دینے کا کیا حق ہے وہ پھر بھی تیار نہیں ہوا تو آپ نے خود سامان تولا اور جتنا وزن زیادہ تھا اتنی رقم کا ریل کا ٹکٹ خرید کر پھاڑ کر پھینک دیا اور اس طرح حقوق العباد اور صفائی معاملہ کا بہترین نمونہ اپنے عمل سے دکھایا۔ جب آپ الٰہ آباد تبدیل ہو کر آئے تو آپ کی اہلیہ نے اپنے مال سے ایک مکان خریدا۔ آپ بھی اسی مکان میں رہنے لگے مگر بیوی سے کہا کہ چونکہ تمہارا ٹھہرانا میرے ذمہ ہے اس لئے میں اس مکان میں اس شرط پر رہوں گا کہ مجھ سے اس کا کرایہ لو کیونکہ مکان تمہاری ملکیت ہے چنانچہ مدت العمر دس روپے ماہوار مکان کا کرایہ دیتے رہے۔

۱۹۴۰ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ علاج سے وقتی افاقہ ہو گیا مگر دماغ پر آخر تک اثر رہا۔ آخر بغرض علاج اپنے پیر بھائی حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب کے پاس جونپور تشریف لے گئے اور وہیں بعمر ۶۳ سال اپنے مرشد کے انتقال کے صرف ۸ ماہ بعد ۲۵ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۴۴ء بروز شنبہ جونپور میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

مولوی عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

مجازِ صحبت

مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے والد کا نام سید عبدالرزاق تھا۔ آپ کا شغل عدالت میں پیش کاری تھا۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب پٹنہ میں ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ پٹنہ ہی سے ایم اے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ ایام کالج سے ہی نماز، روزہ کے پابند تھے ۱۹۲۱ء میں سخت بیمار پڑے اور زیست کی امید نہ رہی لیکن قدرتِ خداوندی سے دوبارہ صحت یاب ہوئے تب ہی سے مذہبی رنگ چڑھ گیا۔ داڑھی رکھ لی۔ قرآن کی تلاوت روزانہ ہونے لگی۔ کچھ دنوں بعد قرآن مجید کے معنی سمجھنے کا شوق ہوا۔ عربی سے بالکل ناواقف تھے۔ ایک مولوی صاحب کو اچھی تنخواہ دے کر قرآن بامعنی پڑھنے لگے جب کچھ استعداد ہوگئی تو حدیث کا سبق بھی لینے لگے۔ آدمی بڑے محنتی تھے وکالت عروج پر تھی کام اتنا تھا کہ کسی وقت بھی آرام سے بیٹھنے کا موقع نہ ملتا تھا مگر پھر بھی اپنے معمولات میں کبھی فرق نہ آنے دیتے تھے۔

۱۹۳۲ء میں مولانا منفعت علی صاحب وکیل جو کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے مجاز صحبت تھے ان کے ہمراہ حج کیا۔ آپ مولانا سہول عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونا چاہتے تھے مگر مولانا عثمانی نے فرمایا کہ تمہیں حضرت تھانوی قدس سرہ سے نسبت معلوم ہوتی ہے چنانچہ مولانا منفعت علی صاحب کی ترغیب سے ۱۹۳۳ء کے لگ بھگ تھانہ بھون پہنچے۔

تقویٰ و طہارت

حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے تعلق سے قبل بھی آپ وکالت کے پیشے کو چھوڑنا چاہتے تھے، پہلی مرتبہ جب مولوی منفعت علی صاحب کے ہمراہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو ان سے فرماتے تھے کہ "ہمارا کیا حج ہے ہم تو اس پیشے میں ملوث ہیں ہمیں یہ پیشہ چھوڑ دینا چاہیئے" زکوٰۃ نہایت پابندی سے ادا کرتے تھے اور بنک میں اپنا اکاؤنٹ ہمیشہ کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھا اور سود کی رقم کبھی نہیں۔ دو مرتبہ حج کیا لیکن دونوں مرتبہ حج کے لئے ادھار رقم لے کر حج کیا ہمیشہ خود تھرڈ کلاس میں سفر کرتے لیکن اپنے بچوں کو انٹر کلاس میں بٹھاتے تھے۔ آپ نے اپنے ہم عصر وکیلوں کو اپنی کوششوں سے نماز کا عادی بنا دیا اور ان کا رُخ مذہب کی طرف پھیر دیا۔

بہت ہی سادہ زندگی بسر کرتے تھے حالانکہ آپ کی آمدنی ۳۰ ہزار روپے سالانہ کے لگ بھگ تھی۔ موٹر رکھی ہوئی تھی مکان بہت بڑا اور خوبصورت بنوایا تھا مگر اس میں آرائش کا ایک سامان بھی نہیں تھا۔ آپ کھدر کے کپڑے پہنتے تھے لیکن حضرت حکیم الاُمت قدس سرہٗ نے منع فرمایا اور کہا کہ تم اپنی حیثیت کے مطابق کپڑے پہنا کرو حقوق العباد کا خاص خیال رکھتے تھے۔ سوتیلی ماں اور سوتیلے بہن بھائیوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ رکھا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے بیحد محبت تھی۔ حضرت قدس سرہٗ سے تعلق کی بنا پر اپنی لڑکی کا نام اشرف النساء رکھا۔ ہر چیز میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے رائے دریافت فرماتے تھے، عدالت میں جب بھی چھٹی ہوئی فوراً تھانہ بھون کا رُخ کیا۔ فرماتے تھے کہ اگر تھانہ بھون میں ٹیلیفون ہوتا تو حضرت قدس سرہٗ سے ہر وقت باتیں کرتا رہتا۔ بیعت کرنے کے بعد برابر اس کا خیال رکھتے تھے کہ کوئی حرکت حضرت قدس سرہٗ کی مرضی کے خلاف نہ ہونے پائے۔ روپے سے ان کو بالکل محبت نہ تھی مگر اس کی قدر ضرور تھی۔ ایک مرتبہ اپنے ایک رشتہ دار سے قسم کھا کر فرمایا کہ جتنی پاخانے میں جا کر انسان کو کراہت ہوتی ہے اس سے زیادہ کچہری جانے میں ہوتی ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے ان کو جو عشق و محبت تھی اس کا تذکرہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پرچہ معرفتِ حق

(اپریل ۱۹۶۷ء) میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"ایک وکیل صاحب پٹنہ سے حضرت مولانا کے یہاں تشریف لاتے تھے اور حضرت کو بہت مانتے تھے ان کا انتقال حضرت کے سامنے ہی ہو گیا۔ حضرت نے ان کی تعزیت میں خط بھیجا اور ہم لوگوں کو دکھایا۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ میرا ماننے والا میری قدر پہچاننے والا میرا قدردان اٹھ گیا۔ ایسا لفظ حضرت نے کسی کو نہیں لکھا"

آپ کی شادی ۱۹۱۱ء میں سر فخرالدین کی صاحبزادی سے ہوئی دعوتِ ولیمہ میں تمام لوگوں کو فرش پر بٹھایا خواجہ محمد نور صاحب جو کہ پٹنہ ہائی کورٹ کے جج تھے ان کے ساتھ ان کے چپراسی کو بٹھا کر کھانا کھلوایا۔

جب ان کے بڑے لڑکے کی شادی ہوئی تو اس میں انہوں نے تکلف نہیں کیا اور تمام روپیہ کو قریب کی ایک ویران مسجد کی مرمت میں صرف کر دیا۔ ان کی کوششوں سے مسجد میں لوگ آنے لگے اور مسجد اس وقت سے اب تک آباد ہے۔

۱۹۳۹ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آخری بار جب تھانہ بھون حاضر ہوئے تو حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "مولوی عبدالرحمٰن آخری بار جب تھانہ بھون حاضر ہوئے تو انھوں نے قابل رشک عبادت، ریاضت اور مجاہدہ کیا"

اس سفر سے آتے ہی ان کو بخار آگیا اور ہفتہ عشرہ بیمار رہ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

مولانا بخشش احمد

مجازِ صحبت

آپ کا اصل نام محمد تھا اور عرفیت بخشش احمد تھی اور اسی سے مشہور ہوئے۔ آپ اعظم گڈھ یوپی کے ایک گاؤں موضع کوٹریا پار میں غالباً ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندانی شجرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فاروقی النسل تھے۔ والدہ کی طرف سے آپ سید تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محمد حسن فاروقی سے حاصل کی۔ اس کے بعد ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ مئو محلہ اورنگ آباد میں مولانا ابوالحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو حضرت تھانویؒ قدس سرہٗ کے شاگرد تھے۔ تقریباً چار سال تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں اپنی تعلیم مکمل کی چونکہ بچپن سے ولی صفت تھے اس لئے جہاں بھی رہے سب نے ان کی تعریف کی حتیٰ کہ گاؤں کے غیر مسلم بھی آپ کے بے حد معتقد تھے دیوبند میں جب تک تعلیم حاصل کرتے رہے اکثر حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے ہاں تھانہ بھون تشریف لے جاتے رہے۔

دارالعلوم سے سندِ فراغ حاصل کرنے کے بعد تھانہ بھون میں مقیم ہو گئے مگر ہمیشہ اپنے آپ کو نااہل سمجھتے ہوئے کبھی حضرت تھانویؒ سے بیعت کی درخواست نہیں کی۔

اس کے بعد آپ گورکھپور تشریف لائے اور مدرسہ انجمن اسلامیہ میں مدرس ہو گئے۔ مولانا نہایت خود دار اور سکنت پسند تھے اور مشاہرہ لینے سے اعراض فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنی تعلیمی خدمات کے زمانہ تک حق الخدمت خود نہ لیا بلکہ آپ کے ایک قریبی رشتہ دار قبض الوصول پر دستخط کر کے مولانا

کے اہل وعیال کے لئے حق الخدمت وصول کر لیتے اور بچوں کے حوالے کر دیتے۔ مولانا درس کا فریضہ بڑی تندہی اور اوقات کی پابندی سے ادا کرتے تھے اور اپنے سے وابستہ متعلمین کو بڑی دلجوئی اور محبت سے تعلیم دیتے تھے۔ آپ اپنے زہد وتقویٰ کے باعث عوام وخواص میں کافی ہر دلعزیز تھے۔ عبادت و ریاضت ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ آپ کی خوش کلامی سے لوگ مسحور ہو جاتے تھے لیکن شریعت کا اتنا پاس تھا کہ لغو ولاطائل کلام ومزاح سے اپنا دامن ہمیشہ بچاتے تھے جس کی وجہ سے ناسمجھ لوگ مولانا کو زاہد خشک سے معنون کرتے۔

آپ اچھے خوش نویس بھی تھے مگر کبھی پریس کا کام نہیں کیا کیونکہ اکثر باتیں غلط بھی لکھی جاتی ہیں۔ آپ کی کتابت کے استاد شہر ہی کے منشی دین محمد صاحب تھے وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس پر ناز ہے کہ میں نے مولانا کو کتابت سکھائی ہے اگر قیامت میں اللہ تعالیٰ مجھ سے اعمال کا حساب لیں گے تو میں حضرت مولانا بخشش احمد صاحب کو پیش کر دوں گا مولانا کے متعلق سنا گیا کہ کسی وجہ سے آپ نے انجمن سے کئی ماہ کا مشاہرہ نہیں لیا اور وہاں سے مستعفی ہو گئے۔ اس کے بعد مخلص لوگوں نے محلہ قاضی پورہ خورد میں مدرسہ سعیدیہ قائم کر کے ان کو مدرسہ میں بلانا چاہا۔ آپ نے بہت سی شرائط کے ساتھ اس کو قبول کیا۔ ان شرائط میں یہ بھی تھا کہ مدرسہ میں جب میرے ملنے والے آئیں گے تو ان سے باتیں کروں گا اور جب بیمار ہوؤں گا تو لڑکوں کو گھر پہ ہی پڑھاؤں گا۔ چونکہ آپ تنفس کے مریض تھے اور یونانی علاج برابر کراتے تھے احباب مشورہ دیتے تھے کہ انگریزی علاج کرائیں مگر ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ اس میں شراب کی آمیزش رہتی ہے اس لئے دل گوارا نہیں کرتا۔

اپنے والد صاحب کے انتقال کے بعد جن لوگوں کا کچھ بھی پیسہ قرض تھا سب سے پوچھ پوچھ کر ادا کر دیا، اور خود بھی مقروض نہیں ہوئے اگر کبھی اتفاق ہوا بھی تو اپنی زندگی ہی میں سب کے قرض سے سبکدوش ہو گئے۔ روسا سے اختلاط نہیں رکھتے تھے آپ ہنستے بہت تھے مگر قہقہہ نہیں لگاتے تھے۔ آپ کے احباب آپ سے مزاح بھی کرتے تھے اور ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ مجھے زیادہ مانتے ہیں آپ فطرۃً خلوت پسند تھے اور کم خوردن وکم گفتن وکم خفتن پر ہمیشہ مداومت رکھتے تھے۔ امامت بہت

مشکل سے کرتے تھے وعظ بھی شاذ و نادر ہی کرتے تھے جو بلیغ و مؤثر ہوتا تھا اور لوگ بے حد محظوظ ہوتے تھے۔ علماء کی نگاہ میں بھی ہر دلعزیز تھے اور سب ادب کرتے تھے۔

نماز سے آپ کو خاص شغف تھا، چنانچہ نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد عشاء تک صلوٰۃ الاوابین اور وظائف میں مشغول رہتے اور بعد نماز عشاء گھر آکر کھانا تناول فرماتے تھے احباب کا کہنا ہے کہ سخت علالت میں بھی حتی الوسع نماز کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اور چار رکعت نماز تقریباً دس منٹ میں پوری کرتے تھے، اور دورانِ نماز ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ بالکل تندرست ہیں۔

چونکہ آم کی بیع عموماً شرعاً ناجائز ہوتی تھی اس لئے جب کبھی کہیں سے ہدیہ میں آم آتا تو آپ تناول نہیں فرماتے تھے ہاں کسی معتمد علیہ نے خاص طریقہ سے یہ کہہ دیا کہ میں اپنے باغ کا آم محض آپ کے لئے لایا ہوں تو تحقیق کے بعد تناول فرماتے تھے۔

آپ کا توکل مشہور ہے۔ مدرسہ سعیدیہ میں آپ کو ۲۵ روپے ملتے تھے اور اس میں دو گھروں کا کرایہ زندگی کے پورے اخراجات فارغ البالی کے ساتھ پورے ہوتے تھے۔ وطن میں اپنا آبائی مکان گر گیا تھا، اس لئے اپنے گھر کے اصرار پر مکان بنوانے کے لئے راضی ہوئے اور اپنے بہنوئی سے کہا کہ میں پیسہ دے دوں گا آپ مکان بنوادیں، وہ رضامند ہو گئے اور مکان آہستہ آہستہ بننے لگا مگر شہر میں اس کا کسی کو علم نہ ہو سکا۔ نہ معلوم کس طرح ایک رئیس صاحب کو اطلاع ہو گئی جو آپ کے بے حد معتقد تھے اور آپ بھی ان کو مانتے تھے، نہایت اخلاص سے ۲½ سو روپے کی تھیلی ہدیہ میں پیش کی جس کو آپ نے نہایت استغنا کے ساتھ قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر ان کے بار بار اصرار اور اخلاص کو دیکھ کر مجبوراً تھیلی لے لی۔ وہ رئیس صاحب کسی ضرورت سے لکھنؤ تشریف لے گئے کئی روز کے بعد جب وہ واپس آئے تو ان کی اہلیہ نے ان سے کہا کہ مولانا صاحب نے ایک تھیلی دی ہے جس کو میں نے صندوق میں ڈال دیا ہے وہ چونکے اور کہا کہ تھیلی فوراً حاضر کرو جب تھیلی آئی تو معلوم ہوا کہ وہی تھیلی ہے اور پورا روپیہ بھی موجود ہے یہ دیکھ کر ان کو تعجب ہوا اور پھر

تنہائی میں مولانا صاحب سے ملے اور شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کیا کروں بھائی میرا دل ہی قبول نہیں کرتا؟ یہ سُن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اور کہا کہ مولانا، اللہ کے واسطے جب جنت میں آپ کو جگہ ملے تو تھوڑی سی جگہ مجھے بھی دلوا دیجئے گا۔

آپ پر خشیت الٰہی کا غلبہ تھا، ایک دفعہ آپ کے چند عزیز جو ساتھ ہی دیوبند سے فارغ ہوئے تھے آپس میں عالم کے فضائل بیان کر رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے، مولانا یہ تمام گفتگو سن رہے تھے، آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ کسی بات میں مواخذہ فرمالیں اور فرشتوں کو حکم دیں کہ ان کو جہنم میں لے جاؤ تب کیا کیجئے گا۔ سب لوگ دم بخود ہو گئے۔ آپ ذی رحم محرم کے علاوہ ہر عورت سے پردہ فرماتے تھے، حتیٰ کہ اپنی حقیقی سالی سے بھی پردہ فرماتے تھے اگر کسی کی شادی خلاف شرع طریق پر ہوتی تھی تو اس کی دعوت قبول نہیں فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ گاؤں میں ایک عزیز کی بہت دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ گاؤں کے لوگ پلاؤ زردہ کھا رہے تھے مگر مولانا ایک کونے میں بیٹھ کر نہایت استغنا کے ساتھ نمک روٹی تناول فرما رہے تھے جن لوگوں کی آمدنی مشکوک ہوتی تھی ان کی دعوت بھی قبول نہیں فرماتے تھے۔ آپ کے بہنوئی محکمہ پولیس میں ملازم تھے جب آپ ان کے یہاں تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھ نمک، مسالہ، آٹا چاول سب کچھ لے جاتے تھے اور اپنی بہن سے فرماتے کہ بہن اس کو الگ پکانا اور چپکے سے برتن دکھا کر دسترخوان پر لگا دینا تاکہ میں ان کے ساتھ بیٹھ کر کھالوں۔

مشرقی اضلاع میں عموماً یہ رواج ہو گیا تھا کہ مسلمانوں میں بھی غیر مسلموں کی طرح لڑکیوں کو غیر منقولہ جائیداد میں تخریجِ شرعی کے مطابق حصّوں سے محروم رکھا جاتا تھا۔ آپ بھی قدرے جائیداد غیر منقولہ کے حصہ دار تھے جو وراثۃً ملی ہوئی تھی۔ اتفاق سے مولانا کی ایک بہن بھی تھی جو آپ کے والد بزرگوار کی عین حیات تک اپنے حق شرعی سے بے دخل تھیں، لیکن مولانا نے اپنے زمانہ میں پٹواری سے کہہ کر بہن کے نام ان کے حق و حصّہ کا داخل خارج کرا دیا تاکہ مواخذہ اخروی سے سبکدوشی حاصل ہو جائے۔

آپ کے نکاح کے وقت جب حق مہر گیارہ سو روپیہ موجل بتایا گیا تو آپ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اتنا روپیہ نہیں دے سکتا تو اس وقت آپ کے بہنوئی نے کہا کہ قبول کر لیجئے میں انشاءاللہ اس کا انتظام کر دوں گا۔ اس کے بعد آپ نے نکاح قبول فرمایا اور حق مہر میں اپنی پوری جائیداد اپنی اہلیہ کو ہبہ کر دی۔ آپ اپنے گھر میں بھی کوئی کام خلاف شریعت برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک بار اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں میرے ساتھ منسوب کیا؛ ورنہ اگر ایسی عورت ملتی جو شرع کے خلاف کام کرتی تو میں اس کو کبھی اپنے ساتھ نہ رکھتا اور طلاق دے دیتا۔ آپ کی اہلیہ بھی اپنے وقت کی نہایت عبادت گزار خاتون تھیں۔ اور پردہ کا اتنا خیال رکھتی تھیں کہ ذی رحم محرم کے علاوہ عزیزوں میں جو بھی سن بلوغ کے قریب پہنچتا اس سے صاف فرما دیتیں کہ اب تم بڑے ہو گئے اب تم سے پردہ کروں گی۔

آپ رشد و ہدایت وتحصیل فیض باطنی کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرصہ تک حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر رہے۔ کچھ عرصہ بعد حکیم الامت قدس سرہٗ نے اپنے فیوضِ باطنی سے فیض یاب کیا۔ تھانہ بھون میں آپ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کا کھانا حضرت کے دولت کدہ سے اپنے سر پر رکھ کر لاتے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت حکیم الامت نے مولانا کو اپنا مرید بنانے سے توقف فرمایا آپ بہ ہزار حسرت ویاس گھر تشریف لائے اور دینی تعلیم کی تدریس میں مشغول رہے تقریباً دس سال کے بعد حضرت حکیم الامت کا پیغام نامۂ خلافت غیر متوقع طور پہ مولانا کو موصول ہوا جو باعث صد ہزار انبساط و مسرت ہوا لیکن آپ نے حکیم الامت کی خدمت عریضہ ارسال فرمایا کہ "حضرت والا میں تو آپ کی ارادت سے بھی محروم رہا پھر خلافت کا متحمل کیسے ہو سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میرے نام کا کوئی اور ہو جس کو خلافت نامہ بھیجا گیا ہو" حضرت نے فرمایا: اگر اب تک میرے مرید نہ ہوئے تو کیا مضائقہ اب کامل ارادت و خلافت تفویض کی جاتی ہے خدا مبارک کرے۔

آپ ہمیشہ گاڑھے کا کرتہ، پاجامہ اور لدھیانہ جوتا استعمال کرتے تھے شکل وصورت سے بھی کوئی وجاہت نہیں پائی جاتی تھی مگر پھر بھی لوگوں کے قلوب آپ کی طرف مائل ہوتے تھے آپ کے برادر نسبتی مولانا سید عبدالحمید صاحب فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کا نفس پیدا ہی نہیں فرمایا آپ کے ایک دوست نے فرمایا کہ ایک بزرگ نے ایک مرتبہ دورانِ گفتگو میں مولانا بخشش احمد صاحب کے متعلق فرمایا کہ وہ گورکھپور کے قطب بنا دیے گئے ہیں اور وہ گورکھپور چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ گورکھپور چھوڑ کر کہیں نہیں گئے۔

آخری وقت میں موضع کوٹھیا ضلع اعظم گڑھ تشریف لے گئے وہیں امراض میں اضافہ ہو گیا۔ ۱۹۴۲ء میں ۸۱ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

مولوی محمود الحق حقی

لمحاتِ صحبت

مولوی محمود الحق حقی میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ایم اے او کالج علی گڑھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وکالت کا آغاز کیا اور جلد ہی ضلع کے نامور اور مشہور وکلاء میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ وکالت کا کام اس قدر چل نکلا کہ تین چار کلرک کام کرتے تھے۔ موکلوں کا ایک ہجوم آپ کے پیچھے دوڑتا پھرتا تھا۔ اس تمام مصروفیت کے باوجود آپ دینی اور فلاحی کاموں میں پیش پیش ہوتے تھے۔ ہردوئی میں انجمن اسلامیہ کے نام سے ایک انجمن قائم کی تھی جس کے مقاصد میں مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی تعلیم اور یتیموں اور بیواؤں کی امداد شامل تھی۔ اپنے ضلع میں کوشش کر کے بہت سے دینی مدارس اور سکول قائم کیے اسی لیے ہردوئی کے سرسید کہلاتے تھے۔ اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے اعزا، اقربا، علماء، یتیموں اور بیواؤں پر صرف کرتے تھے اور کسی کو معلوم نہیں ہونے دیتے تھے۔ ہر شخص کو اپنے اخلاقِ حسنہ سے اپنا گرویدہ بنا لیتے نہ تو کسی کی غیبت کرتے اور نہ ہی کسی سے سخت کلامی کرتے حتیٰ کہ جن لوگوں نے کبھی آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو ضرورت کے وقت ان کی بھی مدد کرنے سے عذر نہ کرتے۔

ایک زمانے میں آپ نے صبح کی نماز کے وقت لوگوں کو جگانے کی تحریک شروع کی۔ طالبعلمی کے زمانہ میں بھی نماز کا خاص خیال رکھتے۔ بنارس میں طالب علمی کے دوران یہ مشہور ہو گیا کہ اگر آپ کسی مریض پر دم کر دیں تو اسے صحت ہو جاتی ہے۔ اس شہرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسجد کے باہر دو طرفہ قطار لگا کر

کافی لوگ جمع ہو جاتے تھے اور آپ لوگوں پر پھونکتے ہوئے باہر نکلتے۔ شفا کی اس تاثیر کی وجہ سے ان کا لقب حکیم جی پڑ گیا تھا بعد میں ایک بزرگ کے کہنے سے پھونکنا بند کر دیا۔

حقوق العباد کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اپنی اولاد میں سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتے جس کی وجہ سے ہر ایک اپنے کو آپ سے نزدیک ترین سمجھتا تھا۔ طبیعت میں خلوص اور مروت بے انتہا تھی۔ دوستوں کا خاص خیال رکھا کرتے تھے اور ان کی خاطر اپنے نقصان کی بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ زہد و تقویٰ روزمرہ زندگی کا جزو تھا۔ زندگی بہت ہی سادہ طرز پر گذارتے۔ ایک مرتبہ گھر میں گفتگو ہوئی کہ لوگ کس طرح بظاہر قلیل آمدنی کے عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اس پر حساب لگا کر کہنے لگے کہ میری اپنی ذات پر دو روپیہ یومیہ خرچ ہے۔ مجھے خدا اس سے کہیں زیادہ دیتا ہے پھر میں دوسروں کی خاطر اپنی عاقبت کیوں خراب کروں۔

آپ کو حضرت تھانوی قدس سرہ سے عشق تھا۔ آپ سے برابر خط و کتابت جاری رہتی۔ جوں ہی فرصت ملتی فوراً حضرت کی خدمت میں تھانہ بھون پہنچ جاتے۔ حضرت قدس سرہ کے ملفوظات کا مطالعہ بڑے ذوق و شوق سے کرتے تھے۔ آپ کی بیوی اپنے لڑکے مولانا ابرار الحق صاحب کی شادی اپنے خاندان میں کرنا چاہتی تھی مگر جب آپ کو حضرت قدس سرہ کی مرضی و منشا یہ معلوم ہوئی کہ آپ ان کی شادی ڈاکٹر احمد علی شاہ کی صاحبزادی سے کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اپنے خاندان والوں کی مرضی و منشا کے خلاف حضرت حکیم الامت کی خواہش پر عمل کرتے ہوئے وہیں شادی کر دی۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ بھی آپ کا بہت خیال رکھتے تھے۔

آپ معاملات کی صفائی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اپنے ملفوظات میں فرمایا "لوگوں نے تو معاملات کو دین سے الگ ہی سمجھ لیا ہے حتیٰ کہ علماء تقریریں کرتے ہیں۔ وعظ کرتے ہیں لوگوں کو دین کی تعلیم کرتے ہیں مگر کہیں معاملات کا ذکر ہی نہیں آتا۔ میں ایک حکایت سناتا ہوں اس کو بطور فخر یہ نہ سمجھا جائے۔ منشی محمود الحق ہردوئی سے آئے کہنے لگے میں آج کل تصانیف دیکھتا ہوں ان میں نماز روزے کے تو مسائل ہیں مگر معاملات

کی صفائی کا ذکر نہیں۔ غور کرنے سے اس کی وجہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ جن کے معاملات خود صاف ہوں وہ دوسروں کو بھی تعلیم کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں۔ آج کل کے لوگ جو دوسروں کو اس کی تعلیم نہیں کرتے تو اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خود ان کے معاملات بھی صاف نہیں اور آپ جو دوسروں کو اس کی سخت ہدایت کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے معاملات بالکل صاف ہیں"۔ حضرت حکیم الامت نے آپ کو مجازینِ صحبت کے زمرے میں داخل کیا تھا۔

۱۹۲۶ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

محمد حسن علوی

مجازِ صحبت

مولوی محمد حسن صاحب حضرت قدس سرہ کے خلیفہ مولانا انوار الحسن کاکوروی کے صاحبزادہ ہیں۔ کاکوروی میں ۱۸۹۶ء میں پیدائش ہوئی۔ اٹاوہ میں ایک جلسہ میں حضرت تھانوی قدس سرہ تقریر کے لئے تشریف لائے یہیں پر آپ نے حضرت کا وعظ سنا اور حضرت سے عقیدت پیدا ہوئی۔ ۱۹۳۲ء میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو علی گڑھ کالج میں مدعو کیا گیا۔ مولوی محمد حسن صاحب نے علی گڑھ ہی میں ۱۹۲۲ء میں حضرت سے بیعت کی۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے تعلق کے بعد زندگی کا رُخ بدل گیا۔ حضرت حکیم الامت کی شفقت اور خلوص سے بے حد متاثر ہوئے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی تعلیمات میں حقوق العباد کی ادائیگی پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ آپ کے زہد و اتقاء اور احتیاط کا کیا عالم ہے۔ اس کا اندازہ ایک معمولی سے واقعہ سے لگا لیجئے۔ یہ واقعہ دیکھنے میں تو بہت معمولی نظر آتا ہے مگر اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی تعلیمات سے عشق کی انتہا ہے۔ راقم نے جب آپ سے آپ کے حالات کے سلسلے میں رابطہ قائم کیا تو کئی ایک جوابی کارڈ اور لفافے بھیجے مگر ادھر سے جواب موصول نہ ہوا۔ آخر ایک روز تین روپے کا ایک منی آرڈر ملا جس کی پشت پر تحریر تھا۔

"جناب مکرم زید مجدکم السلام علیکم و رحمۃ اللہ مجھے سخت ندامت ہے کہ اپنی مسلسل علالت کے سبب آپ کے احکامات سے بے اعتنائی برتی گئی اور آپ کو بڑی الجھن اور پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔ اپنے حالات ہی کیا ہیں جن کو لکھتا۔ برائے خدا معاف فرمائیں۔

ناگفتنی ہے حال مرا کچھ نہ پوچھیے　　　سننے کے اور کہنے کے قابل نہیں رہا

آپ کے نہ معلوم کتنے لفافے اور کارڈ جوابی آئے اور کہاں گم یا ضائع ہو گئے۔ مجموعی قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ براہِ کرم یہ رقم وصول فرما کر مجھے مطمئن فرمائیں کہ امانت میں خیانت کا اندیشہ جو پریشان کر رہا ہے رفع ہو جائے اور جو خطوط میسر آ سکیں ان کو استعمال میں لا سکوں۔"

صوفی شہاب الدّین

مجازِ بیعت

صوفی محمد شہاب الدین کی پیدائش ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔ آپ کا آبائی پیشہ خیاطی تھا۔ آپ کا اصل وطن موضع محلوالہ ضلع میرٹھ تھا مگر ۱۹۳۴ء میں قصبہ کٹھور میں مکان خرید کر وہیں سکونت اختیار کرلی۔ عربی تعلیم قصبہ شاہجہاں پور میں حافظ فتح محمد خان صاحب سے حاصل کی۔ آپ کے خاندان کے زیادہ تر لوگ انگریز کمپنیوں میں درزی کا کام کرتے تھے۔ آپ کے بڑے بھائی بھی شملہ میں یہی کام کرتے تھے لہٰذا آپ بھی تعلیم سے فارغ ہوکر شملہ میں اپنے بھائی کے پاس چلے گئے اور خیاطی کا کام سیکھ کر انگریز کمپنیوں میں ۱۹۳۱ء تک بمبئی۔ کوئٹہ۔ لاہور۔ دھرادون دہلی وغیرہ میں کام کرتے رہے یہ بات صحیح طور پر معلوم نہیں کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے کس وقت تعلق پیدا ہوا جس وقت آپ کٹھور تشریف لائے اس وقت آپ کو حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے اجازت بیعت وتلقین حاصل ہوچکی تھی لہٰذا آپ نے کٹھور میں بہت انہماک کے ساتھ خلاف شریعت رسومات کا قلع قمع کرنا شروع کردیا اور خداوند کریم کے فضل وکرم سے کٹھور کی کایا پلٹ دی۔ اس قصبہ میں بدعتی پیرزادگان کا بہت اثر تھا جس کو آپ نے بالکل ختم کردیا۔ ایک بزرگ کی خانقاہ میں سالانہ عرس ہوتا تھا وہ بھی بند ہوگیا۔ اس پر قصبہ کے پیرزادگان آپ کے خلاف ہوگئے مگر آپ اپنی جدوجہد میں مصروف عمل رہے۔

آپ کو فقہی مسائل پر کافی عبور حاصل تھا۔ متنازعہ مسائل کا فتویٰ ہمیشہ دیوبند وسہارن پور سے منگا کر تسلی کرتے تھے حضرت تھانوی قدس سرہ کی تمام تصانیف کے علاوہ دیگر علماء کی تصانیف کا بھی کافی ذخیرہ آپ کے پاس موجود تھا۔ آپ نے تین مرتبہ حج کیا۔ آخر وقت میں کام کاج چھوڑ کر کتب بینی یا آنے جانے والوں سے ملاقات میں وقت صرف کرتے تھے۔ ۲۰ راگست ۱۹۷۰ء کو اس دار فانی سے دار البقاء کو تشریف لے گئے۔

مولانا ولی احمد

مجازِ بیعت

آپ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے خاص شاگرد اور مرید تھے۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے حضرت تھانوی سے تعلق قائم کیا۔ حضرت شیخ الہند نے آپ کو حسن پور میں مدرس بنا کر بھیجا تھا۔ بہت بڑے بزرگوں میں تھے۔ ایک روز اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ مسجد میں صبح کو نماز کے وقت مٹی کے کوزے کو نلکے کے نیچے رکھ دیا اور انتظار کرنے لگا کہ جب کوزہ بھر جائے تو وضو کر لوں گا۔ مسجد میں چونکہ اندھیرا تھا۔ اس لئے معلوم نہ ہو سکا کہ کوزے کا منہ نلکے کی ٹونٹی کی سیدھ میں ہے یا نہیں۔ جب کافی دیر گزر گئی اور لوٹا نہ بھرا تو پھر ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کوزے کا رُخ نلکے کی ٹونٹی کی طرف نہیں تھا۔ اس لئے کوزے میں پانی نہ بھر سکا۔ صبح کی نماز کے بعد درس میں یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ "اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کی رحمت کا پانی انسان کے دل کے کوزے میں آتا رہتا ہے اگر دل کے کوزے کا رُخ اللہ کی رحمت کی ٹونٹی کی سیدھ میں ہو تو کام بن جاتا ہے لیکن اگر دل کے کوزے کا رخ اللہ کی رحمت کی ٹونٹی کی طرف نہ ہو تو پھر کام نہیں بنتا۔

ایک مرتبہ آپ کو شام کو سیر کرانے کے لئے لے جایا گیا تو سڑک پر موٹروں اور دوسری سواریوں کو دیکھ کر فرمایا "جیسا شام ہونے سے پہلے لوگ جلدی جلدی کام ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان لوگوں کی دوڑ دھوپ کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی شام ہونے والی ہے۔

ایک روز فرمایا "جب میں ایک دفعہ کوئی کلمہ پڑھتا ہوں مثلاً سبحان اللہ تو اندر سے آواز آتی ہے ولی احمد ٹھیک ہے آگے پڑھو" پھر میں آگے پڑھتا ہوں پھر جب میں مسجد میں عبادت کرتے کے بعد گھر جانا چاہتا ہوں تو درخواست کرتا ہوں کہ اللہ اب بھوک لگ گئی اس لئے گھر جانا چاہتا ہوں تو آواز آتی ہے "ہاں ضرور جاؤ اور خوب آرام کرو" اس کے بعد فرمایا "اس آواز کو میرا دل سنتا ہے۔"

مولانا عبدالحئی سہارنپوری

مجازِ بیعت

مولانا عبدالحئی صاحب سہارنپور میں پیدا ہوئے مگر تعلیم شروع سے لیکر آخر تک حیدر آباد میں اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ۱۹۱۳ء میں حیدر آباد کے مشہور مدرسہ دارالعلوم میں مدرس مقرر کئے گئے اور جامعہ عثمانیہ کے قیام کے بعد بحیثیت استاد عربی آپ کا تقرر کیا گیا۔ آخر عمر تک اسی عہدہ پر مامور رہے۔

قیاس یہ ہے کہ غالباً ۱۹۱۸ء یا ۱۹۱۹ء میں حضرت تھانوی قدس سرہ سے تعلق پیدا ہوا اس تعلق کا ذکر خود حضرت تھانوی قدس سرہ نے اپنے ملفوظات الافاضات الیومیہ میں یوں کیا۔ مولوی عبدالحئی حیدر آباد دکن سے چلے تو چار شرطیں ذہن میں لے کر چلے تھے کہ جہاں یہ چار شرطیں پاؤں گا وہاں بیعت ہوں گا ایک تو یہ کہ بیعت کو تعلیم کی شرط نہ بنادے۔ دوسرے یہ کہ وہاں لنگر نہ ہو تیسرے یہ کہ ان پڑھ نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ بہت بوڑھا نہ ہو۔ یہاں یہ چاروں شرطیں موجود تھیں بس تعلق پیدا کر لیا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کے ملفوظات میں کئی مقامات پر آپ کا ذکر ملتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا "مولوی عبدالحئی بڑے فریس انسان تھے جب ان کا ارادہ بیعت کا ہوا تو تلاشِ شیخ میں انہوں نے متبع سنت اور عالم دین ہونے کے ساتھ یہ معیار بھی رکھا تھا کہ اس شیخ کی خانقاہ میں لنگر نہ چلتا

ہو چنانچہ ان کی تشفی تھانہ بھون ہی میں ہوئی" ایک اور جگہ فرمایا "مولوی عبدالحئی صاحب حیدرآباد سے آئے ہیں (یہ مولانا احمد علی محدث سہارنپور کے پوتے ہیں) وہاں عربی کے پروفیسر ہیں میں نے ایک بار ان سے ذکر کیا کہ مَیں نے صرف درسی کتابیں دیکھی ہیں اور کتابیں نہیں دیکھی ہیں اِلّا بعض مقاماتِ بضرورت وقتیہ تو انھوں نے تعجب سے کہا کہ مَیں تو سمجھتا تھا کہ کم از کم ایک ہزار کتابیں تو ضرور دیکھی ہوں گی" ایک اور جگہ فرمایا کہ "مولوی عبدالحئی حیدرآبادی نے بیان کیا کہ مجھ کو جو عقیدت ہوئی وہ اسی وجہ سے ہوئی کہ یہاں لنگر نہیں ہے اور پھر بھی لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں معلوم ہوا کہ یہ سب لوگ مخلص ہیں ان کو فائدہ پہنچتا ہے اگر لنگر جاری ہوتا تو مجھ کو اعتقاد نہ ہوتا بلکہ شبہ ہوتا کہ شاید یہ روٹی کی وجہ سے پڑے ہیں۔

آپ ہر سال پابندی سے تھانہ بھون تشریف لے جاتے۔ خط و کتابت کا سلسلہ بھی باقاعدگی سے جاری تھا۔ آپ کو حضرت تھانوی قدس سرہ سے جو محبت و عقیدت تھی اس کا اندازہ "فیضان حافظ آباد" کے دیباچہ سے بخوبی ہوجائے گا۔ تحریر فرماتے ہیں

"حضرت ممدوح (مولانا تھانوی) کی صحبت کیمیا اثر سے تصوف کا ایسا ذوق پیدا ہوجاتا ہے کہ اس سے تمام اذواق مغلوب ہوجاتے ہیں جس شخص نے اس صحبت کا ذوق حاصل کیا ہے یا حضرت ممدوح کی تصانیف معارف و علوم کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور کم بینی اور معاصرانہ چشمک اور حسد کا علاج نہیں"۔ آپ نے حضرت تھانوی قدس سرہ کی کتاب تربیت السالک کا ایک بے نظیر خلاصہ آئینہ تربیت کے نام سے مرتب فرمایا تھا۔ اس کتاب کے تعارف میں آپؒ نے اپنے شیخ و مرشد کے لئے جامع الکمالات العلمیہ والعملیہ کے الفاظ استعمال کئے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے شیخ اپنے وقت کے غزالی اور رازی ہیں مگر لوگوں نے پہچانا نہیں یہی وجہ تھی کہ جب حضرت تھانوی قدس سرہ ایک مرتبہ حیدرآباد تشریف لے گئے تو آپ ہی کے گھر قیام فرمایا تھا حالانکہ وہاں کے امراء اور معززین حضرت کے بڑے قدردان تھے اور حضرت کی مہمانداری کو اپنے لئے وجہ سعادت سمجھتے تھے۔

آپ تقویٰ کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ آپ کی زبان غیبت اور بدگوئی سے محفوظ تھی۔ اہل ثروت سے دُور رہتے۔ حق بات صفائی سے برملا کہتے تھے کسی کی خوشامد نہ کرتے۔ نظام حیدر آباد کے صاحبزادوں کو تعلیم دیتے رہے مگر اپنے مقام اور منزلت کو باقی رکھا اور ولی عہد سلطنت کو کبھی اس بات کا موقعہ نہ دیا کہ وہ حدود سے تجاوز کر سکیں۔ ہندوستان میں عربی علم وادب اور لغت محاورات کے چند مخصوص ماہرین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ پچاس سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا اور ایک سال میں مکمل کر کے رمضان میں تراویح میں سنایا۔ دوسرے سال بھی سنا رہے تھے کہ طاعون کا حملہ ہوا اور ۲۰ رمضان المبارک ۱۹۳۰ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

مولوی منفعت علی

مجازِ صحبت

آپ کی پیدائش ضلع مظفر نگر میں ۱۸۸۴ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر دلوائی۔ نماز روزے کا بچپن سے بے انتہا شوق تھا آپ کے والد صاحب آپ کو انگلینڈ بھیجنا چاہتے تھے مگر حضرت تھانوی کا مشورہ اس کے خلاف تھا اس لئے نہ جا سکے۔ میٹرک کرنے سے پہلے آپ نے حضرت تھانوی کے ہاتھ پر ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء میں بیعت کر لی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں علی گڑھ کے بی اے اور ۱۹۱۴ء میں بی اے ایل ایل بی کیا۔ ہمیشہ تعلیم میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ۱۸ اگست ۱۹۱۴ء کو سہارن پور میں وکالت شروع کی۔ باوجود نئے شہر میں وکالت شروع کرنے کے طبیعت میں اس قدر قناعت اور اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا کہ اپنے والد صاحب مرحوم کی جائیداد میں نہ کوئی حصہ لیا اور نہ اپنے سب سے چھوٹے بھائی اشرف علی کو حصہ دلوایا۔ آپ کی شادی کے وقت آپ کی بیوی کی عمر ۱/۲ ۱۵ سال تھی اور چونکہ وہ ڈی ایس پی محمد ہاشم صاحب کی صاحبزادی تھیں اور انگریزی ماحول کی وجہ سے قرآن شریف کی تعلیم بھی حاصل نہیں کی تھی اس لئے آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ گھر پہ ایک خاتون رکھ کر انہیں قرآن شریف کی تعلیم دلوائی۔ یہ آپ ہی کی صحبت کا اثر تھا کہ انہوں نے ۱۶ سال کی عمر سے نماز روزہ اور تہجد شروع کیا تو آخر وقت تک بحالت علالت اشاروں تک سے نماز ادا کی۔

۱۹۳۲ء میں جب آپ کے بڑے لڑکے کا انتقال ہوا تو اس کے بعد آپ نے انگریزی لباس بالکل ترک کر دیا اور جتنا وقت وکالت سے بچتا تھا وہ حضرت تھانوی کی خدمت میں گزارتے تھے اسی

دوران میں آپ نے مولانا محمد یحییٰ صاحب (والد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دارالعلوم سہارن پور) سے عربی کی تعلیم شروع کی ۱۹۳۲ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے اس وقت سٹیشن پر اس قدر ہجوم تھا کہ لوگوں کا کہنا تھا کہ جب حضرت رائے پوری حج کے لئے تشریف لے گئے تھے تب ہی اتنا ہجوم دیکھنے میں آیا تھا۔

حضرت تھانویؒ آپ سے بے حد محبت فرماتے تھے اور حضرت تھانوی کے سہارن پور میں آمد کے وقت قیام آپ کے یہاں ہی ہوتا تھا۔ ۱۹۳۷ء میں آپ نے جب مسلم لیگ کے ٹکٹ پر یوپی اسمبلی کا انتخاب لڑا تھا تو حضرت تھانوی نے ایک استفتار کے جواب میں کہا تھا کہ مولوی منفعت علی کو ووٹ دیا جائے۔ یہ حضرت تھانوی کی دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ کو الیکشن میں کامیابی حاصل ہوئی الیکشن سے پیشتر آپ نہایت وثوق سے کہتے تھے کہ میں ایک ہزار ووٹ سے شکست دوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا

آپ کے والد صاحب اور والدہ صاحبہ دونوں حضرت تھانوی سے بیعت تھے۔ حضرت تھانوی نے آپ کو اپنے مجازین صحبت میں شامل کیا تھا کوئی محفل ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں آپ مذہب یا حضرت تھانوی کا تذکرہ نہ کرتے ہوں۔ آپ کو حضرت تھانوی سے زمانہ طالب علمی ہی میں عقیدت پیدا ہو گئی تھی اور جب آپ حضرت کو کوئی ہدیہ پیش کرتے تو آپ واپس کرتے ہوئے فرماتے کہ ابھی تو تمہارا مجھ پر حق ہے اور فرمایا کہ اگر میں اسی طرح ہدایہ لینے لگوں تو سونے کی دیواریں کھڑی کر لوں۔ حضرت تھانوی بھی آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ جب حضرت تھانوی نے لاہور کا سفر اختیار فرمایا اور واپسی پر آپ سہارن پور تشریف لے گئے تو سٹیشن سے اتر کر سیدھے آپ کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں کچھ دیر ٹھہر کر شربت نوش فرمایا، پھر مدرسہ مظاہر العلوم تشریف لے گئے۔ واپسی پر مولانا ظہور الحسن نے اطلاع دی کہ مولانا رحم علی صاحب نے دعوت کا انتظام کیا ہے مگر مولوی منفعت علی صاحب کو افسوس ہے کہ میں اس سعادت سے محروم رہا جاتا ہوں اس پر حضرت تھانوی نے فرمایا "منفعت پر رحم مقدم ہے"۔ ۱۹۳۸ء میں آپ نے حضرت تھانوی سے وکالت چھوڑنے کا مشورہ کیا کہ اس میں جھوٹ سے کام لینا پڑتا ہے مگر حضرت تھانوی نے فرمایا کہ اس وقت تمہاری پوزیشن وکلار میں سب سے اونچی ہے

اور جب تک اس سے بہتر ذریعہ معاش نہ ملے میرا مشورہ یہ ہے کہ اسے ہی جاری رکھو۔ فرمایا کہ "صبح کو اجابت صاف ہوجائے تو جان سلامت اور دو وقت پیٹ بھر کر روٹی مل جائے تو ایمان سلامت"

آپ کو اللہ پر توکل اور اعتماد اس قدر تھا کہ آپ کی وکالت شروع ہوتے پندرہ دن ہی گذرے تھے کہ شہر کے دو معزز اصحاب تشریف لائے اور مشورہ دیا کہ اگر شہر کے معززین اور مجسٹریٹوں وغیرہ سے ملتے رہو گے تو وکالت میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس پر اگر اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائیں کہ اب تم نے خود ہی اپنے رزاق ڈھونڈھ لئے ہیں تو میرا کیا بنے گا اس لئے شہر کے کسی بھی رئیس آدمی یا مجسٹریٹ سے نہیں ملے۔

آپ میں اسلامی ہمدردی اس قدر تھی کہ اس معاملہ میں شمشیر برہنہ تھے اور کسی کی بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ ۲۴ اگست ۱۹۲۳ء کو سہارن پور میں بلوہ ہوا جس میں مسلمانوں کی گرفتاریاں یکطرفہ طور پر عمل میں آئیں اور تقریباً دو سو مقدمات قائم کئے گئے۔ حکومت کے خوف کے سبب کوئی مسلمان آگے نہیں آتا تھا۔ ایسے میں آپ نے ڈی آئی جی سے ملاقات کی اور مسلمان وکلاء کا ایک بورڈ بنایا جس نے مقدمات کی بلافیس پیروی کی۔ یادداشت کا یہ عالم تھا کہ سب مقدمات زیادہ تر زبانی لڑا کرتے تھے اور اگر کسی گواہ نے کوئی بیان دیا تو فوراً عدالت میں ٹوک دیا کرتے تھے کہ اس سے دو ماہ قبل فلاں عدالت میں تمہارا بیان اس سے مختلف تھا۔ باوجودیکہ یوپی کے ہر بڑے شہر میں وہاں کے معززین سے ملاقات کی مگر پاکستان آنے پر بالکل گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔

۱۹۴۶ء میں یوپی کے الیکشن میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی اور لیاقت علی خاں نے جب الیکشن میں دوبارہ کھڑے ہونے پر بہت زور دیا تو فرمانے لگے کہ میرے پیر و مرشد مجھ سے پردہ کر گئے ہیں اور میرا دعا کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ عدم دلچسپی کے باوجود آپ کو الیکشن میں کامیابی حاصل ہوئی۔

آپ ہمیشہ ٹخنوں سے اوپر پائجامہ، معمولی جوتے، معمولی شیروانی اور ململ کی ٹوپی میں ملبوس رہتے اور اسی لباس میں عدالت، ہائی کورٹ کے ججوں کے ڈنر اور یوپی اسمبلی کے سیشن میں شرکت فرماتے۔ لوگ آپ کی بے حد عزت کرتے۔ اپنے والدین کی بے انتہا فرمانبرداری کیا کرتے اور کہتے تھے کہ وکالت میں

کامیابی ان کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ لوگوں نے کہا کہ لوگ آپ سے بہت حسد کرنے لگے ہیں تو فرمایا کہ مزید دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عزت دی ہے کہ جس کی وجہ سے لوگ حسد کرنے لگے۔

آپ کو زندگی میں کبھی وقت ضائع کرتے نہیں دیکھا اور ہر چیز وقت پر ایک مشین کی طرح کرتے تھے جس میں بے انتہا ربط و ضبط ہوتا تھا۔ وکالت کی کتابوں کی کئی الماریاں بھری ہوئی تھیں مگر ترتیب کا یہ عالم تھا کہ اگر روشنی نہ ہوتی تو صرف شمار کر کے مطلوبہ کتاب نکال لیتے تھے۔ بڑے سے بڑے رئیس سے بھی کرسی سے اٹھ کر ہاتھ نہیں ملاتے تھے مگر حضرات علماء کے جن کو نہ صرف دور تک لینے کے لئے آتے تھے بلکہ دروازے تک باہر بھی چھوڑ آتے تھے۔ تمام وقت جو وکالت سے بچتا تھا وہ یا دار العلوم سہارن پور یا تھانہ بھون میں گذارتے تھے۔

آخری ایام میں علالت کے دوران سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہمیشہ داہنی کروٹ سوتے تھے اور دایاں ہاتھ گال کے نیچے ہوتا تھا یہاں تک کہ دائیں کولہے پر زخم پڑ گیا تھا انتقال کے وقت چہرے پر سکون کے آثار غالب تھے۔ انتقال سے دو روز پہلے غشی طاری ہو جاتی تھی اور ہر مرتبہ ہوش آنے پر پہلا سوال یہ ہوتا تھا کہ کیا نماز ادا ہوئی ہے یا نہیں۔ ۵ رفروری ۱۹۶۶ء کو کراچی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

خُودنوِشت

مولانا شیر محمد

مجازِ بیعت

والد ماجد کا نام میاں فتح الدین مقام پیدائش موضوع گھوگھرہ ضلع ہوشیار پور تاریخ پیدائش دس مارچ ۱۸۹۹ء ہے۔

۱۹۱۳ء میں مڈل پاس کیا۔ سکول میں دوئم نمبر پر پاس ہوا۔ مجھ سے کم نمبر والے لڑکے کا وظیفہ ہو گیا میں نے ڈائرکٹر کے دفتر میں درخواست بھیجی تو جواب آیا کہ تمہاری عمر بہت زیادہ ہے اس لئے وظیفہ کے حق دار نہیں۔ غلطی سے کاغذات میں بجائے ۱۸۹۹ء کے ۱۸۸۹ء درج ہو گیا۔ خط و کتابت میں چھ ماہ گذر گئے۔ عمر سنہ تو محکمہ نے ٹھیک کر دی مگر وظیفہ زائد المیعاد ہونے کے باعث نہ مل سکا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فضل کیا کہ انگریزی سے محروم رکھا ورنہ شاید دین کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ ۱۹۱۵ء میں بھدی پرائمری سکول میں نائب مدرس مقرر ہو گیا۔ وہ گاؤں دین داروں کا تھا۔ چوہدری رحمت خان مرحوم امام مسجد تھے جو گاؤں کے زمیندار اور معزز شخص تھے۔ ان سے قرآن شریف ختم کیا۔ میرے استاد چودھری نعمت خان مولانا عبدالعزیز خان صاحب مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ سے بیعت تھے وہ بہت نیک اور صالح شخص تھے انہوں نے علماء دیوبند کا معتقد کر دیا اور فرمایا کہ یہ علماء اہل حق ہیں۔ اللہ ان کو جزائے خیر دیں اور اپنا قرب خاص عطا فرمائیں اور تاکید فرمائی کہ کسی بے دین کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت تھانوی سے بیعت کے بعد جب ان سے ملاقات ہوئی تو یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ خدا کے فضل و کرم سے مولانا غلام مصطفےٰ صاحب مدرسہ دیوبند سے فارغ ہو کر دسوہہ سکول میں دینیات

مدرس مقرر ہوئے۔ وہ شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری سے بیعت تھے۔ تین سال میں ان کی صحبت میں رہا اور منشی فاضل کا امتحان پاس کر کے گورنمنٹ ہائی سکول ہوشیار پور میں فارسی مدرس مقرر ہوا وہاں مولانا احمد علی صاحب جو فاضل دیوبند اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری سے بیعت تھے ان سے عربی صرف و نحو پڑھی۔ انہوں نے ہی بیعت کے لئے حضرت تھانوی کی خدمت میں مجھ سے جوابی کارڈ لکھوایا جس پر آپ نے تحریر فرمایا کہ ایسے خط کا جواب کارڈ سے نہیں ہو سکتا۔ اس ارشاد پر لفافہ میں خطوط لکھنے لگا۔ بیعت کی درخواست کئی خطوط میں کی جس میں ارشاد ہوا کہ میرے رائے میں بھی تبدل نہ ہوگا کہ تعجیل مناسب نہیں اور تحریر فرمایا کہ رسالہ قصد السبیل دیکھ کر پھر لکھیے جو کچھ لکھنا ہو چنانچہ رسالہ قصد السبیل دیکھ کر خط لکھا کہ اس طریق کا مقصود محض رضائے الٰہی ہے جو پورے طور پر پابندی شریعت سے حاصل ہوتا ہے احکام شرعی ظاہری (ارکان اسلام) باطنی (اخلاص کا حاصل کرنا اور کبر و عجب غضب حب دنیا ناجائز مال و جاہ کی طلب سے اجتناب کرنا ذکر الٰہی میں مشغول رہنا وغیرہ۔ اس پر تحریر فرمایا کہ کیا یہ مقصود بیعت پر موقوف ہے۔ جواب عرض کیا کہ یہ تعلیم پر موقوف ہے اور شیخ سے امراض کی اطلاع و اتباع پر بس صرف تعلیم لینا ضروری ہوا اور حضرت سے تعلیم لیتا رہا اور بیعت کا ارادہ موقوف کر دیا۔ حضرت نے اصلاحی خط پر تحریر فرمایا کہ قصد السبیل سے دستور العمل مناسب حال شروع کریں اور میرے مواعظ کا بالالتزام مطالعہ کریں اور جو جو عیوب نفس میں محسوس ہوں ان کا ایک ایک کر کے علاج دریافت کریں۔

مواعظ کا مطالعہ اور قصد السبیل اور تبلیغ دین۔ تعلیم الدین۔ بہشتی زیور وغیرہ حضرت کے رسائل پڑھتا اور علاج کراتا رہا۔

پہلی دفعہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں حضرت تھانوی سے زیارت کے لئے حاضری کی اجازت مانگی تو تحریر فرمایا کہ مخاطبت یا مکاتبت تو نہ کرو گے عرض کیا کہ صرف زیارت مقصود ہے۔ ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ آئیے اور آتے ہی یہ خط دکھایئے۔ چنانچہ بندہ دسمبر کے بڑے دن کی تعطیلات میں تھانہ بھون میں حاضر ہوا۔ آداب سے ناواقف جب سہ دری دروازہ کے باہر پہنچا تو حضرت والا سہ دری میں تشریف فرما تھے اور

تین آدمی حضرت سے پرلی طرف آپ کی خدمت میں بیٹھے تھے اور حضرت کا چہرہ مبارک ان کی طرف تھا اور ان سے کلام میں مشغول تھے۔ بندہ باہر کھڑا ڈر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس دربار میں آداب قیام کی توفیق عطا فرمائیں۔ حاضر خدمت ہوا اور کھڑا رہا۔ حضرت حکیم الامت ان حضرات کی طرف متوجہ تھے۔ حضرت خواجہ صاحب بھی اس وقت موجود تھے۔ حضرت تھانوی کا حکم تھا کہ ملاقات میں کوئی کسی قسم کی سفارش نہ کرے۔ ہر شخص براہِ راست خود مجھ سے ملے۔ خواجہ صاحب نے بندہ کو کھڑا دیکھ کر میری راہنمائی اس طرح فرمائی کہ اپنا گھٹنا حضرت کی اوٹ میں کر کے زمین پر ہاتھ مار کر مجھے سمجھایا کہ بیٹھ جاؤں۔ بندہ فوراً بیٹھ گیا۔ حضرت کا ارشاد تھا کہ جو شخص مجھ سے ملنے آئے بیٹھ کر ملے۔ کھڑے رہنا بناوٹ اور تکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ صاحب پر ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے ہماری بہت راہنمائی فرمائی۔ ذکر و آداب سے خوب آگاہ کیا۔ پھر حضرت تھانوی نے گفتگو کے بعد میری طرف چہرہ پھیرا تو میں نے سلام کیا اور مصافحہ کیا اور پرچہ اجازت پیش کیا۔ پڑھ کر فرمایا کہ بہت اچھا۔ اب آرام کرو۔ بعد ظہر یہاں آکر بیٹھنا۔ ایک ہفتہ خانقاہ میں قیام کیا۔ خادم خانقاہ صبح شام کھانا لاتا اور ہم کو کھلا دیتا تھا۔ ایک ہفتہ قیام کر کے وطن واپس چلا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ۱۹۲۹ء سے لے کر ۱۹۴۳ء تک متواتر چودہ سال تین دفعہ سال میں حاضری کا موقعہ عطا فرمایا اور حضرت خواجہ صاحبؒ بھی وہاں عموماً تشریف فرما ہوتے رہتے تھے، ان کی زیارت سے بھی مشرف ہونے کے اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع عطا فرمائے اور بہت ہی ہدایات ہم ناکاروں کو ان کی ذات بابرکات سے نصیب فرمائیں۔

تین سال حضرت تھانویؒ سے تعلیم لیتا رہا اور ساٹھ خط بغرض اصلاح خدمت اقدس میں لکھے اور درخواست کی کہ حضرت مجھے بیعت فرمالیں جس پر تحریر فرمایا کہ بغیر مناسبت کے مناسب نہیں اور مناسبت کا پتہ تمہارے خط سے لگ سکتا ہے۔ لہٰذا سب خط بذریعہ ڈاک بھیجو (خود نہ لاؤ) خطوط پر نمبر لگا کر بالترتیب نتھی کر کے آپ کی خدمت میں ارسال کیے۔ ان پر جواب تحریر فرما کر واپس ارسال فرمائے کہ اس کا سبب کیا ہے کم فہمی یا بے پرواہی سارے خط لے کر بندہ مولانا خیر محمد صاحبؒ کی خدمت

میں حاضر ہوا۔ انہوں نے ہدایات فرمائیں وہ لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجیں تو ارشاد فرمایا کہ اب اس سب مکاتبت کو کالعدم سمجھو۔ اس واسطے دوبارہ اس ذخیرہ کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اب آئندہ سے جو مکاتبت کروگے وہ احتیاط اور اصول سے کرنا پھر اس کو دیکھ کر فیصلہ کیا جاوے گا۔

اس کے بعد ڈیڑھ سال میں تیس خطوط لکھے اور وطن سے حاضری برائے زیارت کی درخواست کی اور مکاتبت کی اجازت مانگی جو مل گئی اور تھانہ بھون حاضر ہو کر چند دن کے قیام کے بعد برائے بیعت تحریری درخواست عرض کی۔

خط بجنسہٖ نقل کرتا ہوں۔

حضرت والا۔ یہ احقر عرصہ ساڑھے چار سال سے آپ سے تعلیم لے رہا ہے اور اس عرصہ میں دس دفعہ مختلف اوقات میں بغرض زیارت دس یوم یا کم و بیش قیام کرتا رہا۔ اب کے تین ہفتہ سے زیادہ ٹھہرا ہوں۔ پہلے تین سال میں ساٹھ سے زیادہ خطوط تعلیم کے لئے خدمت اقدس میں لکھے اور حضور کے ارشادات پر عمل پیرا ہوتا رہا۔ اس کے بعد سب خطوط حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر تحریر فرمایا کہ آئندہ باضابطہ اصول سے خط و کتابت کرو۔ اس کے بعد احقر نے ۳۲ خطوط برائے تعلیم لکھے اور اب کی دفعہ چونکہ یہاں خانقاہ میں حضرت نے مکاتبت کی اجازت فرمائی تھی۔ لہٰذا آخری خطوط میرے پاس موجود ہیں جن میں حضرت والا خوش معلوم ہوتے ہیں۔ سوائے ایک دو کے کہ ان میں معمولی سا مواخذہ فرمایا ہے اور مجھے بھی حضرت والا سے بفضل خدا تعالیٰ محبت ہے جس کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھتا ہوں اور حضرت کا ہر ارشاد بسر و چشم ماننے کے لئے تیار ہوں اور اطاعت و ذکر کو اپنا کام اور رضائے مولیٰ کو مقصود سمجھتا ہوں۔ دل گواہی دیتا ہے کہ حضرت سے مناسبت ہو گئی ہے اور خوب سمجھ گیا ہوں کہ اصلاح کا مدار صرف تعلیم پر ہی منحصر ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی دھن میں تا زیست لگا رہوں گا اور اس کو حقیقی زندگی سمجھتا ہوں اور اس کے ترک کو خسر الدنیا والآخرہ جانتا ہوں اعتبار خاتمہ کا ہی ہے لہٰذا اس کا ہر وقت خیال لگا رہتا ہے کہ خدا کرے اعمال صالحہ میں پختگی اور ایمان پر خاتمہ ہو جائے اور یہ سب حضرت والا کی صحبت اور آپ کی خدمت میں اپنی حالت کی اطلاع اور آپ

کے ارشاد کی اتباع پر منحصر ہے۔ میں اس کو حقیقتِ بیعت اور کلید کامیابی سمجھتا ہوں۔ اس کے ساتھ اب دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ صورت بیعت کی بھی خدمت اقدس میں درخواست کروں لہٰذا حضرت والا اگر مناسب سمجھیں تو اس احقر کو صورت بیعت سے بھی مشرف فرمالیں جو ارشاد ہوگا میرے لئے وہی بہتر ہوگا بسر و چشم تعمیل کروں گا۔

۸ محرم ۱۳۵۲ھ

اس پر تحریر فرمایا کہ بعد ظہر یہ پرچہ بلا لفافہ مجھ کو دے دیا جائے اور بعد مغرب مسجد میں موجود رہیں میں از خود بلالوں گا۔

چنانچہ بعد نماز مغرب بندہ مسجد میں حاضر رہا۔ حضرت نے دیر کے بعد احقر کو بلایا۔ بندہ حاضر خدمت ہوا اور احقر کا ہاتھ اپنے مبارک ہاتھوں میں لے کر خطبہ مسنونہ پڑھا اور کچھ آیات تلاوت فرما کر بیعت کا شرف بخشا۔ اس کے بعد تعلیم لیتا رہا اور تعطیلات میں حاضر ہوتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد ایک خط آیا جس پر تحریر تھا از اشرف علی مشفقم شیر محمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بے ساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو اجازت بیعت و تلقین کی دوں۔ اگر کوئی طالب حق درخواست کرے قبول کرلیں اور اپنے خاص احباب کو اس کی اطلاع کردیں۔

دعا برکت کرتا ہوں والسلام

مقام تھانہ بھون ۱۱ صفر ۱۳۵۴ھ

اس کے بعد آپ کی خدمت میں خط لکھتا رہا۔ ایک خط میں غلطی پر گرفت فرمائی اور بہت اظہار ناراضگی فرمایا اور خط و کتابت بند کردی اور بندہ کے معافی و عجز و نیاز سے حضرت مفتی محمد حسن صاحب کے سپرد فرمایا اور وہاں خط و کتابت کرتا رہا۔

ڈیڑھ سال تعلیم لینے کے بعد آپ کے خادم کے واسطے سے آپ کی خدمت میں خط لکھنے شروع کئے اور خطوط میں قصور کا اعتراف کیا تو حضرت نے معاف فرمادیا اور فرمایا کہ آئندہ چاہو تو میرے ساتھ خط و کتابت کرو خواہ مفتی صاحب کے ساتھ اور مجلس میں حاضری کی

اجازت فرمادی۔ مَیں حضرت کی زندگی مبارک کے ہر پہلو سے متاثر ہوا۔ عمل۔ علم۔ تقویٰ اخلاص اصلاح تعلق مع اللہ ترک دنیا۔ بس یہ سمجھ لیں کہ حضرت

ز سر تا پا ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

کے مصداق تھے۔ بذریعہ خطوط اصلاح فرماتے۔ عقائد۔ عبادات۔ معاملات۔ معاشرت۔ اخلاق باطنی سب کی تعلیم فرماتے۔ ہاں یہ فرماتے کہ مَیں غیب دان نہیں ہوں۔ عیب دان ہوں۔ جو شخص اپنی حالت لکھ کر اصلاح چاہے گا اس کی اصلاح کر سکتا ہوں بس طلب شرط ہے مَیں طالب سے دریغ نہیں کرتا۔ غیر طالب کو منہ نہیں لگاتا۔ فرماتے دین مطلوب ہے طالب نہیں۔ طالبین کے متعلق ارشاد فرماتے ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو

آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی کوتاہیاں معلوم ہوئیں اور جس قدر اصلاح فرمائی اس سے بحمد اللہ رسومِ جہل سے اللہ تعالیٰ نے خلاصی عطا فرمائی۔ برادری میں شادی مرگ وغیرہ کی رسوم میں شمولیت ترک کر دی۔ حضرت کی خدمت میں رہ کر اور ان سے تعلیم حاصل کرنے سے بحمد اللہ ایمان و اعمال میں پختگی اور دین کی عظمت اور مقصودِ زندگی رضا مولا از ہمہ اولیٰ نصیب ہوئی گویا مسلمان ہو گیا گو ناقص رہا۔ ان کے رسائل اور تعلیم کے بعد اب کسی کی تقریر وعظ تصنیف وغیرہ سے دل نہیں بھرتا۔ فرمایا ؎

تین حق مرشد کے ہیں تو یاد رکھ
اعتقاد و اعتماد و انقیاد

آپ اپنا کام اپنے ہاتھ مبارک سے کرتے۔ حتیٰ کہ دوات میں پانی بھی کسی سے نہ ڈلواتے چودہ سال اللہ تعالیٰ نے حضرت کی خدمت میں حاضری کی توفیق دی۔ اس عرصہ میں کبھی نہیں دیکھا کہ جوتا کسی نے اٹھایا ہو خود اپنے ہاتھ سے وضو کے لئے لوٹا بھرتے اگر پیاس ہوتی تو اپنے نجی خادم سلیمان

سے کہتے کہ پانی پلا دو اگر وہ نہ ہوتا تو خود مجلس سے اٹھ کر پانی پیتے تھے۔

ایک مرتبہ رمضان شریف کا مہینہ دسمبر کی سخت سردی میں آیا۔ بندہ و حضرت مفتی محمد حسن صاحب مسجد کے اندر پہلی صف میں تھے۔ نمازیوں سے مسجد کا اندر بھر گیا تھا، حضرت آخر میں تشریف لائے اس لئے باہر صحن میں کھڑے ہو گئے۔ نماز تراویح کے درمیان سلام پھیرنے کے بعد مولانا محمد حسن صاحب نے اندر سے عرض کیا کہ حضرت سردی بہت ہے اور باہر مسجد کا صحن اور بھی ٹھنڈا ہے آپ اندر تشریف لے آئیں۔ جواب میں فرمایا کہ میں سب سے پیچھے آیا ہوں اس لئے مجھے یہیں کھڑا ہونا چاہیئے۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب نے فرمایا کہ آپ میری جگہ تشریف لے آئیں فرمایا اس سے میرے جسم کو راحت ہو گی میری روح کو راحت نہ ہو گی اور باہر ہی نماز ختم فرما کر تشریف لے گئے۔

ماسٹر حاجی محمد شریف

مجازِ بیعت

میرے والد صاحب کا نام منشی نظام الدین تھا، پٹواری تھے اور سارے علاقے میں شریف پٹواری مشہور تھے۔ میں ایک گاؤں مہندی پور ضلع ہوشیار پور میں ۱۰ دسمبر ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوا۔ اس گاؤں سے چار میل دور قصبہ میکریاں میں اینگلو سنسکرت ہائی سکول سے آٹھویں جماعت پاس کی۔ یہ سکول آریہ جماعت کا تھا اور ان آریہ لوگوں نے بہت سعی کی کہ مجھے اپنا ہم مذہب بنالیں میری شکل وصورت، کھانا، لباس، پگڑی کی بندش سب ہندوانہ بن چکی تھی لیکن دل اور اس کے اندر ایمان کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا جس کی علامت یہ تھی کہ اسلام پر آریوں کے اعتراضات پر غصہ آتا تھا۔ دسویں جماعت پاس کرتے وقت والد صاحب مرحوم ملازمت سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ بھائیوں نے تنگ دستی کی بنا پر آگے تعلیم جاری رکھنے سے عذر فرمادیا اور میں اپنے ابتدائی اینگلو سنسکرت ہائی سکول میں ملازم ہو گیا۔ یہاں پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان بچالیا دو تین سال بعد جے اے وی کلاس میں داخلہ لے لیا اور ضلع ہوشیار پور کے ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول میں انگریزی ٹیچر تعینات ہو گیا۔ پھر سوا دو سال بعد میرا تبادلہ ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول میانی افغاناں ضلع ہوشیار پور میں ہو گیا۔ انگریزی لباس پہن کر یہاں چارج لیا۔ یہاں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کبھی ہونے والے خلیفہ مولوی شبیر محمد صاحب پہلے سے موجود تھے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں ان کا ابھی آنا جانا تو نہیں ہوا تھا لیکن خط وکتابت جاری تھی مولوی شبیر محمد صاحب کی قابل غبطہ زندگی سے متاثر ہوا۔ ایک سال بعد میری پہلی اہلیہ کا فروری ۱۹۲۹ء میں

انتقال ہو گیا۔ اب مولوی شیر محمد مجھے اپنے ہی مکان میں لے آئے۔ چوبیس گھنٹے ان کی زندگی دیکھی۔ میں بھی ساتھ ساتھ خود بخود کھنچا چلا جاتا تھا۔ بدوں اجازت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط بھیجنے لگا۔ حضرت کے جواب دل کو لگنے لگے۔ اپریل ۱۹۲۹ء میں سکول میں چھٹیاں ہوئیں دل میں خیال آیا کہاں اکیلے بیٹھے رہو گے۔ مولوی شیر محمد حضرت کی زیارت کے لئے تھانہ بھون جا رہے ہیں۔ تم بھی ہندوستان دیکھ آؤ۔ اجازت لینے کا طریقہ مولوی شیر محمد صاحب سے معلوم ہو چکا تھا خود ہی لکھ دیا صرف زیارت مقصود ہے۔ مکاتبت اور مخاطبت نہیں کروں گا۔ جواب آیا "بسم اللہ آ جایئے آتے ہی یہ خط دکھلا دیجئے"۔

اہلیہ کی موت حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچنے کا ذریعہ بن گئی ورنہ چھٹیوں میں اہلیہ کے ساتھ کئی جگہوں کی سیریں ہوتیں۔ آگے جا کر معلوم ہو گا کہ اہلیہ کی موت کا یہ ظاہری رنج کیا دولت لے کر آیا۔

تھانہ بھون پہنچ گیا۔ خانقاہ میں قدم رکھتا تھا اور وہاں کے ماحول کو دیکھتا تھا کہ دل کی دنیا یکسر بدل گئی ساری سابقہ تہذیب بدتہذیبی نظر آنے لگی تہذیب تھی تو اب خانقاہ کے اندر تہذیب تھی ایک ہفتہ حضرت کی باتیں دل کو لگ گئیں۔ ایک صاحب نے مولوی شیر محمد صاحب کو دوسری دفعہ حاضری پر بتلایا کہ جب تم دونوں رخصت ہو گئے تو حضرت اقدس نے مجلس میں فرمایا "یہ دو صاحب پنجاب سے آئے تھے ان کو نفع ہوا ہے" شاید حضرت نے خاموش رہنے ہی کو پسند فرما لیا۔ رخصت کے دن صبح مجھ سے کچھ مواخذہ بھی ہوا۔ میں نے مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کی اجازت چاہی۔ ناراضی سے فرمایا "تم کو تو مخاطبت کی اجازت نہ تھی کیا یہ مخاطبت نہیں ہے۔ تم نے مخالفت کی یہاں سے اٹھ جاؤ"۔ علماء حضرات سے مخاطب ہو کر فرمایا "یہ صاحب سکول کے ماسٹر ہیں جب کچھ منور اور مدور (چاندی کے پرانے روپے) پاس آ جاتے ہیں تو اصول کی پابندی نہیں رہتی اور چند لڑکے ان کا کہنا ماننے والے ہوتے ہیں تو پھر یہ ٹر ٹر کرنے لگتے ہیں" پھر مجھ سے فرمایا "افسوس تم نے جاتے وقت میرا دل مکدر کر دیا" بعد ظہر رخصت ہوتے وقت میں نے ندامت سے معافی مانگی۔ فرمایا "میں نے کوئی مواخذہ تھوڑا ہی کیا ہے

فی امان اللہ" وطن سے آکر میں نے بے قراری کے لہجہ میں معافی مانگی۔ تحریر فرمایا "بحمد اللہ میرے تکدر کی عمر بہت قلیل ہوتی ہے۔ جلسہ کے برخاست کے ساتھ وہ تکدر مضمحل ہو جاتا ہے اور تھوڑی بہت معذرت کر لینے پر بالکل فنا ہی ہو جاتا ہے۔ اطمینان رکھیں"۔

جون ۱۹۲۹ء میں میرا موجودہ اہلیہ سے نکاح ہوا اس کی عمر اس وقت پندرہ سولہ برس تھی اور میری عمر تقریباً پونے اٹھائیس سال۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم و بیعت اور تعلق پیدا کرنے کی درخواست کی ہمت نہ ہوتی تھی کیونکہ میرے منہ پر داڑھی نہ تھی۔ دل میں خیال آتا تھا کہ بیوی خیال کرے گی کہ کس بوڑھے سے پالا پڑ گیا۔ لفافے منگوا کر رکھے ہوئے تھے۔ سکول کی ڈاک میں رسالہ المبلغ آیا۔ اس وعظ میں حضرت رحمۃ اللہ کا یہ مضمون تھا کہ بعض لوگ اپنا تعلق بزرگوں سے پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر خیال کرتے ہیں کہ پہلے پاک صاف ہو لیں پھر اپنے آپ کو سپرد کریں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے ہاتھوں میں پاخانہ بھرا ہوا ہو اور دریا کے کنارے کھڑا ہو اور یہ خیال کرے کہ پہلے ہاتھ پاک کر لوں پھر دریا میں ڈالوں۔ ہاتھ پاک کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ دریا میں ڈال دے بہت جلد ہاتھ پاک ہو جائیں گے اور دریا بھی پاک ہی رہے گا۔ دل پر اثر ہوا۔ سارا مضمون اپنے ہی حال کے مطابق تھا اہلیہ کو اپنا حال بتایا پوچھا کہ خدا کی بندی مجھے بتا کہ اگر داڑھی رکھ لوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔ کہنے لگی "آپ یہ بتائیں کہ داڑھی منڈوانا گناہ ہے یا ثواب" میں نے کہا منڈوانا گناہ ہے اور رکھنا ثواب ہے اہلیہ نے جواب دیا کہ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ میں آپ کو یہ کہوں گی کہ آپ گناہ کا کام کریں مانع مرتفع ہو چکا تھا۔ اسی وقت ۸ رجمادی الثانی سنہ ۱۳۵۰ھ کی رات کو مندرجہ ذیل عبارت لکھی حضرتِ والا! اس ناچیز کی زندگی کا بہترین حصہ دنیوی اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے میں گزر گیا ہے۔ تقریباً چھ سال ایک آریہ سکول میں پڑھتا پڑھاتا رہا۔ دینی تعلیم سے محروم رہا۔ تھوڑے عرصہ سے ایک بندے کی صحبت میسر ہوئی ہے اسی وقت سے حضرت والا کی مختلف تصانیف اور مواعظ کا مطالعہ کر رہا ہوں اللہ کے فضل سے دن بدن دینی شوق بڑھتا گیا۔ حرام اور حلال میں تمیز ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی دھن لگی یوں تو یہ ناچیز عرصہ سے حضرت والا سے تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ ایک ہفتہ حضرت والا کی

صحبت میں بھی رہ چکا ہے اور خطوط کے ذریعے حضرت والا سے ضروری مسائل بھی دریافت کرتا رہا ہے اور حضرت والا رہنمائی فرماتے رہے ہیں لیکن باقاعدہ تعلیم کے لئے درخواست نہ کرسکا اور حضرت والا کی خاص توجہ سے محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج یہ عرض کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ یہ ناچیز بیعت کے لئے درخواست کرتا لیکن چونکہ شروع ہی میں حضرت والا اس بات کو پسند نہیں فرماتے اس لئے یہ عرض کرنا خلافِ ادب سمجھتا ہوں کیوں کہ ادب یہی ہے کہ جو حضرت پسند فرمائیں یہ ناچیز وہی کرے۔ حضرت والا یہ ناچیز بہت ہی نکما ہے مگر توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حضرت والا کی دعا کی برکت سے یہ ناچیز رضائے مولا حاصل کرنے سے محروم نہ رہے گا۔

حضرت والا اس ناچیز کو تعلیم فرمادیں۔ میرا مقصود اس تعلیم سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا ہے اور حضرت والا سے اللہ تعالیٰ کے احکام دریافت کرنا ہے جن سے رضائے مولا حاصل ہوتی ہے۔

خط لکھ کر سوگیا۔ صبح ڈاک میں روانہ کرنا تھا لیکن صبح تک جوش اتر گیا۔ نفس غالب آگیا کہہ رہا تھا کہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ داڑھی رکھنی پڑے گی۔ خط سوٹ کیس میں پڑا رہ گیا۔ پورے دس دن کے بعد حضرت کے وعظ کا ایک اور رسالہ آیا اس میں بھی وہی پاخانہ بھرے ہاتھ والا مضمون تھا ندامت ہوئی۔ پہلا جوش عود کر آیا۔ خط نکالا آٹھ کے ساتھ ایک بڑھایا۔ ۱۸ رجمادی الثانی ہوگیا اور لفافہ لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ اب بھی نفس کے اندر چور تھا کہ حضرت کون سے پہلے ہی خط میں مان جانے والے ہیں۔ چوتھے دن جب جواب آیا میں داڑھی منڈوا رہا تھا۔ لفافہ کھولا۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا جواب پڑھا۔ حیرانی۔ محبت اور بے پایاں خوشی کے جذبات موجزن تھے۔ حضرت اقدس نے قبول فرمالیا تھا تحریر فرمایا۔ "جزاک اللہ میں حاضر ہوں۔ رسالہ تبلیغ دین کا مطالعہ کرکے اس میں جو عیوب نفس لکھے ہیں ان میں سے ایک ایک کا علاج پوچھتے رہو اور مواعظ کے مطالعہ کی پابندی رکھو" اب شرم آئی کہ تعلق پیدا نہ ہوتا تو اور بات تھی پیدا کرکے توڑنا تو غضب ہے۔ اب میں داڑھی والا بن گیا

اور حضرت کا ارشاد کہ جیسے کچھ بھی ہو اپنے آپ کو سپرد کر دے اسی طرح اصلاح ہو گی وہ بھی صحیح ثابت ہو گیا۔

حضرت کی زندگی کے کس پہلو نے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ حیراں ہوں کیا لکھوں۔ بجز اس کے کہ حضرت کی ہر ادا عجیب و غریب تھی۔ ہر چیز عجیب و غریب تھی۔ حضرت عجیب و غریب تھے

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

لیکن بہت غور کرنے پر دل کو یہ بات لگتی ہے کہ حضرت کی فنا کی شان نے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اور فنا کی کچھ نہ کچھ شان حضرت کے ہر مرید میں ملے گی۔ حضرت ان لوگوں پر جو اپنے آپ کو بغرض اصلاح سپرد کرتے تھے عتاب تو فرماتے تھے لیکن ہر عتاب کے بعد جس درجہ شفقت فرماتے تھے اس کی کیفیت وہی جانتے تھے جس پر عتاب ہوتا تھا۔

منبع صد کرم تیرا لطف بھرا عتاب تھا
سارے تعلقات کا وہی تو فتح باب تھا

ایسی سختی پر ہزاروں شفقتیں قربان متعدد بار حضرت سے سنا فرمایا کرتے تھے "میں مواخذہ تو کرتا ہوں مگر کانپتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھے یہ فرمائے کہ تو لوگوں کی بڑی باریک غلطیاں پکڑا کرتا تھا آ؛ آج میں تمہاری غلطیاں بتاؤں تو خدا جانے میرا کہاں ٹھکانا ہو گا"۔ فرماتے تھے کہ میں اپنے آپ کو کتے اور سور سے بدتر جانتا ہوں، میں نے ایک خط میں لکھا کہ حضرت میں اپنی حالت کو کتوں سے بدتر سمجھتا ہوں اس عبادت پر سزا نہ ہو تو غنیمت ہے چہ جائیکہ اجر کی امید رکھوں۔ تحریر فرمایا "عبدیت یہی ہے لیکن اس عبدیت کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ یہ اعتقاد رکھے کہ وہ مانگنے والے کو محروم نہیں فرماتے۔ پھر میں نے لکھا: کہ افسوس مجھ سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا: جواب تحریر فرمایا: ایسا ہی سمجھنا چاہیئے۔ اسی سمجھنے پر فضل ہو جاتا ہے اور اس فضل سے تھوڑا سا حق ادا کرنے کو بھی قبول فرما لیتے ہیں:" ایک اور خط پر تحریر فرمایا "سب ٹھیک ہو رہا ہے دوام ملحوظ رکھنا چاہیئے

ایک یہ کہ امکان بھر سعی اصلاح کی رکھی جاوے۔ دوسرے یہ کہ جیسے بھی اعمال ناقصہ کی توفیق ہو اس کو اللہ کی نعمت سمجھا جائے کہ ہم تو اس کے بھی قابل نہ تھے"۔

پہلی حاضری ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ میں ہوئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محبت دل میں اتر چکی تھی تعلیم کی اجازت لئے بغیر حضرت کو خط لکھنے شروع کر دیئے۔ حضرت کے جواب دل کو لگ رہے تھے تعلیم کی درخواست کی منظور ہو گئی۔ ۱۲ رجب ۱۳۵۰ھ کو پھر حاضری کی اجازت چاہی۔ بدوں مکاتبت یا مخاطبت کے اجازت مل گئی۔ حاضر خدمت اقدس ہو گیا۔ عجیب رشد و ہدایت کی بارشیں برستی دیکھیں۔ اس وقت سے لے کر حضرت کے انتقال تک تین دفعہ سال میں جانا ہوتا۔ رمضان المبارک میں دو یا تین بار جانا ہوتا اور علم و عرفان کی دولتیں لٹتی دیکھیں۔

ایک دفعہ چند دن کے فصل سے دو ماہ کا قیام ہوا۔ ایک ماہ کی رخصت لی۔ چند دن سکول حاضر ہوا پھر ایک ماہ کی رخصتیں ہو گئیں۔ اہلیہ میری چند دن عدم موجودگی کے ایام میں بھی تھانہ بھون ہی رہیں میں نے کل تقریباً ۲۰۰ سو خطوط حضرت کو لکھے اور اہلیہ نے ایک سو ستائیس ۱۲۷۔ یہ سب خطوط میرے پاس موجود ہیں۔ آخری خط حضرت کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا ۱۶ جمادی الاول ۱۳۶۲ھ کا ہے یہ خط تیسرے دن واپس ملا۔ حضرت ان دنوں بہت بیمار تھے۔ یہ خط چونکہ ہونہار بیٹے کی وفات پر سخت صدمہ کا تھا۔ حضرت نے تسلی دینے کے لئے خط ملتے ہی جواب لکھ کر خادم کو دیا کہ ڈاک خانہ میں دے آئے ان دنوں خطوط کا جواب مفتی جمیل احمد صاحب لکھا کرتے تھے مگر یہ خط خود دست مبارک سے لکھا۔ اس سے حضرت کی نوازش اور شفقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ آخری خط اور حضرت کا جواب نقل کرتا ہوں۔

حضرت اقدس میرا لڑکا دفعتہً صرف دو تین دن بعارضہ سخت بخار و سرسام بیمار رہ کر فوت ہو گیا۔ لڑکا بہت ہونہار اور ہمیں محبوب تھا۔ حضرتِ اقدس طبیعت کا قرار اٹھ گیا ہے خصوص اہلیہ کو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔ دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر دیں۔ کوئی علاج ارشاد فرما دیں جس سے ہمارے دلوں کو قرار ہو۔"

جواب حضرت اقدس "اللہ تعالیٰ صبر و اجر و نعم البدل دیں اور اس کو ذخیرہ آخرت بنا دیں قرار طبعی کی کوئی تدبیر نہیں تدریجاً وہ خود ہو جاتا ہے اور قرار عقلی کا علاج اللہ تعالیٰ کے حاکم اور حکیم سمجھنے کا مراقبہ ہے۔"

ایک بڑا سبق حضرت قدس سرہ کی تعلیمات میں حقوق العباد کا ملا۔ پوچھنے پر وظیفہ کے متعلق فرمایا معتدل آواز سے ذکر کریں اور وہ بھی اس طرح کہ کسی نائم یا مصلی کو تشویش نہ ہو۔ میں ریڈ کراس سوسائٹی ڈسپنسری کا انچارج تھا۔ ہیڈ ماسٹر اور دیگر اساتذہ خاص خاص ادویات ناجائز طور پر مجھ سے لے جاتے یا کان آنکھ میں ڈلواتے تھے۔ انکار پر فساد کا اندیشہ تھا۔ حضرت سے پوچھا کیا کروں تحریر فرمایا "اگر کوئی معین اور ارزاں دوا ہو تو خود خرید کر رکھ لیجئے اور ڈال دیا کیجئے اگر گراں ہو میری طرف سے خرید لیجئے میں اس کی قیمت بخوشی پیش کر دوں گا۔

میں نے لکھا: حضرت کی شفقت پر قربان جاؤں۔ تحریر فرمایا "شفقت کیا۔ ہر مسلمان کا ہر مسلمان پر حق ہے"۔ آگے میں نے لکھا دوا معین اور بالکل ارزاں ہے۔ میں خود خرید کر رکھ لوں گا اور ڈال دیا کروں گا۔ تحریر فرمایا۔ "سب سے بہتر"۔ کچھ تکلیفیں پھر بھی رہ گئیں اور میں نے جلد ہی ایک سکھ ماسٹر سے رجسٹروں کا مشکل کام لے کر ڈسپنسری اس کو دے دی۔ طالب علموں سے اپنا ذاتی کام لینے کے متعلق میں نے لکھا کہ کام تو ان سے لے لیتا ہوں لیکن کچھ دے کر خوش کر دیتا ہوں۔ حضرت نے تحریر فرمایا ۱۔ کیا ان لڑکوں کے والدین کو خبر اور ان کی اجازت ہے ۲۔ کیا معتمد مزدور نہیں مل سکتے ۳۔ کیا ان کو اتنے ہی پیسے دیئے جاتے ہیں جتنے دوسرے مزدوروں کو۔ اس کے بعد میں نے چند مفلس طلباء کے والدین سے اجازت لی اور لکھا کہ آئندہ ان کو اتنے ہی پیسے دیا کروں گا جتنے دوسرے مزدوروں کو۔ ان کے والدین کی اجازت لے لی گئی ہے۔ حضرت نے تحریر فرمایا "جزاکم اللہ و بارک اللہ"۔ دھوبی نے ایک دھوتی اور پگڑی بدل دیئے۔ حضرت سے پوچھا: ان کو رکھنا یا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا بالکل نہیں کیونکہ وہ دھوبی کی ملک نہیں غیر کا مال بدون اس کے اذن کے کیسے جائز ہو گا جس سے وصول ہوئی ہیں اوسی کو واپس کی

جاویں پھر یہ اس کے ذمہ ہے کہ مالک کو پہنچاوے۔ میں نے لکھا وہ چیزیں کچھ استعمال کر چکا ہوں کیا بطور جرمانہ کچھ اپنے پاس سے ادا کروں۔ تحریر فرمایا "ہاں مساکین کو"۔ ایک اور خط میں میں نے لکھا کہ جب میں لاہور میں پڑھتا تھا۔ ایک ماہ طلبار کے کھانے وغیرہ کا انتظام میرے پاس تھا میں نے خیانت کی اور تمام طلبار کے روپوں میں سے ایک قمیض اور ایک شلوار بنالی۔ اب مجھے بالکل علم نہیں کہ وہ کون کون تھے اور کہاں کہاں ہیں اور نہ ہی پتہ لگ سکتا ہے ارشاد فرماویں کہ یہ حقوق کس طرح ادا کروں

"حضرت نے تحریر فرمایا" اس کے انداز سے مساکین کو دام دے دو اور ان لڑکوں کی طرف سے دینے کی نیت کر لو"۔

ابتدا میں میری تعیناتی ایک پہاڑی علاقہ میں ہوئی۔ میں ایک مسلمان طبیب استاد کے پاس بیٹھنے لگا۔ اس کے تبادلہ پر خود ہی حکیم بن بیٹھا۔ کام چل گیا۔ فیسیں وصول ہونے لگیں۔ ادویات اپنی جیب سے نہ بنتی تھیں کوئی مریض آیا نسخہ لکھ دیا کچھ قیمتی اجزار خود رکھ لیتا۔ نسخہ تیار کر کے کچھ دے دیتا۔ باقی اپنے پاس رکھتا جس سے دوسروں کی ضروریات پوری ہوتیں۔ مریضوں میں کافر مسلمان سب ہی تھے حضرت سے پوچھا کہ آیا کافروں اور مسلمانوں کے حقوق ادا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے تحریر فرمایا "انداز کر کے مالکوں کی طرف سے خیرات کر دیا جاوے"۔ جو یاد تھے ان کو روپے منی آرڈر کئے کچھ نے وصول کئے کچھ نے واپس کر دیے۔ تبادلہ کے بعد میرے پاس دور کا سفر کر کے مریض آنے لگے۔ میں نے ان مریضوں کی معرفت اعلان کرایا کہ میں مکاری سے طبیب بنا ہوا تھا۔ میرے پاس کوئی نہ آوے تب پیچھا چھوٹا۔

اس پہاڑ پر ایک سرکاری جنگل تھا۔ لوگ وہاں سے چوری لکڑیاں کاٹ کر بیچتے تھے اور دو سال میں نے بھی خرید کر جلائیں حضرت سے پوچھا اگر ناجائز تھا تو کیا تدارک کروں۔ تحریر فرمایا: "ناجائز تھا قیمت کا اندازہ کر کے اس محکمہ میں کسی ترکیب سے داخل کریں جس محکمہ کا تعلق اس جنگل سے ہے"

ساری زندگی میں جتنے ریل کے سفر بغیر ٹکٹ کئے تھے حضرت نے فرمایا "اتنی قیمت کے

ٹکٹ لے کر پھاڑ دو۔ مَیں نے حضرت کو لکھا کہ اپنا فرض محنت سے ادا کرتا ہوں لیکن پھر بھی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ اس لیئے میں نے اپنی دنیوی اردو انگریزی کی کتابیں سکول لائبریری میں دے دی ہیں کہ کوتاہیوں کا تدارک ہو جاوے" تحریر فرمایا" یہ کوتاہیوں کا تدارک نہیں ہو سکتا" مولوی شیر محمد صاحب نے دریافت کیا کہ جماعت میں مَیں اپنے لڑکے سے بعض اوقات سوال زیادہ پوچھتا ہوں۔ حضرت نے تحریر فرمایا" یہ خیانت ہے" اس سب تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ اپنے فرض کی ادائیگی میں سارا زور لگا دیا سب افسر ہمیشہ بے حد متاثر اور خوش رہے۔ پینسٹھ سال کی عمر تک ملازمت میں توسیع ملتی گئی۔ سپیشل گریڈ ملے نہایت عمدہ مکان عمدہ سکول دنیا کے ہر طرح کے آرام حضرت کے تعلق کی وجہ سے ملے۔ حضرت کے تعلق نے دنیوی زندگی کو واقعی پر لطف بنا دیا۔ مَیں نے ۲۹ ر ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ کو ایک خط میں لکھا کہ حضرت اقدس مَیں نے آج تک بیعت کی درخواست ہی نہ کی تھی تعلیم کے لئے درخواست کی تھی۔ حضور نے منظور فرمالی تھی۔ اب حضور کی بشارت مناسبت کے بعد دل چاہا کہ بیعت کی دولت سے بھی محروم نہ رہوں اگر حضرت والا مناسب خیال فرماویں تو بیعت فرمالیں جواب میں ارشاد فرمایا۔" بہتر، بعد نماز ظہر یہ پرچہ بلا لفافہ مجھ کو دیدیا جائے اور بعد مغرب مسجد میں رہیں مَیں خود بلا لوں گا۔ چنانچہ اسی روز بعد نماز مغرب حضرت قدس سرہ نے نہایت شفقت بھرے الفاظ سے بیعت فرمالیا۔ اس کے بعد میں ایک ہفتہ کے لئے واپس سکول چلا گیا۔ وطن ہی سے میں نے ۱۱ر ذی الحج ۱۳۵۱ھ کو ایک خط لکھا۔ اس پر حضرت نے بشارت کا لفظ تحریر فرما کر لکھا" بے اختیار قلب پر تقاضا ہوا کہ توکلاً علی اللہ تعالیٰ آپ کو اجازت دے دوں کہ اگر کوئی طالب حق آپ سے بیعت یا تلقین کی درخواست کرے منظور کر لیں۔ آمین۔ آپ کی اصلاح میں مدد ملے گی۔ اشرف علی"۔

حضرت کے انتقال سے تقریباً ایک ماہ پہلے میں خانقاہ حاضر ہوا۔ حضرت ان دنوں بہت بیمار تھے۔ دو دن ظہر کی نماز کے بعد اعلان ہوا کہ حضرت کو تکلیف زیادہ ہے۔ مہمانوں کو ملاقات کی اجازت نہیں۔ مَیں نے اپنی آمد کی اطلاع نہ کی اور حضرت کے خادم عبدالستار نے بھی یہی مشورہ دیا کہ

اطلاع کے معنی تو ملاقات کا تقاضا کرنا ہے۔ اتفاقاً عبدالستار نے حضرت سے تذکرہ کر دیا کہ پنجاب سے ایک صاحب محمد شریف آئے ہوئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا انہوں نے مجھے اپنے آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی وہ تو میرے خاص لوگوں میں سے ہیں اگر وہ مجھ کو اطلاع دیتے تو میں ان کو ملنے کی اجازت دے دیتا" اور عبدالستار کو فرمایا کہ ان کو اطلاع کر دو کہ کل مجھے ملیں دوسرے دن خادم نے مجھے بتایا کہ حضرت نے تین دفعہ دریافت فرمایا کہ ان کو اطلاع کر دی گئی ہے یا نہیں۔ خادم نے عرض کیا اطلاع کر دی گئی ہے۔ اگلے دن بعد نماز ظہر اعلان ہوا کہ حضرت کو کچھ افاقہ ہے تمام مہمانوں کو ملنے کی اجازت ہے۔ ہم سب گئے۔ حضرت نے خادم کو بھیج کر سب سے پہلے مجھے طلب فرمایا۔ میں اندر گیا سلام کیا حضرت نے ناراضگی کے لہجے میں فرمایا کہ کیا میں عالم الغیب ہوں کہ بغیر بتلائے مجھے پتہ لگ جاتا کہ آپ آئے ہوئے ہیں تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں کی" میں نے کہا حضرت حماقت ہوئی۔ فرمایا بہت اچھا بیٹھ جائیے" پھر سب مہمان اندر آ گئے۔ حضرت قدس سرہ تخت پوش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ روئی کی طرح سفید ہو رہے تھے۔ چہرہ مبارک پر ورم تھا اور مفتی جمیل احمد صاحب سے خطوط لکھوا رہے تھے۔

مولانا عبدالباری ندوی

مُجازِ بیعت

میری پیدائش ضلع بارہ بنکی ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ کو ہوئی۔ میرے والد مرحوم حکیم عبدالخالق صاحب اپنے وقت کے مشاہیر و مسلم مشائخ میں سے تھے۔ حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے مرید اور اجازت یافتہ تھے۔ میں ندوہ میں داخل ہوا تو والد صاحب وہاں کی تعلیمی اور تربیتی حالت سے مطمئن نہ تھے۔ اس لئے مجھے وہاں سے ہٹا کر قصبہ نگرام میں ایک بزرگ محمد ادریس صاحب کی خدمت میں بھیج دیا جو مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے شاگرد اور میرے بڑے چچا حکیم امجد علی کے ہم سبق اور ہم استاد تھے میں نگرام میں غالباً ایک سال سے بھی کم رہا مگر بقول اکبر الٰہ آبادی ؎

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

مجھ کو ان کی خدمت میں حاضری سے نہ صرف دینی فائدہ ہوا بلکہ علمی استعداد بھی الحمدللہ اتنی درست ہوگئی کہ جب ندوہ سے گیا تھا تو دو سطر بھی صحیح طور پر نہیں پڑھ سکتا تھا جب دوبارہ مولانا شبلی کے زمانہ میں ندوہ میں داخل کرایا گیا تو میری استعداد اتنی بہتر ہو چکی تھی کہ جس درجہ کو میں ندوہ سے چھوڑ کر گیا تھا اس سے اوپر والے درجے میں داخل کرنے پر مہتمم صاحب و اساتذہ حضرات سب بخوشی آمادہ تھے لیکن اب مجھے خود یہ احساس پیدا ہو چکا تھا کہ اگر میں ایک سال اور اپنے پرانے درجہ میں رہوں تو کمزوریاں دور ہو جائیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نگرام سے واپسی پر پہلے ہی امتحان میں اپنے درجہ میں اول اور امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوا۔ اس دور میں مولانا شبلی کا مذاق طلبہ میں اس درجہ رچ بس

گیا تھا کہ ہر طالب علم کچھ نہ کچھ تقریر و تحریر اور تصنیف و تالیف کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ حد یہ ہے کہ ایک صاحب نخاس سے ایک پرانی میز اور کرسی خرید کر لائے اور علامہ شبلی کی طرح اس میز اور کرسی پر بیٹھ کر مضمون نگاری کی کچھ مشق شروع کر دی مگر میرا مذاق یا طبیعت کا رجحان منقولات سے زیادہ معقولات کی طرف تھا ادھر علامہ شبلی اپنے زمانے کے ایک جید عالمِ معقولات مولانا شیر علی صاحب کو حیدر آباد سے ندوہ لا چکے تھے اور نصاب میں بھی کافی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ مولانا شیر علی کی بدولت میرا یہ رجحان اور ذوق بہت بڑھ گیا نیز علامہ کے زمانہ میں مصر کے عربی رسائل و اخبارات بھی زیادہ آنے لگے تھے ان میں ایک رسالہ المقتطف کے نام سے آتا تھا جو کسی عیسائی کی زیرِ ادارت نکلتا تھا اور اس میں زیادہ تر جدید فلسفہ اور سائنس کے مضامین ہوتے۔ مجھ کو اس رسالہ سے بہت زیادہ دلچسپی تھی بلکہ وہی میرے اس ارادہ کا باعث ہو گیا کہ خود انگریزی پڑھ کر جدید عقلیات سے واقفیت حاصل کر لوں مگر والد صاحب سے یہ خواہش ظاہر کی تو انہوں نے سرے ہی سے انگریزی تعلیم کے لئے خرچ دینے سے انکار کر دیا مگر علامہ نے ندوہ میں اولاً تو ایک طرف تین چار اساتذہ پر مشتمل انگریزی کا مستقل شعبہ کھول دیا تھا جس کے ہیڈ ماسٹر اس زمانہ میں قاضی تلمذ حسین گورکھپوری تھے۔ علامہ سے جب یہ ماجرا بیان کیا تو انہوں نے اتنی ہمت افزائی فرمائی کہ خود قاضی تلمذ حسین صاحب اور ماسٹر دین محمد صاحب کو ہدایت فرما دی کہ دونوں مجھ کو ایک ایک سبق انگریزی کا پڑھا دیا کریں۔ اسی دوران میں مولانا عبد الماجد دریا آبادی صاحب سے تعلقات کا آغاز ہوا۔ وہ اس زمانہ میں بی اے میں جدید فلسفہ کے طالب العلم تھے اور نفسیات کی ایک کتاب کا سبق میں ان سے پڑھا کرتا تھا۔ اب مجھے جدید فلسفہ سے اتنی مناسبت ہو گئی تھی کہ معمولی کتابوں کا لغت کی مدد سے خود مطالعہ کر لیتا تھا۔ والد صاحب کی طرف سے خرچ بند ہونے کی تلافی علامہ نے اس طرح فرمائی کہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سیکرٹری آفتاب احمد صاحب کو ایک خط لکھ کر کانفرنس کی طرف سے پندرہ روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کرا دیا لیکن میں چاہتا تھا کہ علی گڑھ میں فلسفہ کے لیکچروں میں شریک ہو جاؤں اور کچھ استفادہ کروں لیکن اس زمانہ کے انگریز پرنسپل نے سیکرٹری کالج نواب وقار الملک مرحوم کی سفارش کے باوجود اجازت دینی

پسند نہ کی۔ تاہم پندرہ روپیہ کے ماہوار وظیفہ نے مجھ کو اب مصارف کی طرف سے بالکل مطمئن کر دیا تھا اس لئے پرائیویٹ امتحان دینے کا ارادہ کیا جس کو اس زمانہ میں انٹرنیس کہا جاتا تھا اور جس کے بعد کالج میں داخلہ ملتا تھا۔ اسی زمانہ میں گریہ جہاں میرے والد صاحب کا مستقل قیام اور مطب تھا اس کے تعلقدار شیخ مقبول حسین قدوائی کشمیر کے وزیر مال ہو کر گئے ان کو میں نے لکھا کہ والد صاحب نہ تو میرے لئے انگریزی پڑھنا پسند فرماتے ہیں نہ ہی خرچ میں شرکت لیکن خرچ کا انتظام تو علامہ شبلی کی شفقت سے پندرہ روپیہ ماہوار وظیفہ کی شکل میں ہو گیا ہے۔ آپ کشمیر میں ماشاء اللہ وزیر ہیں یقیناً آپ کا مکان بہت وسیع ہو گا بس اس کے کسی گوشہ میں اگر مجھ کو قیام کی اجازت ہو جائے تو میں وہاں کی آب وہوا اور یکسوئی سے فائدہ اٹھا کر انگریزی کا انٹرنیس کا امتحان پرائیویٹ طور پر دینا چاہتا ہوں تاکہ کالج کی تعلیم کا راستہ میرے لئے کھل جائے۔ انہوں نے بڑی شفقت سے جواب میں لکھا کہ رہو گے میرے ساتھ اور کھاؤ گے اپنا۔ بے تکلف آجاؤ اور عزیزوں کی طرح رہو چونکہ مجھ کو ریاضی سے بالکل مناسبت نہ تھی اس لئے امتحان میں تو شریک ہو گیا لیکن ریاضی میں فیل ہو گیا پھر وطن واپس آگیا۔ یہاں پرائیویٹ امتحان دینے کی صرف یہ صورت تھی کہ سکول میں کم از کم ایک سال ملازمت کی ہو حُسنِ اتفاق سے اس زمانہ میں فیض آباد میں انسپکٹر آف سکولز عبدالعزیز صاحب علامہ کے علیگڑھ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کو ممدوح نے ایک خط لکھ کر ملنے کے لئے ہدایت فرمائی انہوں نے اپنے استاد کا خط پڑھتے ہی کچھ جواب دینے کی بجائے دفتر سے ایک خط سلطان پور ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر کو لکھ دیا کہ آپ کے یہاں ایک مولوی کی جگہ خالی ہے اس پر حامل ہذا کا تقرر کیا جاتا ہے وہاں امتحان کی تیاری میں مزید سہولت یہ ہوئی کہ وہاں ریاضی وغیرہ کے جو اساتذہ تھے ان سے برابر مدد ملتی رہی اس وقت علامہ اپنے وطن اعظم گڑھ میں ایک طرف تو سیرۃ النبیؐ کی تصنیف میں مشغول تھے دوسری طرف دارالمصنفین کی بنیاد رکھنے میں مصروف تھے میں اسی دوران سلطان پور سے ایک مرتبہ حضرت استاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور دو تین دن اپنا ہی مہمان رکھا اور ذکر و فکر ہمہ وقت سیرۃ النبیؐ کی تکمیل اور دارالمصنفین کی تاسیس کی تھی وہاں سے سلطان پور واپسی پر ابھی میرا امتحان میں شریک ہونے کا وقت

بھی نہ آیا تھا کہ حضرت علامہ کا آخری وقت آگیا۔ حضرت علامہ کے بعد جب سید صاحب کو تکمیل سیرۃ کے لئے اعظم گڑھ میں مستقلاً قیام پذیر ہونا پڑا تو دکن کالج میں انہوں نے اپنی جگہ کے لئے میرا نام پیش کیا اور صدر شعبہ پروفیسر شیخ عبدالقادر نے اپنی صدارت کا پورا زور ڈال کر فارسی کے کئی ایم۔ اے لوگوں کی درخواستوں کے مقابلہ میں پرنسپل ایف ڈبلیو بین سے جو موصوف پر بہت اعتماد کرتا تھا میرے ہی لئے منظوری حاصل کروالی اور ضابطہ کی اطلاع بھی لکھنؤ میں میرے پاس آگئی اور اس طرح انٹرنس کا امتحان دیئے بغیر دکن کالج جیسے بمبئی کے مشہور کالج میں شعبہ فارسی کا مددگار لیکچرار بن گیا۔ لکھنے پڑھنے کے کام کا سب سے پہلا اور بڑا موقعہ مجھ کو وہیں ملا اور اس میں سب سے زیادہ صدر شعبہ فارسی شیخ عبدالقادر اور پرنسپل ایف ڈبلیو بین کی خاص عنایات کو دخل رہا ہے۔ پروفیسر شیخ عبدالقادر کی شرافت اور عنایت کی انتہا یہ تھی کہ صدر شعبہ ہونے کے باوجود تعلیمی سال شروع ہوتے پر وہ خود میرے گھر پر تشریف لاتے اور فرماتے میرے سپرد آپ کیا کام کرتے ہیں اور ایف ڈبلیو بین پرنسپل کا بھی ایک ہی واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے مجھ کو بمبئی جانے کی ضرورت ہوئی تو اس کے دفتر گیا اور کہا کہ مجھے دو دن کی اتفاقی رخصت چاہیئے تو اس نے کہا "میں کیا کروں" اور پھر کرسی کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹھ جایئے میں بیٹھ گیا تو کہا دیکھئے میں اپنے رفقاء کے متعلق سب سے پہلے تو اس بات کا اطمینان کر لیتا ہوں کہ وہ اپنا کام اہلیت اور دیانت سے کر رہے ہیں باقی دفتریت سے میں بہت گھبراتا ہوں میں نے عرض کیا کہ پھر ضرورت ہو تو رخصت کے لئے ، کس کے پاس جایا کروں ، کہا کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں بس نوٹس بورڈ پر ایک نوٹس لگا دیا کیجئے کہ فلاں فلاں دن یا فلاں وقت میرا لیکچر نہیں ہو گا تاکہ طالب علموں کو پریشانی نہ ہو۔

پروفیسر شیخ عبدالقادر کے بعد ہوم جی نامی ایک پارسی صدر شعبہ مقرر ہوا۔ اس کے ایک دوست ڈپٹی باقر علی میرے بھی بہت عنایت فرماتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ہوم جی کی یہ خواہش پیش کی کہ وہ مجھ سے عربی پڑھنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا بڑی خوشی سے پڑھیں۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے یاددہانی کروائی کہ ہوم جی منتظر ہیں۔ میں نے کہا کا ہے کے منتظر ہیں کہا کہ ان کی خواہش یہ معلوم ہوتی

ہے کہ آپ ان کے گھر جا کر پڑھائیں۔ میں نے کہا ضابطہ کا جواب تو یہ ہے کہ میں کالج کا ملازم ہوں ان کا نجی نہیں اور تہذیب کا جواب یہ ہے کہ ہماری تہذیب کی بنیاد استاد کے ادب پر ہے اس لئے وہ کوئی وقت مقرر فرما کر آ سکتے ہیں۔ میں تو حاضری کو نہ ان کے لئے مناسب سمجھتا ہوں نہ اپنے لئے بس قصہ ختم ہو گیا پھر جب تک وہ صدر شعبہ رہا میری پرزور مخالفت کرتا رہا کہ مجھ کو علیحدہ کر دیا جائے پرنسپل بین کی دوسری شرافت بھی سن لیجئے کہ جب اس کے ریٹائر ہونے کا وقت آ گیا تو ایک دن اس نے اپنے دفتر مجھے بلایا اور میز کی دراز میں سے ایک موٹی گڈی پرچوں اور کاغذات کی نکالی اور کہا کہ ہوم جی کی طرف سے یہ سب آپ کی شکایات ہیں اور صرف میں درمیان میں حائل تھا ورنہ ہوم جی اتنے دن تک آپ کو ہرگز نہ رہنے دیتے کیونکہ میں نے اطمینان کر لیا تھا کہ آپ اپنے فرائض پوری دیانت اور اہلیت سے انجام دیتے ہیں لیکن میرے بعد آپ یہاں نہ رہنے پائیں گے اور یہی ہوا کہ ہفتہ عشرہ کے اندر ہی میرا تبادلہ گجرات کالج احمد آباد کر دیا گیا۔ ایک دن میں حسب معمول لیکچر دے رہا تھا کہ چپراسی نے ایک لفافہ لا کر دیا۔ کھول کر پڑھا تو الزامات کی ایک لمبی فہرست تھی جس میں سر فہرست یہ تھا کہ HE IS IMPLICATED IN KHILAFAT PROPOGANDA یہ بھی خیال تھا کہ وہاں کا پرنسپل بین نہیں بلکہ ایک مشنری تھا۔ اس نے پوچھا کہ سید سلیمان سے آپ کے کیا تعلقات ہیں، میں نے کہا سالہا سال تو میرے وہ طالب علمی کے ساتھی رہ چکے ہیں۔ پھر استاد مقرر ہو کر میرے استاد بھی رہے۔ کہنے لگا وہ تو خلافت وفد میں جا رہے ہیں میں نے کہا اس کو میں کیا کروں۔ جواب دیا کہ گورنمنٹ ایسے لوگوں سے سرکاری ملازموں کا تعلق پسند نہیں کرتی اس لئے یہ ایک ماہ کا نوٹس ہے یا آپ ایسے لوگوں سے باز رہنے کا یقین دلایئے یا اپنے کو معطل سمجھئے۔ میں نے بتایا کہ مجھ کو ایک ماہ کے نوٹس کی ضرورت نہیں۔ میں اسی وقت اجازت چاہتا ہوں اور یہ کہہ کر اس کمرہ سے نکل آیا اور پھر وہاں سے سیدھا وطن آیا اور گو میں ایک متوسط الحال گھرانے کا تھا تاہم الحمد للہ نوکری سے مجھے اتنی بیزاری تھی کہ مجھے اس کے چھوڑنے کے بعد ایسا بھی معلوم نہیں ہوا کہ ایک پیسہ بھی میری جیب سے گر گیا ہے پھر کوئی سال بھر گھر ہی میں بیٹھا رہا۔ اس درمیان میں مسلسل سید سلیمان ندوی صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کے خطوط دار المصنفین سے آتے رہے کہ بس اب دار المصنفین چلے آؤ یہاں نہ کوئی ملازمت ہے نہ افسری نہ ماتحتی ۔ لیجئے جملہ معترضہ بہت طویل ہوگیا ۔ حضرت حکیم الامت کی جوتیوں تک کیسے پہنچا اس کو آگے سنئے ۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی سے میرے کم وبیش ساٹھ سال کے تعلقات ہو چکے ہیں ۔ جب وہ بی ۔ اے میں فلسفہ کے طالب علم تھے تو میں ندوۃ میں متوسطات کا ۔ ان پر عقلیت ۔ ارتیابیت اور اس کے بعد الحادیت تک کا دَور گذرا ۔ ان کے والد مرحوم جب حج کے لئے گئے تو سنا ہے رو رو کر بس ان ہی کے لئے دعائیں کرتے رہے اور دعا ہی نہیں خود بھی ایسے مقبول ہوئے کہ وہیں آخرت کی جنت تک روک لئے گئے ۔ ایک جملہ معترضہ اور کہ تحریکات کے دوران میں ان کو مولانا محمد علی سے بغایت عقیدت ہی نہیں محبت ہوگئی تھی اور انہیں کی وجہ سے چند دن سیاست میں بھی شریک رہے بلکہ شاید خلافت کمیٹی یو ۔ پی کے صدر بھی رہے اور مولانا محمد علی کی زیر ادارت دہلی سے جو ہمدرد اخبار نکلتا تھا اس کے بالکلیہ ذمہ دار اور نگران تھے ۔ آمدم بر سر مطلب نہیں معلوم کیونکر اچانک ان کو کسی سے بیعت ہونے کا خیال آیا خواہ اس کو الحاد کا ردِ عمل کہہ لیجئے یا ان کے والد مرحوم کی دعاؤں کی مزید مقبولیت ۔ احقر کے تعلقات ان سے اتنے زیادہ تھے کہ وہ اس راہ میں بھی رفیقِ طریق بنانا چاہتے تھے ۔ ان کا رجحان مولانا مدنی کی طرف ہوا اور ان سے دونوں کا بیعت ہونا طے ہوگیا ۔ جب ہم لوگ دیوبند اسٹیشن پر پہنچے تو دیکھا مولانا تشریف فرما ہیں اور ڈبہ کا دروازہ کھلتے ہی بجائے قلی کے خود ہی ہم لوگوں کا سامان اٹھا لینا چاہا ۔ کچھ طلبا بھی ساتھ تھے انہوں نے حضرت سے سامان لے جا کر تانگہ پر رکھ دیا اور ہم دونوں کو مولانا کے ساتھ بٹھا دیا ۔ اس زمانہ میں آپ کا قیام حضرت شیخ الہند کے مکان پر تھا ہم لوگوں کو بھی وہیں ٹھہرایا اور جس مدعا کے لئے حاضر ہوئے تھے اس کی نسبت فرمایا کہ میں اس کے لائق بالکل نہیں تم دونوں کو مولانا تھانوی سے بیعت ہونا چاہیئے ۔ ماجد میاں نے برجستہ اپنی ذہانت کا ثبوت دیا اور عرض کیا کہ حضرت سنا ہے کہ اس راہ کا پہلا قدم تو خود رائی کو فنا کرنا ہے اور ہم پہلے قدم آپ کی مخالفت کریں گے تو آگے کیا

چلیں گے مگر مولانا نے اس قسم کے سارے معروضات سنے ان سنتے فرما دیے اور دوسرے ہی دن غالباً پہلی گاڑی سے ہم دونوں کو لے کر تھانہ بھون پہنچے۔ حضرت تھانوی نماز کے بعد فارغ ہوئے ہی تھے کہ نظر حضرت مدنی پر پڑی پھر ان کو ساتھ لے کر اپنی مستقل نشست گاہ سہ دری میں تشریف فرما ہو گئے اور جلد ہی ہم دونوں کو حاضری کا ارشاد ہوا۔ حاضری پر دیکھا تو دونوں میں گفتگو کا موضوع یہ تھا کہ ہر ایک دوسرے کو کہہ رہا بلکہ اس پہ دباؤ ڈال رہا تھا کہ میں ان کے لائق نہیں آپ ہی قبول فرما لیں۔ چند منٹ کے لئے دونوں حضرات نے تخلیہ بھی فرمایا اس کے بعد بھی ہمارے حضرت مدنی اپنی ہی درخواست پر اصرار فرما رہے تھے چنانچہ حکیم الامت قدس سرہ نے اپنے حکیمانہ رنگ کا جواب دے کر معاملہ ختم فرما دیا کہ نہ تو میں جنید و شبلی ہوں اور نہ ہی آپ، ان کے لئے دونوں کافی ہیں مگر ان کو مناسبت آپ سے زیادہ ہے اس لئے ان کو آپ ہی اپنے ساتھ لے جائیں۔ مناسبت کا اندازہ حضرت نے شائد اس طرح فرمایا کہ ماجد میاں تو اس وقت اپنے محبوب و ممدوح مولانا محمد علی مرحوم کے کھدری لباس میں سر سے پیر تک ملبوس تھے اور شائد اس وقت کی رائج الوقت کھدر کی ٹوپی میرے سر پر بھی تھی۔

اس کے بعد سالانہ حاضری تو ہم دونوں کی دونوں جگہ ہوتی تھی مگر میری زیادہ سے زیادہ ہفتہ دو ہفتہ۔ ماجد میاں اہل و عیال کے ساتھ کم و بیش ہر سال ماہ دو ماہ مستقل تھانہ بھون میں مقیم و مستفیض رہتے۔ اپنی بد قسمتی اور حیدر آباد کی ملازمت کی پابندیوں کی وجہ سے تعطیلات گرما میں ہفتہ عشرہ یا زیادہ سے زیادہ دو ہفتہ کے لئے تھانہ بھون میں اور آتے جاتے ایک دو دن کیلئے دیوبند میں حاضری دیتا۔ ایک بات رہ گئی کہ دیوبند واپسی پر حضرت مدنی نے ہم دونوں کو بیعت فرما لیا تھا۔ آخر آخر میرے دل میں بھی یہ تقاضا شدت سے پیدا ہوا کہ مستقل تھانہ بھون میں ہی پڑا رہوں لیکن ملازمت کی زنجیر توڑنا آسان نہ تھا۔ اس کے لئے حضرت تھانوی نے خود حیدر آباد کے صدر اعظم نواب چھتاری کو نواب ممدوح کے سالے یا بہنوئی نواب باغپت کے ہاتھ سفارشی خط لکھا۔ صدر اعظم نے کار بھیج کر مجھ کو تیسرے پہر کی چائے پر مدعو کیا اور فرمایا کہ میں خود تمہاری سفارش کروں گا کہ تم کو قبل از وقت پنشن

دے دی جائے مگر بدقسمتی یا خوش قسمتی کون بدل سکتا ہے یونیورسٹی کونسل نے جواب دیا کہ ان کی ملازمت میں ابھی پانچ سال اور باقی ہیں اور ہمارے پاس کوئی اور دوسرا آدمی بھی نہیں اس لئے کونسل عذرخواہ ہے خود حضرت تھانوی کو اس کا اتنا خیال تھا کہ جب مرض الموت میں آخری حاضری ہوئی تو فرمایا کہ چھتاری نے کیا کیا میں نے پہلے تو خاموشی سے چاہا کہ حضرت اس کی طرف توجہ نہ فرمائیں مگر آپ نے دوبارہ سوال فرمایا تو عرض کرنا پڑا کہ اگر کوئی زوردار صدر اعظم ہوتا تو بیک جنبش قلم کام ہو جاتا مگر کونسل نے یہ لکھ دیا کہ ان کی ملازمت کی مدت پانچ سال باقی ہے اور ہمارے پاس آدمی نہیں ہیں اس لئے معذوری قبول کی جائے۔ میں حضرت قدس سرہ کی خدمت میں یہ تفصیل عرض نہیں کرنا چاہتا تھا مگر آخر حضرت کے تاسف سے متاثر ہو کر عرض کرنا پڑا تو فرمایا کہ افسوس چھتاری سے اتنا بھی نہ ہو سکا نواب صاحب مرحوم کی عقیدت کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب حضرت بسلسلہ علاج لکھنؤ تشریف لائے تو نواب صاحب اس وقت یوپی کے گورنر تھے مگر جب حضرت کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے تو فرش کے کنارے جہاں دوسرے حاضرین کی جوتیاں پڑی ہوتی تھیں انہیں کے قریب بیٹھ جاتے بہرحال سارا قصور اپنی کوتاہ قسمتی کا تھا ورنہ ارادہ بھی کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پنشن دلادی تو خواجہ صاحب کی طرح تھانہ بھون میں ایک مکان کرایہ پر لے کر حضرت کی زندگی تک اسی کو وطن بنالوں گا مگر اس کا کیا علاج کہ ؎

خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

حضرت تھانوی نے بندہ پر جو عنایات فرمائیں ان میں ایک بات یاد آگئی جس کی سعادت اس تباہ کار کے سوا شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہے اہل و عیال کے ساتھ تو کم و بیش تھانہ بھون میں زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ حاضری نصیب ہوتی باقی آخر میں جب حیدرآباد سے گرمیوں کی تعطیل میں آنا جانا تھا تو ہفتہ یا دو ہفتہ کی حاضری ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ جب تم اتنی ہی مدت کے لئے آتے ہو تو میرے مہمان کیوں نہ ہو جایا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے اور حضرت ہی کی صحبت کی وجہ سے یہ نکلوایا کہ حضرت آخر میں کیوں اپنے کو اس سعادت سے محروم رکھوں

مگر کھانے کے اوقات وعادات صاف صاف بتاتا ہوں گے۔ احقر نے عرض کیا کہ معمولاً کھانا جو آپ کا ہوتا ہے۔ دال گوشت روٹی وہی احقر کا بھی ہے۔ البتہ ایک کوئی میٹھی چیز ضرور کھاتا ہوں۔ پھر دو وقتہ میٹھی چیز کوئی نہ کوئی ضرور ہوتی کچھ نہیں تو دودھ میں جلیبیاں آخر تک یہی معمول رہا۔ احقر حضرت کی زندگی کے جس پہلو سے بہت زیادہ متاثر تھا وہ تقویٰ تھا جو ہدایت یابی کے لئے ذالک الکتاب نے ھدی للمتقین کی پہلی شرط لگائی ہے باقی ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

میں جس وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دین و دل کے امراض کے لحاظ سے مہلک امراض میں مبتلا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ بہتری اللہ تعالیٰ نے کسی اعتبار سے پیدا فرمائی وہ بالکلیہ حضرت حکیم الامت کے حکیمانہ معالجات اور جوتیوں کے صدقہ میں ہے۔

راقم الحروف نہ شریعت کا عالم نہ طریقت سے آگاہ۔ البتہ ان بزرگوں ہی کی خدمت میں کچھ حاضری سے جو کچھ سمجھ میں آیا۔ اس کی بنا پر عرض ہے کہ شریعت و طریقت کا ایسا صحیح و متوازن اجتماع کہ دونوں میں فرق محسوس نہ ہو اگر کسی کو دیکھنا ہے تو خانقاہ اشرفیہ میں دیکھے۔ نہ متصلب سے متصلب عالم شریعت کو حرف گیری کی گنجائش ہو نہ محقق طریقت کو۔ ایک طرف اگر اللہ اکبر کی کامل نگہداشت السنۃ الجلیلۃ فی چشتیۃ العلیہ سے ہے تو دوسری طرف شیخ اکبر کی بڑائی کی حفاظت التنبہ الطربی فی تنزیہہ ابن العربی سے ہے۔

تعلیم و تربیت کے لئے تو کہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو بنایا ہی اسی لئے ہے ساری زندگی کا محور یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس باب میں اتنا اہتمام فرماتے کہ خود طالب بھی اپنے لئے مشکل ہی سے کرے گا بلکہ اس کی نظر ہی وہاں جانا دشوار ہے۔ مکاتبت۔ مجالست۔ مکالمت حتیٰ کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز میں طالب کے لئے نفع و اصلاح کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور مرعی ہوتا۔ اس میں مرید ہونے کی بھی شرط نہیں بعض حیثیات سے تو ایسا یاد آتا ہے کہ حضرت نے خود فرمایا کہ وہ

تعلق ارادت کے بغیر زیادہ آزادی و وسعت محسوس فرماتے ہیں۔

اکثر اطباء علاج میں صرف مرض کا خیال کرتے ہیں مریض کا نہیں شخصی حالات، یا زمان و مکان کے اختلافات پر بہت کم نظر جاتی ہے۔ حضرت کے یہاں روحانی معالجہ میں دونوں باتوں کا پورا لحاظ رہتا۔ مثلاً کم خوری، کم خوابی یا دیگر ریاضیات شاقہ وغیرہ کو اس زمانہ کے لوگوں کے لئے بالعموم ترک ہی فرما دیا۔ اذکار و اشغال وغیرہ تمام چیزوں میں طبیعت کی مناسبت اور برداشت کا خاص خیال رکھتے۔ زیادہ زور احکام پر تھا۔ تشخیص مرض اور نفس شناسی میں تو حضرت کی بصیرت حیرت انگیز ہے جہاں حضرت کی نگاہ پہنچتی تھی وہاں کسی ماہرِ نفسیات کی نگاہ کہاں پہنچے گی۔

ایک شخص اپنی جس صفت کو تواضع سمجھ رہا ہے۔ حضرت کی نگاہ اس کو کبر کا مرض تشخیص فرماتی ہے اور پھر مرید کو خود نظر آجاتا ہے کہ ہاں یہ تواضع نہیں کبر تھا۔ بعض مرتبہ کوئی آدمی اپنا کوئی ایسا حال بیان کرتا ہے کہ دوسرا مرشد تو شائد اس کی ولایت کی تصدیق کر دے مگر حضرت یبوست دماغ کا علاج کرانے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ اسی طرح دوسری طرف بعض حالات و خیالات پر انسان کو اپنے کفر و نفاق تک کا گمان ہونے لگتا ہے لیکن حضرت کی تشخیص میں وہ ایمان و اخلاص کے منافی نہیں ہوتے۔ کم ہمت سے کم ہمت کو بھی حضرت ہمت شکستہ نہیں ہونے دیتے بلکہ جہاں تک بھی اس کی ہمت یاری کرے دین کا یُسر یہ ہے کہ خدا سے لپٹائے رکھتے عادات و اخلاق میں سب سے نمایاں وصف بے تکلفی اور ضبط و انتظام تھا محض تکلف یا رسم و رواج کی خاطر کوئی ایسی بات نہ تو پسند اور نہ ہی اختیار فرماتے جو اپنے یا دوسرے کے لئے بارِ خاطر یا حقیقی نفع کے منافی ہو لیکن چونکہ لوگ عام طور سے تکلف و تصنع کے ہی عادی و طالب ہو گئے ہیں۔ حضرت کی معاشرت میں بعض باتیں نامانوس نظر آتی ہیں اور غلط فہمی کا سبب بن جاتی ہیں۔ مثلاً

لوگ کثرت سے حاضر ہوتے رہتے جن کی عام طور سے مہمان داری کا اہتمام حضرت نے اپنے ذمہ نہیں رکھا۔ ابتداء میں کچھ دن رکھا تھا۔ مگر حضرت کی طبیعت و طریقہ سے جو لوگ واقف تھے جانتے ہیں کہ چھوٹا بڑا جو کام بھی اپنے ذمہ قبول فرما لیتے اس کا پورا اہتمام و حق بھی ادا فرمانا چاہتے

تھے جس کا اثر لازماً ارشاد و افادہ کی ان خدمات پر پڑتا جو حاضر ہونے والوں کا اصل مقصود ہوتا یاد آتا ہے کہ خود حضرت نے بھی یہی وجہ بیان فرمائی تھی۔

اسی طرح دیکھا کہ بعض آدمی پہلے سے اپنے حالات و خیالات کی اطلاع کے بغیر خدا جانے کن کن مزعومات کے تحت آجاتے اور پھر نہایت بے فکری کے ساتھ بے سروپا سوال وجواب شروع کر دیتے حضرت کو اس سے قدرتاً گرانی ہوتی۔ خصوصاً اس لئے کہ حضرت خود دوسروں کے بارہ میں بہت فکر فرماتے۔ اس کے علاوہ اس طرح آپڑنے والوں کو اگر اپنے مزعومات میں مایوسی ہو تو ممکن ہے کہ کچھ نفع حاصل کرنے کی جگہ الٹے سفر اور زحمتِ سفر کا تاسف واپس لے کر جائیں باقی جہاں تک سچی راحت و سہولت ہمدردی و خیر خواہی اعانت و رعایت کا تعلق ہے وہ جتنی حضرت دوسروں کی فرماتے وہ خود بھی بیچارے نہیں کر سکتے اس کا اندازہ راقم کے چند معمولی تجربات سے ہوگا۔ ایک دفعہ گھر کے لوگوں کے ساتھ حاضر ہوا۔ خانقاہ کے قریب کرایہ کا جو مکان لینا چاہا مالک مکان نے اس کا کرایہ ایک روپیہ کہلا بھیجا حضرت نے فرمایا کہ نہیں آٹھ آنے۔ میں نے عرض کیا کہ ایک روپیہ زیادہ معلوم نہیں ہوتا فرمایا کہ بہت بیچارے ایسے بھی آتے ہیں کہ ان کے لئے یہ بھی زیادہ ہوگا اور جو شرح ایک دفعہ قائم ہو جاتی ہے مالک مکان اس کے متوقع رہتے ہیں پھر مجھ سے فرمایا مکان دیکھ لیا ہے ٹھیک ہے۔ عرض کیا جی ہاں اس کے بعد مجھ کو ساتھ لے کر خود ملاحظہ کیا اور خاص طور سے بیت الخلاء کو دیکھا جس کی طرف میرا ذہن بھی نہیں گیا تھا یہ بہت تنگ اور غالباً ایک ہی قدمچہ تھا۔ فرمایا مستورات کو تکلیف ہوگی اور دو ہی چار روز بعد حضرت کا آستانہ خالی ہو گیا وہ عطا فرما دیا جس میں بہت آرام تھا۔

ایک بار جس مکان میں قیام ہوا وہ خانقاہ سے ذرا فاصلے پر تھا صبح کی مجلس کے لئے خاص طور پر پہلے مجھ کو اطلاع کراتے پھر خانقاہ والوں کو تاکہ فاصلہ کی وجہ سے ان سے نہ بچھڑ جاؤں ساتھ یہ بھی فرما دیتے کہ اطلاع کا مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ اب میں فارغ ہوں جی چاہے آ سکتے ہو۔

ہر حاضری میں کئی کئی وقت حضرت کا مہمان رہنے کی سعادت حاصل رہی۔ بعض اوقات،

ہم طعامی کا بھی شرف بخشتے لیکن اکثر خصوصاً جب ایک سے زیادہ مہمان ہوں تو یہ تکلف نہیں فرماتے تکلف پسند مہمانوں کو یہ بات گراں ہو سکتی ہے۔ راقم بھی اسکی توجیہہ سے قاصر تھا ایک مرتبہ خود ہی فرمایا میزبان کے ساتھ مہمان بے تکلف ہو کر نہیں کھاتا۔ اندازہ کرنا چاہیئے کہ جب آنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ایسی دقیق رعائتیں فرماتے تھے تو مہمات امور میں کیا کیا حکمتیں نہ پیش نظر رہتی ہوں گی۔

یہی صورت پابندی اوقات کی تھی کہ عام طور پر کام کا وقت بندھا ہوتا تھا۔

اس میں اپنے اور دوسروں سب کے لیئے جو کثیر منافع ہیں ان سے کون انکار کر سکتا ہے۔ تصنیفات و تالیفات کی سینکڑوں تک تعداد۔ خانقاہ کے مقیموں اور باہر سے حاضر ہونے والوں کو بلاناغہ دو وقت کی مجلس میں چار پانچ گھنٹے مستقلاً استفادہ کا موقع روز کے روز تمام خطوں کا جو جن کی اوسط پندرہ بیس رہتی تھی یہ سب اسی پابندی اوقات اور انتظام کی برکات تھیں لیکن قواعد انسان کے لئے ہیں انسان قواعد کے لئے نہیں کہ ان میں مستثنیات نہ ہوں۔ مغرب کے بعد عموماً ملاقات کا وقت نہیں لیکن راقم نے جب تخلیہ میں کچھ عرض کرنے کی درخواست کی تو مغرب کے بعد بھی آدھ آدھ گھنٹے سے زیادہ وقت عطا فرما دیا اور جب تک کچھ عرض کرتا رہا تشریف فرما رہے۔ ایک مرتبہ تو شائد عشاء کا وقت اسی میں آگیا۔ تعویذ لکھنے کا وقت ظہر و عصر مابین مجلس ہوتا لیکن ایک مرتبہ میرے ملازم کو ضرورت پڑی تو بلا میری درخواست کے خود ہی نہایت شفقت سے عشاء کے بعد تحریر فرما دیا۔

راقم ہذا کے جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کی فطرت کو زود اعتقادی یا خوش اعتقادی سے کتنا بُعد ہے اور چشم بدبین کے لئے کتنا بدنام ہے لیکن حضرت کی شخصیت میں اس کو سراپا شفقت و محبوبیت کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ حال تو ایک ظاہر بین اور ناقص نظر کا تھا۔ باقی دیدہ کامل کو کیا کچھ نظر آتا ہوگا یہ کسی کامل سے پوچھنا چاہیئے۔

عجب بات ہے کہ جس طرح رسوم و تکلفات کی عادت بعضوں کی نظر سے حضرت کی سچی شفقت اور حقیقی لطف و کرم کو چھپا لیتی ہے اسی طرح عبارت آرائی کی جستجو حضرت کی تالیفات

وتصنیفات کے معاملہ میں بہتوں کو لفظ بگذار و سوئے معنی رو ی سے محروم کر دیتی ہے سطحیت پسندی اس زمانے کی عالمگیر وبا ہے۔ تحریر میں بھی لوگ تکلف وتصنع شاعری ولفاظی کے اتنے خوگر ہوگئے ہیں کہ خالص علم طلبی ومعنی جوئی کے لئے مشکل ہی سے کوئی کتاب یا مضمون پڑھ سکتے ہیں۔ ایک اچھے دیندار صاحبِ علم کو حضرت کی تصانیف کے متعلق کہتے سنا کہ پڑھنا چاہا لیکن پڑھی نہیں جاتیں خود راقم السطور بھی اس مرض میں مبتلا رہا۔ والد صاحب مرحوم حضرت کی اکثر کتابیں وغیرہ منگواتے رہتے تھے۔ بارہا مجھ سے بھی استفادہ کے لئے ارشاد فرماتے مگر زبان کے چٹخارے پر جان دینے والے کو جان بخش غذا کی طرف کیا رغبت ہوتی۔

حضرت کی خدمت میں حاضری کے بعد سے حضرت کے علوم ومعارف کا کچھ اندازہ ہوا اب تو بلا مبالغہ یہ حال ہے کہ چشم بدبین نکند بہ کس نگاہے۔ جتنا علم جتنا عمق اور جتنا ذوق واثر حضرت کی تحریروں میں ملتا ہے کہیں نصیب نہیں، حیرت ہوتی ہے کہ اتنی کثیر تصانیف کے باوجود حضرت کا طرز تحریر اتنا قلیل اللفظ کثیر المعانی کیسے ہے پھر اکثر دیکھئے گا کہ جس معنی ومفہوم کو جس لفظ وعبارت سے ادا کیا گیا جو صحت وجامعیت اس میں ہے وہ اس کی جگہ کسی دوسری تعبیر سے حاصل نہیں ہوتی سچ پوچھئے تو انشاء کا بھی اصل کمال یہی ہے۔

پروفیسر شفیع محمد قریشی

مجازِ صحبت

میرے والد صاحب کا نام حاجی محمد احسان سِن پیدائش ۱۹۰۲ء مقام پیدائش قریہ پاٹ سندھ میں ہے۔ سندھی، فارسی، عربی اور انگریزی کی تعلیم مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں حاصل کی۔ قرآن پاک ناظرہ اپنی بہن اور اپنی والدہ صاحبہ سے پڑھا جو کہ دونوں حافظِ قرآن اور نہایت ہی عبادت گزار، تہجد گزار اور صالح عورتیں تھیں۔ دینی رجحانات کا باعث خود والدہ ماجدہ تھیں اور ان ہی کی دعاؤں کا اثر مجھ پر پڑا۔ کتاب کریما سے لے کر تا بوستان اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ باقی عربی کی کتابیں مختلف مدارس میں پڑھیں۔

تمام اساتذہ میں سب سے زیادہ مولانا حاجی الٰہی بخش نے متاثر کیا مگر افسوس کہ ان کی عمر نے دفا نہ کی ورنہ سارا علمِ دین ان کے پاس رہ کر پڑھتا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق خاص بعد از یک ناگہانی خواب تقریباً ۱۹۲۲ء میں ہوا۔ فوراً دوسرے ہی دن، ۴ صفحات کا ایک خط آپ کو لکھا اس میں خواب کی کیفیات بھی لکھیں، حضرت کا جواب واپسی ڈاک میں آیا جو کہ حسب ذیل تھا "آپ کا خط حرفاً حرفاً پڑھا، بہت مسرت ہوئی۔ اللّٰھم زد فزد دعائیں کرتا ہوں۔ احوال لکھتے رہیں"۔

اس جواب پر احقر کی بہت ہمت افزائی ہوئی۔ اول بار حاضری تھانہ بھون ۱۹۲۹ء کے ماہ رمضان شریف میں ہوئی۔ ۱۹ روز قیام کیا۔ بعد میں تقریباً ہر سال ایک بار حاضری ہوتی رہی اور حضرت کے انتقال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ بیعت حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب سے بعد از استخارہ من جانبین ۱۹۴۲ء میں ہوئی۔

بیعت کرتے وقت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "میری مناسبت حضرت تھانوی سے ہے مگر چونکہ حضرت کمزور وضعیف ہو چکے ہیں اب میں ان پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا" بعد میں پھر ۱۹۵۰ء میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے خلیفہ مجاز حضرت مولانا شیر محمد صاحب سے درمیان عرفات و مناج کے موقعہ پر تجدید بیعت کی۔

حضرت تھانوی سے تعلق کے بعد گویا مجھے نئی زندگی ملی ورنہ شاید تمام عمر بیکار چلی جاتی۔ حضرت کی تعلیمات کی خصوصیات کثیر در کثیر ہیں۔ آدمیت سکھاتے تھے۔ نہ کشف نہ کرامات نہ زیادہ اشغال۔ سنت کی پابندی۔ گناہوں سے نفرت۔ معاملات کی درستگی نہ کیفیات کی مانگ بس اخلاص در رضائے ربی کی مانگ۔

تقسیم ہند کے بعد ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز رہا۔ ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۵۶ء تک گورنمنٹ کالج حیدر آباد میں عربی کا پروفیسر رہا۔

منشی عبدالصبور

مجازِ صحبت

میرے والد عبدالغفور صاحب معمولی حیثیت کے انسان تھے مگر تمام عمر رزقِ حلال کی تلاش میں رہے ۔ حرام سے اپنے آپ کو بچاتے رہے ۔ صابر و شاکر اور باہمت انسان تھے ۔ نماز روزہ کے پابند عقیدہ کے پختہ بزرگوں کے صحبت یافتہ، بدعات و رسومات سے دور، وہ پہلے قاضی محمد اسماعیل خلیفہ مولانا محمد تھانوی صاحب اور پھر حضرت گنگوہی سے بیعت ہوئے ۔ قاضی صاحب کے یہاں حلقہ ہوا کرتا تھا اسی اثر سے میرا تعلق حضرت تھانوی سے ہو گیا ۔ قصبہ بگرہ سے میں اور میرے ایک دوست قاری ادریس صاحب جن کی شادی تھانہ بھون میں ہوئی تھی ۔ دونوں عصر کی نماز پڑھ کر تھانہ بھون کو روانہ ہو جاتے ۔ گیارہ میل کے راستہ میں دو ندیاں پار کرنا ہوتی تھیں ۔ وہ تو اپنی سسرال چلے جاتے تھے اور میں حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا ۔ رات کو گیارہ بجے تھانہ بھون پہنچا کرتے تھے نہ کوئی ڈر ہوتا تھا نہ کوئی تکلیف محسوس ہوتی تھی غرض عجیب قسم کی حالت تھی ۔

اس کے بعد میں نے ایک خط حضرت قدس سرہ کی خدمت میں لکھا کہ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں ۔ جواب آیا رخصت لے کر آجاؤ ۔ میں ایک ماہ کی رخصت لے کر حاضرِ خدمت ہوا ۔ حضرت اقدس نے مجھ کو اصلاح الرسوم اور تعلیم الدین پڑھنے کو کہا ۔ اس وقت مجھ میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ وہ دونوں کتابیں خریدتا اور تھانہ بھون میں کسی سے جان پہچان نہیں تھی ۔ اسی فکر میں تھا کہ حضرت خواجہ صاحب نے مجھ کو فکرمند دیکھ کر وجہ پوچھی ۔ میں نے اپنا حال کہہ دیا ۔ فوراً گئے اور دونوں کتابیں لاکر دے دیں ۔

حضرت والا نے چار سلسلوں میں بیعت فرمایا تھا اور کچھ پڑھنے کو بتلایا۔ مجھ کو اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے پھر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ کچھ عرصہ بعد ۱۰ جولائی ۱۹۳۰ء کو مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا "سب حالات محمودہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکت اور استقامت عطا فرمائیں کئی روز سے برجستہ قلب پر تقاضہ ہے کہ بنا بر مناسبت طریق آپ کو تلقین بلا بیعت کی اجازت دیں اگر کوئی اصلاح کا طالب ہو تو عذر نہ کریں اور اجازتِ بیعت کے لئے خاص حالات کا انتظار ہے۔"

میں نے حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ یہ حضرت والا کی دعاؤں کا اثر ہے ورنہ میرا حال چال تو ظاہر ہے۔ حضرت والا کے یہاں ظہر کے بعد عام مجلس ہوتی تھی اور صبح کو خاص مجلس ہوتی تھی۔ میں کبھی کبھی صبح کی مجلس میں جایا کرتا تھا۔ مجھ کو منع نہیں فرمایا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میری مجلس میں تسبیح رکھ کر بیٹھنا اس قدر مفید نہیں ہے جتنا کہ میرے قلب کی طرف توجہ رکھنا۔ میں ہمیشہ اس پر عمل کرتا۔ کبھی حضرت کے چہرہ مبارک کو دیکھتا۔ کبھی قلب کی طرف توجہ رکھتا۔ اس سے مجھ کو ظاہرہ فائدہ تو یہ ہوا کہ میں جو سوالات اپنے قلب میں لے کر جاتا تھا وہ خود بخود حل ہو جاتے مجھ کو دریافت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔

حضرت قدس سرہ سے تعلق کے بعد زندگی ہی بدل گئی۔ صاف الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ میں تو حیوان سے انسان بن گیا اور میرے اندر جو خامیاں اور خرابیاں تھیں ان کی حضرت قدس سرہ سے تعلق کے بعد رفتہ رفتہ اصلاح ہوتی چلی گئی۔

حضرت قدس سرہ کی زندگی کے تمام پہلو ایسے ہیں جو متاثر کرتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم میں صلاحیت ہو۔ ان کی حیات کے ہر پہلو میں ہمارے لئے نصیحت ہے اور ہم اس سے اپنی اصلاح کر سکتے ہیں مگر مجھے تو حضرت کی غیر معمولی ذہانت۔ معاملہ فہمی۔ تقویٰ اور طہارت اور معاملات کی صفائی نے بہت متاثر کیا۔

ماسٹر منظور احمد

مجازِ صحبت

میرے والد صاحب ایک زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن گذارا نہ ہونے کے سبب انہیں صوبہ سرحد میں ملازمت کرنی پڑی۔ میری پیدائش ۶ دسمبر ۱۹۰۵ء کو ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں ہوئی جماعت ہفتم تک یہیں تعلیم حاصل کی پھر لکھنؤ چلا گیا اور بقیہ تعلیم ایم اے او کالج علی گڑھ میں حاصل کی۔

فروری ۱۹۲۹ء میں جبکہ میں علی گڑھ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔ اپنے اندر کچھ دینی کمی کا احساس ہوا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اپنے بعض دوستوں سے کسی ولیِ کامل کا پتہ پوچھتا رہا۔ کسی کا جواب دل کو نہ لگا اس لئے کہ کراماتِ حسیہ و کشفِ تکوینی کو میں علاماتِ کمال ولایت نہیں سمجھتا تھا۔ معلوم نہیں کیوں؟ جب تجربہ سے ثابت ہوا کہ علی گڑھ میں جو لوگ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بیعت ہیں۔ ان کی دینی حالت قابلِ رشک ہے تو یہ خیال پیدا ہوا کہ ؎

وہ دریا کیسا ہوگا جس کے یہ قطرے سمندر ہیں

پس حضرت کے ایک مخالف مولوی (جن کی بابت مجھے علم نہ تھا کہ یہ حضرت کے مخالف ہیں) سے پوچھا کہ مولانا تھانوی کیسے ہیں جواب دیا کیسے ہی سہی تمہیں تو اللہ کا راستہ ہی بتلائیں گے۔ اللہ کا راستہ یہ لیستے سیر بہدف وکیمیائی تاثیر والے الفاظ تھے کہ چند ہی گھنٹوں میں تھانہ بھون روانہ ہوگیا۔ ۲۰ فروری ۱۹۲۹ء کو صبح سویرے تھانہ بھون پہنچا۔ بعد نماز فجر حضرت قدس سرہ سے مصافحہ کیا۔ خانقاہ میں نہ تو کوئی شان وشوکت نظر آئی اور نہ ہی کوئی غیر معمولی بات بلکہ سادگیِ فطرت کے مطابق تمام کارخانہ اور

شریعت کے مطابق تمام اعمال مگر آپ کی ہر بات میں ایسی کشش اور ہر ادا میں ایسی دل ربائی تھی کہ حضرت پر نثار ہونے کو دل چاہتا تھا اور اب تک یہی حالت ہے ؂

دل ازل سے ہے کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی سو اُبھر آئی ہے

رمضان المبارک کا زمانہ شروع ہونے والا تھا۔ لہٰذا مہمانوں کا کثیر مجمع تھا۔ ایک صاحب نے مجھے خانقاہ کے تحریر و مخاطبت کے طریقے بتلا دیے تھے۔ اس زمانہ میں ایک معمول یہ تھا کہ صبح کی نماز کے بعد خانقاہ میں طالب اپنا حال لکھ کر لیٹر بکس میں ڈال دیتے تھے۔ آپ اشراق کی نماز کے بعد جواب لکھ کر کوٹھری یا حجرہ میں بھجوا دیتے۔ بعض طالب اپنا صرف اتنا ہی پتہ تحریر فرماتے کہ منبر مسجد تاکہ ملازم کو دور نہ جانا پڑے۔ میں نے بھی اپنا پتہ منبر مسجد ہی لکھ دیا۔ اس طرح پہلی بار حضرت کو اپنا تعارف کرایا۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ کیا مجھ سے ملاقات ہوئی ہے اور کیا ملاقات کے وقت یہ سب ضروری حال مجھ سے کہا تھا۔ میں نے تحریراً یہی عرض کی کہ ملاقات تو ہوئی مگر نو وارد کی جھجک اور حضرت کے رعب کی وجہ سے کچھ بھی عرض نہیں کر سکا۔ تحریر فرمایا کہ یہ موانع ضعیف ہیں جو طریقہ موانست کے خلاف ہیں۔ موانست کا طریقہ وہی ضروری گفت گو تھی جو ترک کر دی گئی۔ میں نے معذرت کی حضرت نے معاف فرما دیا۔ مکاتبت ہوتی رہی رمضان شریف میں ہر طالب کو روزانہ مکاتبت کی اجازت نہیں تھی۔ مہمانوں کے ہجوم کے سبب ہر طالب۔ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ حال لکھ سکتا تھا۔ مگر مجھے حضرت نے چھ رمضان المبارک تک روزانہ مکاتبت کی اجازت دے دی۔ میں نے اس خصوصی رعایت پر شکریہ ادا کیا تو تحریر فرمایا کہ شکریہ ادا کرنے سے دل خوش ہوا مگر میں مواقع ضرورت میں ایسی رعایت طالبین کو دے دیا کرتا ہوں"۔ غالباً سات رمضان المبارک کو نہایت مسرور و مطمئن ہو کر تھانہ بھون سے واپس لوٹا۔

تھانہ بھون سے واپسی پر وضع و لباس خود بخود بالکل شریعت کے مطابق ہو گیا مگر باطن میں پہلے کی طرح سے کورا رہا اور سمجھتا ہوں کہ نور تو مکمل ہے مگر بند اور اندھیری کوٹھڑی میں کس طرح پہنچے گا۔ بارش کا پانی ہر زرخیز زمین میں سنبل و ریحان پیدا کرتا ہے مگر جو زمین مجھ جیسی شور ہو اس کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے

مگر یہ تبدیلی ضرور ہوئی کہ سمجھ میں آگیا کہ میں کچھ بھی نہیں ارذل خلائق ہوں۔

حضرت سے دس سال مکاتبت جاری رہی جب بیعت ہونے کی درخواست کی تو دریافت کیا بیعت کی غرض کیا ہے۔ عرض کیا اصلاحِ نفس۔ فرمایا کیا اصلاحِ نفس کے لئے بیعت بہت ضروری ہے۔ عرض کیا گیا کہ نہیں۔ اس پر فرمایا کہ اب آئندہ بیعت کی درخواست تو نہیں کرو گے۔ عرض کیا گیا دل تو نہیں چاہتا۔ فرمایا اس میں تعجیل کرنا مناسب نہیں اگر تعلق بڑھتا جائے تو بیعت کی درخواست میں مضائقہ نہیں پس دس سال بعد ۱۹۴۱ء میں حضرت سے بیعت ہوا۔

حضرت نے مجھ پر بے شمار شفقتیں کیں تھانہ بھون کی دوسری حاضری پر خصوصی مخاطبت کا بھی شرف عطا فرمایا جس پر حاضرین کو تعجب تھا۔ گورنمنٹ ہائی سکول مظفر نگر میں ۱۹۳۰ء میں عارضی ملازمت ملی اس کے بعد بیکاری کا اندیشہ تھا تو حضرت نے بذریعہ منی آرڈر دس روپیہ ماہانہ بطور قرض ارسال فرمانے کا وعدہ فرمایا جس کا اجراء بھی فرمایا جو صرف ایک ہی دفعہ ہوا۔

آخری ملاقات میں حضرت مرض الموت میں مبتلا تھے چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ ظہر کے بعد کی مجلس ختم ہو چکی تھی۔ ایک صاحب نے ہدیہ پیش کیا پھر دوسرے نے مجھے بھی ہمت ہوئی۔ میں نے بھی نہایت قلیل ہدیہ پیش کیا جو حضرت نے قبول فرماتے ہوئے کہا "یہ تو چندہ ہی ہونے لگا۔ یہ چندہ بھی موجب خندہ ہے" آہ آہ کیا اثر تھا حضرت کے الفاظ میں جب وہ سماں یاد آتا ہے تو سوائے گریہ کے کچھ اور نہیں سوجھتا کبھی کہا کرتا ہوں ؂

جانے کیا سحر تری چشم فسوں ساز میں ہے

حافظ عبدالولی

مجازِ صحبت

والد صاحب کا نام حافظ عبدالغنی ہے۔ میری پیدائش بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں ہوئی۔ والدین رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں بزرگ ہستی تھے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات اگر معلوم کرنا چاہیں تو تفسیر بیان القرآن مطبع مجتبائی حصہ اول کے آخر میں جو قصیدہ ہے اس کو ملاحظہ کرلیں۔ اس کی نسبت حضرت حکیم الامت نے جو ارقام فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے "قصیدہ بسروچشم قبول کیا۔ بے حد خوشی ہوئی کہ الحمدللہ اپنے عنایت فرماؤں میں ایسے باکمال واہل خلوص موجود ہیں اور زیادہ مسرت اس سبب سے ہوئی کہ مجھ کو آپ کے کمال علمی آج ہی معلوم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ تفسیر کے آخر میں اس کو شائع کردوں گا۔ اشرف علی"

والدین رحمہما اللہ کی دعا و توجہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حضرت قدس سرہ کی خدمت میں پہنچایا۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی قرآن شریف سب پڑھا مگر سب ادھورا رہا۔ جب والدین نے دیکھا کہ تعلیم بہت ادھوری ہے تو ایک سکھ ریاست (کپورتھلہ) میں ملازم کروا دیا۔ حضرت اقدس کی دعاؤں سے اتنا بڑھا کہ باوجود جاہل ہونے کے سٹیٹ منیجر ہوا۔ ضابطہ کی پنشن کے بعد دوبارہ پنشن میں مزید اضافہ ہوا۔

حضرت قدس سرہ کی طرف سے مجازِ صحبت اور حاجی حمداد خان صاحب اور مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مجازِ بیعت کیا گیا لیکن میری نااہلی حائل رہی اور اب اس

حالت میں ہوں کہ ۲۰؍رجب سے ۸۰ واں سال شروع ہے کوئی عمل بھی اچھا و پاک نظر نہیں آتا۔

میری پہلی حاضری کا قصہ یہ ہوا کہ ۱۹۰۶ء میں میری شادی کے لئے والدین قصبہ بڈھانہ ضلع مظفرنگر گئے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ذی علم بزرگ تھے۔ اہل حدیث، بدعات اہل سنت سب صاحبان سے ملتے تھے مگر اطمینان نہ ہوتا تھا۔ اتفاق سے جو مدرسہ اپنی آبائی مسجد میں قائم تھا وہاں گئے اس وقت بہشتی زیور کے پانچ حصے طبع ہو چکے تھے۔ مولوی عبداللہ صاحب مدرس کے پاس بہشتی زیور دیکھتے ہی کایا پلٹ گئی۔ جب میں مسجد کے صحن اور مدرسہ میں داخل ہوا تو والد صاحب پانچواں حصہ لئے ہوئے مسجد کے صحن سے باہر آ رہے تھے فرمایا "دلی جو کچھ ہیں یہ ہیں اب میں ٹھکانے آ گیا۔ شاید کانپور میں ان ہی بزرگ کا وعظ بھی سنا ہے"۔ میں نے والد صاحب سے بہشتی زیور لے لیا اور مطالعہ شروع کیا اور پھر رسائل جزاء الاعمال وغیرہ منگوائے ۱۹۰۸ء میں خانقاہ تھانہ بھون کی حاضری اس طرح نصیب ہوئی کہ معلوم نہ تھا کہاں جاؤں کہاں ٹھہروں۔ سرائے میں ٹھہر کر دریافت کرتا ہوا خانقاہ پہنچا۔ حضرت قدس سرہ تشریف فرما تھے۔ کون ہے کہاں سے آیا ہے۔ کیوں آیا ہے کہاں ٹھہرا ہے۔ جواب عرض کئے گئے۔ فرمایا کہ یہاں بھی ٹھہرنے کی جگہ تھی۔ سرائے میں کیوں ٹھہرے۔ عرض کیا گیا معلوم نہ تھا۔ کیوں آیا ہے کے جواب میں عرض کیا گیا کہ اپنی غلامی میں قبول فرمایئے اس لئے آیا ہوں۔ دریافت فرمایا کہ کب تک رہو گے۔ عرض کیا گیا کہ کل واپس جانے کا ارادہ ہے۔ فرمایا ہم کسی کو جلدی مرید نہیں کیا کرتے لیکن تجھ کو کر لیں گے کل آنا۔ دوسرے دن پھر حاضری ہوئی ملفوظات ہوتے رہے۔ گاڑی کا وقت قریب ہونے لگا تو فرمایا گاڑی کا وقت ہونے لگا ہے جاؤ۔ میں نے عرض کیا میری مراد تو پوری نہیں ہوئی فوراً ہاتھ بڑھا کر مرید فرما لیا اور فرمایا کہ وہاں سے خط و کتابت کرنا۔

ملازمت کی وجہ سے تقریباً ہر سال آٹھ دس دن کے لئے حاضری ہوتی رہی۔ ایک مرتبہ زیادہ عرصہ بھی قیام پذیر رہا اور سفر میں بھی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔ بہ سلسلہ علاج جب بھی آپ لکھنؤ تشریف لائے حاضری ہوتی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب کے یہاں اور ٹی تشریف لے گئے وہاں بھی حاضری ہوئی۔ یہاں جی چاہتا ہے کہ اپنے بڑے لڑکے مولوی عبدالحفی کا ذکر کروں۔ انہوں نے اول سالہ

نصاب گھر پر پڑا۔ پھر حضرت قدس سرہ کی مرضی و حکم پر مظاہر علوم میں پانچ سال تعلیم حاصل کی۔ ہر جمعہ کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ حضرت سے اصلاح کراتے تھے۔ آخری مرتبہ جب علاج کے سلسلہ میں لکھنؤ تشریف لائے تو عبد الغنی سلمہ نے عریضہ بھیج دیا کہ حاضری کی اجازت دی جائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمایا کہ طبیعت اچھی نہیں ضعف کی وجہ سے احباب سے بھی ملنا نہیں ہوتا۔ تم آئے ہو نہ مل سکے تو اس کا کیا ہو گا۔ یہ خط عبد الغنی سلمہ نے مجھ کو دکھایا۔ میں نے جواب دیا کہ یہ لکھو میں حاضر ہوا قدمبوسی نہ ہوئی میرا کام تو ہو گیا لیکن حضرت کو جب یہ معلوم ہو گا کہ فلاں آیا تھا ہم اس سے نہ مل سکے تو حضرت کو رنج ہو گا اس لئے میں حاضر نہ ہوں گا۔ اتفاق سے مجھ کو اتوار کی فرصت ملی میں حاضر ہو گیا اور حضرت قدس سرہ کی قدمبوسی کی۔ حضرت عصر کے وقت ڈاک لئے ہوئے مسجد خواص میں تشریف لائے۔ دو تین مرتبہ یہ فرمایا کہ "کیا اچھی بات لکھی لڑکے نے" میں سمجھ گیا کہ عبد الغنی کے عریضہ کی نسبت فرما رہے ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت پیرانی صاحبہ سے عبد الغنی کی والدہ ملنے کے لئے اجازت چاہتی ہیں۔ فرمایا کہ ہاں بھیجدو مرد تو ملتے ہی رہتے ہیں عورتیں کہاں جلدی ملتی ہیں۔ اس کے دوسرے دن عبد الغنی مع والدہ کے آگئے۔ دو چار دن وہاں رہے اور اپنے لڑکے محمد رضی کی بسم اللہ بھی کرائی جس کا نام بھی حضرت تھانوی قدس سرہ نے رکھا۔

ظفر احمد تھانوی

مجازِ صحبت

میرے والد ماجد کا اسم گرامی حافظ عبدالرشید تھا۔ آپ قصبہ تھانہ بھون کے معتقد رئیس اور صاحبِ جائداد تھے۔ میری پیدائش بھی قصبہ تھانہ بھون میں ۱۹۰۵ء کے لگ بھگ ہوئی ننھیال کی طرف سے حضرت مولانا اشرف علی قدس سرہٗ سے بہت قریبی برادری کے تعلقات ہیں نیز ننھیالی رشتہ کی بنا پر ہماری والدہ محترمہ کو حضرت والا اپنی بہن کہہ کر یاد فرماتے تھے۔ کئی بار والدہ محترمہ اور نانی محترمہ کو حضرت والا نے اپنے گھر مدعو کیا تاکہ خاندانی سلسلہ کی تحقیق اور معلومات فراہم کریں قصبہ تھانہ بھون میں حضرت والا کا مکان اور ہماری رہائش گاہ ایک ہی محلہ میں واقع تھی چنانچہ آپس میں میل جول اور ایک دوسرے کے گھر میں مردوں اور عورتوں کا آنا جانا برابر رہتا۔ ہم تینوں بھائی بفضلہٖ تعالیٰ حضرت والا کے سلسلہ بیعت میں داخل ہیں۔

ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآن شریف اور اردو وغیرہ قصبہ تھانہ بھون ہی میں ہوئی اس کے بعد مزید تحصیل علوم اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہمارے والد مرحوم نے ہمیں پہلے ضلع ہردوئی پھر علی گڑھ اور بعد میں میرٹھ میں داخل کروایا پھر احقر نے بمبئی کے ایک میکینیکل کالج میں داخلہ لے لیا اور چار سال کی علمی اور فنی تعلیم و تربیت حاصل کر کے میکنیکل انجینئرنگ میں ڈپلوما حاصل کیا اس کے بعد عملی تجربہ حاصل کرنے کے لئے بمبئی میں رائل انڈین نیول ڈاکیارڈ میں ملازمت اختیار کر لی اسکے بعد میرا تقرر بمبئی پورٹ ٹرسٹ کے شعبہ میکنیکل انجینئرنگ میں بحیثیت اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ

کے ہوا۔ پورٹ ٹرسٹ میں یہ عہدہ مجھ سے پہلے کسی ہندوستانی کو نہیں ملا۔ اس پر ہمیشہ ولایت سے انگریز انجینئر فائز رہتے تھے۔ اس ملازمت کے لئے ہندوستان کے سب انجینئروں میں سخت مقابلہ تھا لیکن بفضلہٖ تعالیٰ اور بزرگوں کی دعا سے احقر انتخاب میں کامیاب ہوگیا۔ بمبئی میں چند ماہ اس ملازمت پر رہ کر دو سال کے لئے مزید فنی لیاقت اور تجربہ حاصل کرنے کے لئے بمبئی پورٹ ٹرسٹ نے مجھے اپنے صرفہ پر ۱۹۳۰ء میں ولایت بھیج دیا۔

ہمارے خاندان سے حضرت والا بوجہ برادری و ہم وطنی کے بہت محبت و شفقت فرماتے تھے چنانچہ میرا عقد حضرتؒ ہی کے ایماء و مشورہ سے جناب ڈپٹی علی سجاد صاحب قبلہ مجاز صحبت کی صاحبزادی سے ہوا جن کو حضرت قبلہؒ مثل اپنی بیٹی کے سمجھتے تھے۔ حضرت والا کی ذاتِ گرامی نے جو میرے روحانی استاذ ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ حضرت قدس سرہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اگر ترازو کے ایک پلڑے میں حضرت کا علم رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں عمل تو انشاء اللہ دونوں برابر نکلیں گے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد میرا زیادہ وقت تھانہ بھون سے باہر ہردوئی میرٹھ۔ علی گڑھ۔ بمبئی۔ ولایت اور سمندر میں بحری جہازوں پر گذرا۔ رخصت پر تھانہ بھون آنا جانا ہوتا تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت قبلہؒ کی مجلس میں شرکت کا شرف حاصل ہوتا رہتا تھا۔ حضرت قبلہ کے علومِ ظاہری سے یوں تو ملفوظات رسالے مواعظ وغیرہ بھرے پڑے ہیں لیکن علومِ باطنی جو وہبی اور عطا رحق تھے۔ ان کی کچھ جھلک ان ہی حضرات کے حصہ میں آئی جن کو ذاتی طور پر حضرت والا کی صحبتِ بابرکت کی فضیلت حاصل ہوئی اور جن کو حضرت قبلہ سے والہانہ ذاتی محبت تھی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مولانا رومیؒ کے اس شعر کے صحیح مصداق تھے ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

حضرت قبلہ کی مجلسِ عام ظہر کی نماز کے بعد سے عصر کی نماز کی اذان تک رہتی تھی۔ اسں

مجلس کے دوران خطوط کے جوابات، حضرات شرکاء مجلس کے سوالات کے جوابات کی تشریح وعظ و نصیحت، فتاویٰ، مسائل تصوف، فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ غرض یہ ہے کہ انسانی دینی و دنیوی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق نہایت تفصیل سے روشنی ڈالتے اور حقائق و معارف بیان فرماتے جن کو سن کر اہل مجلس پر بسا اوقات ایک عجیب وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی جو الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ اکثر حضرات اہل مجلس میں سے حضرت قبلہ کے ملفوظات و ارشادات مسلسل قلم بند کرتے رہتے تھے لیکن میرا معمول یہ تھا کہ مجلس ختم ہونے پر مکان پر آکر خاص خاص نکات حضرت قبلہ کی تقریر کے لکھ لیا کرتا تھا اور چونکہ حضرت قبلہ کی تقریر اس قدر عالمانہ جامع اور مدلل ہوتی تھی کہ بعد میں یہ محسوس ہوتا تھا کہ آج حضرت قبلہ نے تمام دینی اور دنیوی مسائل پر وضاحت سے تقریر فرما دی ہے اس کے بعد اور کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن جب دوسری مجلس میں حاضری ہوتی اور حضرت قبلہ کسی اور موضوع پر گفتگو فرماتے تو محسوس ہوتا کہ آج کی مجلس میں شرکت نہ ہوتی تو بڑی محرومی ہوتی۔ یہی تصورات ہر مجلس کے بعد اپنی جگہ قائم رہتے اور کسی طرح سیری نہ ہوتی۔ اخیر میں میں نے بمبئی پہنچنے پر اپنے ایک خط میں اپنے ان حالات سے بھی مطلع کیا کہ احقر نے اس دفعہ حضرت قبلہ کی مجلس میں حاضری کے دوران یہ محسوس کیا کہ آنجناب کے علوم ظاہری و باطنی مثل ایک شیریں دریا کے ہیں جس سے پینے والے پی پی کر سیر ہو جائیں گے لیکن علوم کے دریا کا پانی اور نہ اس کی روانی کبھی ختم ہو گی۔

ہمارے خاندان سے بہت قریبی تعلقات ہونے کی بنا پر حضرت قبلہ اکثر گھر تشریف لاتے اور ہماری دادی اور نانی صاحبہ و والدہ صاحبہ جو سب حضرت قبلہ کے سلسلہ میں داخل تھیں۔ دریافت کرنے پر ضروری مسائل بتلاتے اور نصیحت فرماتے اور کبھی کھانا بھی تناول فرماتے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں کم سن تھا تو حضرت قبلہ جب ہمارے گھر تشریف لاتے تو مجھے اپنے زانو مبارک پر بٹھلا کر چھیڑ کے طور پر فرماتے کہ بھائی تم کون ہو۔ میں جواب میں کہتا ہم تو شیخ ہیں۔ حضرت قبلہ ہمیشہ سے ہی بچوں سے محبت چھیڑ چھاڑ اور مزاح فرمایا کرتے تھے چنانچہ اس کی تائید میں حضرت قبلہ کا ایک خط جو میرے والد

مرحوم کے انتقال کے بعد مجھے ولایت لکھا پیش کرتا ہوں۔ حضرت قبلہ کی وفات پر مَیں نے اس خط کا بلاک بنوا کر جناب ڈپٹی علی سجاد صاحب کو بمبئی سے تھانہ بھون بھیج دیا تھا جس کے متعلق خواجہ عزیز الحسن صاحب نے فرمایا کہ یہ خط گو حضرت قبلہ نے آپ کے والد صاحب مرحوم کی تعزیت میں لکھا تھا لیکن حقیقت میں یہ مضمون گویا اپنی ہی تعزیت کے لیے خود لکھ گئے ہیں۔ اس خط کے پڑھنے سے حضرت قبلہ کے تمام اعزا اور منتسبین کو بڑی تسکین ہوئی اس خط سے زندگی کی صحیح حقیقت معلوم ہوتی ہے اور ایسے صبر آموز واقعات ہیں ہر پڑھنے والا اس سے انشاءاللہ تعالیٰ تسلّی و تشفی حاصل کرے گا۔ اس خط کی تمہید سے ظاہر ہوگا کہ حضرت قبلہ اکثر بچوں کو مزاحاً چھیڑا کرتے تھے۔ اس خط کے مضمون سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کس بے تعلقی اور بے رغبتی سے اس سرائے فانی میں زندگی بسر فرمائی ہے۔

از اشرف علی عفی عنہ

عزیزم سلمہٗ السلام علیکم۔ کئی روز ہوئے میں مدرسہ کو آ رہا تھا۔ راستہ میں حافظ اعجاز کا چھوٹا بچہ مل گیا مَیں نے چھیڑ کے طور پر اس کو کچھ کہہ دیا وہ بولا اللہ کرے بڑے ابا مر جاویں اس وقت مَیں نے غور کیا کہ اس کلمہ کا مجھ پر کیا اثر ہوا سو الحمدللہ یہ محسوس ہوا کہ جیسے کوئی مسافر گھر کا عیش و آرام چھوڑ کر کسی ضرورت سے سفر میں ہو جہاں اس کو ہر طرح کی کلفت کا ہر وقت سامنا ہو اور کوئی شخص اس کو کہے خدا کرے تو اپنے گھر پہنچ جاوے یہ کہنے والا خواہ کسی نیت سے کہے لیکن اس سننے والے پر اس کا کیا اثر ہوگا ظاہر ہے خوش ہوگا کہ اس نے مجھے اچھی دعا دی اگر اس نے بد دعا قصد سے کہا ہوگا تو اس خوشی کے ساتھ اس کو تعجب بھی ہوگا کہ عجیب بے وقوف کہ دعا کو بد دعا سمجھ رہا ہے بس الحمدللہ وہی اثر اس وقت مجھ پر ہوا اور مَیں ہنسا کہ اس نے تو اپنے نزدیک انتہا درجہ کی بد دعا تجویز کی ہوگی مگر وہ واقع میں دعا ہے تو یہ اثر جو مجھ پر ہوا یہ نتیجہ کس چیز کا تھا۔ صرف بزرگوں کی صحبت سے جو عقل و دین عطا ہوا تھا صرف اس کا اثر تھا ورنہ طبعاً تو ایسی دعا سب ہی کو ناگوار اور گراں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے دولتِ عقل و دین اس لیے عطا فرمائی ہے کہ ایسے موقعوں پر ان دونوں کو طبیعت

پر غالب رکھے۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ آں عزیز کو اللہ تعالیٰ نے دین بھی دیا عقل بھی دی اور اہل اللہ کی صحبت بھی میسر آئی جس سے ان دونوں حالتوں میں کافی قوت اور اضافہ ہو گیا تو اگر کوئی ایسا موقع ہو تو اپنے دین و عقل کو طبیعت پر غالب رکھو گے۔ اب ایسے موقع کی اطلاع دیتا ہوں آں عزیز کے والد ماجد جو طویل مدت سے علیل تھے اور جن کی علالت کی اطلاع گھر سے آنعزیز کو ملتی رہی پس اس دارالمشقت مسافر خانہ بلکہ پُر خار وحشت کو چھوڑ کر اپنے آرام گاہ وطنِ اصلی آخرۃ کو روانہ ہو گئے جس سے طبعاً آنعزیز متاثر ہوں گے اور یہ تاثر نہ عقلاً مذموم ہے نہ شرعاً بلکہ علامت ہے محبت و ترحم کی جو کہ ہر مسلمان کے لئے ہر مسلمان پر حق ہے خصوصاً جس سے زیادہ تعلقات ہوں خصوص سرپرست اور مربی کے لئے مگر ساتھ ہی یہ بھی مطلوب ہے کہ عقل و دین کو طبیعت پر غالب رکھ کر راضی برضا اور مفوض بالقضا ہوں۔ نہ جزع و فزع کریں نہ حدود سے متجاوز ہوں دل پر قابو حاصل کر کے مرحوم کے لئے ایصالِ ثواب سے مدد پہنچاویں خواہ عبادت بدنیہ نوافل و تلاوت قران سے خواہ صدقہ مالیہ سے جس قدر اور جس طریق سے سہل ہو۔

ممکن ہے کہ واقعہ دل پر زیادہ اثر نہ کرے مگر ان کی فکرِ نجات طبیعت کو مشوش کرے سو اس کے متعلق یہ بھی واقعہ ہے کہ مرحوم اگرچہ اعمال میں آزاد تھے لیکن عقائد و جذبات و ملکات اور سب کو نفع رسانی خصوص اہل دین کی عظمت و احترام کی رعایت اور ترحم و ہمدردی وغیرہ وغیرہ یہ ایسے امور ان میں تھے جو حق تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے والے ہیں پھر خود بیماری کی تکالیف سے بھی بروئے حدیث گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور سب سے قطع نظر اب ثواب بخشنے سے وہی نفع ہو سکتا ہے جو اعمال سے ہوتا ہے۔ سو یہ زندوں کے ہاتھ میں ہے۔ غرض صبر جمیل سے کام لیں اور صبر ہی کا تتمہ یہ بھی ہے کہ محض اس واقعہ سے متاثر ہو کر اپنا نظام عمل نہ بدلیں کہ اپنا نقصان کرنے سے ان کو یا کسی کو نفع نہیں پہنچ سکتا تو ایسے فعل عبث سے کیا فائدہ بس اپنا کام پورا کر کے وہاں سے آویں جیسا کہ پہلے سے تجویز کر رکھا ہو۔ اب دعا پر ختم کرتا ہوں۔

از تھانہ بھون ۶ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

حضرت قبلہ سے میرے بیعت ہونے کا واقعہ اس طرح پیش آیا۔ میری شادی جو کہ قریب اکتوبر ۱۹۲۸ء تھانہ بھون میں ہوئی اور عقد نکاح بھی حضرت قبلہ نے اپنی خانقاہ میں پڑھایا۔ اس کے قریب ایک دو ہفتہ بعد میرے خسر جناب ڈپٹی علی سجاد صاحب قبلہ نے حضرت قدس سرہ سے درخواست کی کہ احقر کو بیعت فرمالیں۔ حضرت قبلہ نے ان کی اس درخواست کو بہ شفقت منظور فرما لیا اور ایک روز بعد نماز مغرب خانقاہ میں بیعت فرمالیا۔ اس وقت میری عمر چوبیس پچیس سال کے درمیان تھی۔ ہمیں بیعت کی اہمیت اس کے آداب اور مرید اور شیخ کے صحیح تعلقات کے بارے میں بہت کم واقفیت تھی۔

اصلاح اور تربیتِ باطنی کے متعلق میری خط و کتابت حضرت قبلہ سے بہت کم ہوئی۔ ہاں البتہ ہر خط میں دعائے خیر اور ظاہر و باطن کی اصلاح اور توفیقِ عمل کے لئے درخواست کرتا رہا اور حضرت قبلہ نہایت شفقت اور محبت سے دعا فرماتے رہے چنانچہ جو کچھ ظاہر و باطن کی نعمتیں بفضلہ ملیں اور انشاء اللہ آئندہ حاصل ہوں گی وہ انہی دعاؤں کی بدولت ملیں گی۔ پس احقر کے لئے یہ بیش بہا ہدیہ خزائن دین و دنیا کے لئے اب تک کافی ہوا اور انشاء اللہ تا حیات اور بعد الممات بفضلہ قوی امید ہے کہ احقر کی اخروی نجات کے لیے کافی و شافی ثابت ہوگا۔ اسی مکاتبت کے سلسلہ میں میں نے ایک مرتبہ اپنے ایک نجی معاملہ سے حضرت قبلہ کو مطلع کیا تھا۔ معاملہ کی اہمیت اس درجہ کی تھی کہ مجھے حضرت کے تصفیہ کا انتظار تھا۔ چنانچہ حضرت قبلہ نے از راہ شفقت جواب میں جو تجویز پیش فرمائی میں نے اس کو بخوشی قبول فرمالیا اس پر حضرت قبلہ نے نہایت شفقت سے تحریر فرمایا کہ آپ کی اس سعادت مندی پر میں اپنی محبت پیش کرتا ہوں۔

مجازِ صحبت ہونے کی تاریخ غالباً نومبر ۱۹۴۲ء ہے۔ نقل تحریر حضرت قبلہ جو میرے ایک خط کے ساتھ منسلک ہے۔

نعمت حق

میرا مدت سے معمول ہے کہ اپنے احباب میں سے جس سے یہ امید ہو کہ اپنے پاس آنے اور بیٹھنے والوں

کو دین کی باتیں بتلا کر نفع دینی پہنچائیں گے ان کو اپنی نیابت میں اس کی اجازت دے دیتا ہوں میں نے آپ کو بھی اس کے لئے منتخب کیا ہے کہ ایسے شائقین کی طرف توجہ رکھیں گے اور میں نے ایسی جماعت مصلحین کا لقب مجاز صحبت رکھا ہے۔

حضرت قبلہ بلاشبہ مجدد وقت تھے جس ہستی کو حق سبحانہ تعالیٰ ایک صدی یا اس سے زیادہ پہلے کے دین کے اندر جو افراط و تفریط کے رجحانات پیدا ہو گئے ہوں ان کو نکھارنے کے لئے اس دنیا میں اپنے فضل و کرم سے بھیجتے رہتے ہیں۔ حضرت قبلہ جیسا کہ آپ کی متعدد تصنیفات و تالیفات و ملفوظات سے ظاہر ہے دینِ اسلام کے ہر شعبہ میں چاہے وہ عقائد میں ہو یا طاعت و عبادات میں ہو یا اخلاق و معاشرہ و معاملات سے متعلق ہو۔ حضرت قبلہ نے حسبِ ضرورت و حسبِ استطاعت امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی نہایت تندہی اور خلوص سے اصلاح و تربیت فرمائی۔ اپنی تمام عمر تحریراً و تقریراً توکل علی اللہ میں رہ کر ایک چھوٹے سے قصبہ تھانہ بھون میں خانقاہ کی چٹائیوں پر بیٹھ کر خدمتِ دین و خلق میں گذار دی۔ حضرت قبلہ کی متعدد تصانیف و تالیفات آپ کی حیات میں مقبولِ عام ہو گئی تھیں اور اکثر و بیشتر اداروں نے ان کو طبع کرا کر لاکھوں روپے کما لئے۔ حضرت قبلہؒ نے باوجود توکل پر گذر ہونے کے کسی تصنیف کا کوئی حق نہ اپنے لئے نہ مدرسہ کے لئے نہ اپنے بعد اپنے اہل خاندان کے کسی فرد کے لئے محفوظ کیا۔ یہ سب دینی خدمت تمام فی سبیل اللہ کی گویا اس قرآنی آیت کے مصداق بنے رہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ ایک نواب صاحب جن کو حضرت قبلہ سے شرفِ بیعت حاصل تھا خانقاہ میں حاضر ہوئے اور حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں خانقاہ کے لئے چند قالین خرید کر بھیج دوں تاکہ ان چٹائیوں کی جگہ بچھا دیے جائیں۔ جواب میں حضرت قبلہ نے ان کی اس پیش کش کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ بھائی مجھے ان قالینوں کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ چٹائیاں میری خادم ہیں اور قالین میرے مخدوم بن جائیں گے مجھے ہر وقت ان کی نگرانی اور صفائی کی فکر ہوگی اب دھول پڑ گئی کہیں دھبہ پڑ گیا میں کیوں اپنے آپ کو اس مصیبت میں ڈال لوں۔ یوں تو مجدد دین ہر شعبہ میں کتاب و سنت کی روشنی میں ضروری

اصلاح فرماتے ہیں۔ لیکن کوئی ایک شعبہ ہر زمانے میں امت کی اصلاح کا سب سے زیادہ حاجتمند ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مجدد کی توجہ قولاً اور عملاً اس شعبۂ خاص کی طرف خاص طور پر مرکوز ہوتی ہے یہ معلوم کرنا کہ وہ کون سا شعبۂ خاص تھا جو طالبِ اصلاح تھا جس کے لئے حضرت قبلہ اس دنیا میں تشریف لے آئے تو وہ بقول اہل اللہ کے ایک مجدد کے آخری عمل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے حضرت قبلہ کا اس دنیا میں وفات سے تقریباً دو گھنٹہ پہلے یہ عمل جس کا ذکر آئے گا معاملات بالخلق کے متعلق تھا جس کی اہمیت حضرت قبلہ قولاً و عملاً تمام عمر واضح فرماتے رہے۔ اکثر فرماتے تھے کہ دین کا زیادہ حصہ معاملات ہی میں ہے بغیر صفائی معاملات دین کی بقا اور اس کا تحفظ دشوار ہے۔

چنانچہ حضرت قبلہ کے آخری لمحات زندگی کا واقعہ ہے۔ آخری وقت میں نقاہت و ضعف بہت بڑھ گیا تھا۔ بولنا دشوار تھا۔ غنودگی طاری ہو جاتی تھی۔ اسی حالت میں مغرب کی نماز بیٹھے بیٹھے ادا فرمائی اس کے بعد پیرانی صاحبہ سے امانتوں کا ایک صندوقچہ منگوایا پھر اس صندوق میں رکھے ہوئے لفافوں میں سے امانتوں کی رقمیں نکلوائیں۔ ایک لفافہ سے چودہ آنے نکلے فرمایا پندرہ آنے ہوں گے چنانچہ مکرر دیکھنے پر ایک اکنی اور اسی لفافہ میں مل گئی۔ پھر دوسرے لفافہ کی رقم نکالی گئی جس میں پانچ پانچ روپیہ کے چھ نوٹ تھے اور کچھ ریزگاری بھی تھی۔ ان نوٹوں کو خود ہاتھ میں لے کر گننے کی کوشش کی اور کچھ فرمانا چاہا لیکن سمجھ میں نہیں آیا اتنے میں غشی طاری ہو گئی اور نوٹ سینۂ مبارک پر بکھر گئے پس امانت سپرد کرنا اور سمجھنا آخری عمل تھا جو ظاہر ہے معاملات سے متعلق تھا الحمد للہ جس کام کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت اقدس کو اس دنیا میں بھیجا تھا یعنی تجدید دین مبین کے لئے اس کو بعون اللہ تعالیٰ پوری طرح انجام دے کر تشریف لے گئے اور ہمارے لیے راہِ نجات کو بالکل بے غبار اور ہموار فرما کر ہم سے جدا ہوئے ہیں۔ بقول ایک خلیفۂ خاص اب حضرت قبلہؒ کا ادائے حق یہی ہے کہ حضرت اقدس کی تعلیمات و ہدایات اور مسلک پر ہم پہلے سے بھی زیادہ عمل پیرا ہوں۔ تاکہ صدقہ جاریہ کے طور پر حضرت اقدس کو برابر ثواب پہنچتا رہے۔

مولانا اسعد اللہ

مجازِ بیعت

میری پیدائش رام پور میں ہوئی۔ تاریخی نام مرغوب اللہ ہے اس لحاظ سے سن پیدائش ۱۳۱۴ھ بنتا ہے۔ ابتدائی تعلیم رامپور کے سکول میں حاصل کی۔ انگریزی تعلیم بھی اسی مدرسہ میں حاصل کی۔ پھر وہاں سے تھانہ بھون آگیا۔ تین سال تک تھانہ بھون میں پڑھتا رہا شوال ۱۳۲۹ھ میں تھانہ بھون پہنچا تھا ۱۳۳۲ھ میں سہارن پور پہنچا۔ چار سال تک مظاہر العلوم میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہیں مدرس مقرر ہوگیا۔ اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری۔ مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی۔ حضرت حکیم الامت۔ مولانا خلیل احمد سہارن پوری اور مولانا ظفر احمد تھانوی شامل ہیں۔

چند کتابیں تصنیف کیں تکمیل العرفان شرح حفظ الایمان۔ المسالمۃ شرح المکالمہ جو کہ حضرت تھانوی کا ایک ملفوظ ہے اس کو حضرت نے بوادر میں بھی شائع کرایا تھا۔ القطائف من اللطائف یہ بھی حضرت نے بوادر میں شائع فرمایا تھا۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے اس طرح تعلق پیدا ہوا کہ مولوی فضل اللہ صاحب جو کہ میرے چچا اور خسر تھے۔ انہوں نے حضرت سے ملاقات کروائی۔ ان کا قیام تھانہ بھون ہی میں تھا۔ میں خانقاہ امدادیہ میں پڑھتا تھا۔ اور طالب علمی کے زمانہ ہی میں آپ سے بیعت ہوگیا تھا جبکہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ طلباء کو بیعت نہیں فرماتے تھے مگر بندہ کو بیعت فرمالیا تھا۔ اس وجہ سے مزید تعلق ہوگیا تھا اور پھر آپ خاص توجہ فرماتے رہے۔ حضرت سے تعلق سے پہلے گناہ زیادہ ہوا کرتے تھے اب تعلق کے بعد گناہ کم ہونے لگے شاعری کا شوق جوانی میں ہوگیا تھا۔ برابر غزلیں وغیرہ لکھتا رہا اور مشاعروں میں شرکت کرتا رہا مگر شاعری میں کسی کو اپنا استاد نہ بنایا اب بحمداللہ شاعری کا ذوق ختم ہوگیا ہے۔

نجم احسن نگرامی

مجازِ صحبت

کیا عرض کروں میرا مختصر حال تو یہ ہے کہ ؎

آوارۂ و مجنونے رسوا سرِ بازارے

اور حال بھی کچھ نہیں مختصر سی روداد ہے۔ میری پیدائش اپنے آبائی وطن قصبہ نگرام ضلع لکھنؤ میں ۱۳۱۰ھ میں ہوئی۔ میرے والد صاحب حافظ محمد احسن (وحشی) نگرامی صاحب اپنے دور کے ممتاز اور کسی درجے میں مشہور اہلِ قلم تھے۔ ۱۳۱۳ھ میں زیادہ سے زیادہ بائیس تئیس سال کی عمر میں حسبِ ارشاد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم "تعال یا وحشی" بے سر و سامان حج کو تیار ہو گئے اور الحمد للہ چلے بھی گئے۔ والد صاحب اپنے ماموں مولانا محمد ادریس صاحب نگرامی سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔ جب حج کو جانے لگے تو مولانا محمد ادریس صاحب نے ایک خط لکھ دیا اور فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت ہو جانا۔ حضرت حاجی صاحب نے والد سے فرمایا کہ تمہارے شیخ میں پرانے بزرگوں کی شانیں ہیں میں ان کے کہنے سے نہیں بیعت کرتا ہوں۔ بعد بیعت والد صاحب کچھ مدت حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں مقیم بھی رہے۔ شمائم امدادیہ والد صاحب ہی کی ترتیب دی ہوئی ہے

میری تعلیم پہلے گھر میں اس زمانے کے دستور کے مطابق فارسی اور شُدبُد عربی کی صرف و نحو وغیرہ کی ہوئی اور پھر انگریزی میں لگ گیا۔ ساری تعلیم لکھنؤ میں ہوئی۔ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ سے بی۔ اے ۱۹۱۸ء میں ایل ایل بی الٰہ آباد سے کیا۔

والدصاحب قبلہ نے تربیت صحیح ضرور کی تھی مگر اپنی نااہلی اس کا حق ادا نہ کرسکی۔ غالباً ۱۹۲۴ء میں والد صاحب نے اصرار سے فرمایا کہ تم اب کسی بزرگ سے بیعت ہو جاؤ اور کسی سلسلے میں داخل ہو جاؤ۔ میں یہی عرض کرتا رہا کہ جو تعلیم دین کی پائی ہے اس کے ہوتے ہوئے مزید کسی پیچیدگی کا تحمل نہ ہوگا۔ کچھ کتابیں تصوف کی دیکھی تھیں۔ یاد ہے کہ سلسلۂ قادریہ کی ایک کتاب تعلیمی دیکھی تو اس میں ایک دائرہ بنا تھا اور قلب اور سر اور خفی وغیرہ اصطلاحات اس میں درج تھیں۔ میں نے والد صاحب سے ادباً عرض کیا کہ دین کو ان فنیات سے کیا تعلق۔ اب اقلیدس پڑھنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ انہوں نے کچھ سمجھایا۔ میں خاموش ہو گیا بس، مگر چند ہی روز بعد میں نے خواب دیکھا کہ میں بستر پر لیٹا سو رہا ہوں کہ اتنے میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ تشریف لائے (مجھے عقیدت بہت تھی زیارت ہونا ممکن تھا نہ ہوئی تھی) اور فرمایا "سوتا ہے اٹھ" میں جاگ گیا اور قلب میں عجیب تغیر محسوس کیا۔ والد صاحب کا قیام لکھنؤ میں تھا۔ میں نے انہیں عریضہ لکھا جواب میں بڑی مسرت کا اظہار کیا اور یہ بھی لکھا کہ تم کو انشاء اللہ ہمارے ہی سلسلے میں داخل ہونا ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد والد صاحب قبلہ لکھنؤ سے پرتاپ گڈھ جہاں میرا قیام تھا تشریف لائے۔ مجھ سے استفسار فرمایا کہ جانے ہوئے بزرگوں میں سے تمہاری طبیعت کس کی طرف مائل ہے میں نے عرض کیا اس چیز ہی سے بیگانہ ہوں۔ میلان کا کوئی سوال ہی نہیں۔ میری واقفیت فلاں بزرگ صاحب سے جو اپنے جوار میں مشہور ہیں ضرور ہے مگر اس کے آگے میلان اور رجحان کو کہئے تو وہ نہیں ہے۔ فرمایا کہ بے شک وہ بڑے بزرگ آدمی ہیں لیکن عُلوِ نسبت بڑی چیز ہے۔ خود فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب سے بیعت ہو جاؤ۔ میں حضرت کی مصلحانہ، مربیانہ، سالکانہ اور بزرگانہ حیثیت سے بالکل ناواقف تھا۔ بہت بڑے مستند اور جید عالم ہونا جانتا تھا۔ علاوہ بہشتی زیور کے بھی دو ایک مضامین صورت رسالے حضرت کے دیکھے تھے۔ میرے دل میں انکار نہیں آیا۔ میں نے والد صاحب سے عرض کر دیا بہت اچھا جو رائے ہو۔ والد صاحب نے مجھے بیعت عثمانی کی نیت کرائی۔ عریضہ لکھوایا اور خود بھی حضرت کی خدمت میں کچھ لکھا

یہ غالباً اکتوبر یا نومبر ۱۹۲۵ء تھا۔ والد صاحب مجھ سے عریضہ حضرت کی خدمت میں بھجوا کر چلے گئے۔ جواب میں حضرت نے یوں رقم فرمایا کہ تم اپنے والد ہی سے کیوں نہیں تعلیم حاصل کرتے۔ میں اس وقت زیادہ مستعد اس تعلق کے لئے تو تھا ہی نہیں۔ حضرت کا جواب رکھ لیا اور خاموش ہو گیا۔ دسمبر ۱۹۲۵ء کے شروع ہی میں والد صاحب اچانک بلا اطلاع میرے پاس آئے بعض مشغولیات کے سبب اس مسئلے پر فوراً گفت گو نہیں ہوئی۔ قلب کے مریض تو تھے ہی۔ آنے کے دوسرے تیسرے دن بعد دفعتہً آپکا انتقال ہو گیا۔ پندرہ بیس دن میرے غم و الم اور تفکر و تردد میں گزرے یہ یاد نہیں کہ اس چیز کا کوئی خیال تھا یا آیا کہ نہیں۔ ایک رات اسی زمانے میں میں نے خواب میں دیکھا کہ کانپور کا مقام ہے۔ ایک کمرے میں حضرت قدس سرہٗ آرام کرسی پر اپنے معمول کے مطابق بعد کو معلوم ہوا، سرمائی لباس میں آرام فرما ہیں۔ والد صاحب مجھے لے کے آئے اور حضرت کی طرف بڑھایا۔ میں قدم پکڑنا چاہتا تھا حضرت نے نہیں نہیں کہہ کے میرے ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لئے۔ آنکھ کھلی تو اب دل کا معاملہ ہی دوسرا تھا۔ اب (انکار تو تھا ہی نہیں) بے پروائی کی جگہ شوق نے لے لی۔ فوراً عریضہ لکھا۔ اسی میں والد صاحب کے انتقال کی بھی خبر دی اور یہ عرض کیا کہ اب دامن نہ چھوڑوں گا۔ حضرت نے غایت شفقت سے قبول فرما لیا اور تعلیم کے سلسلے میں ہدایات بھی فرمائیں آٹھ نو ماہ مکاتبتی تعلق کے بعد اکتوبر ۱۹۲۶ء میں میں با اجازت حضرت کی خدمت میں تھانہ بھون گیا کچھ روز قیام بھی رہا اور مہمان بھی حضرت ہی کا رہا۔ پہونچتے ہی میں نے یہ محسوس کیا کہ بس ؎

این است کہ خوں کردہ دل بُردہ بے را

پہلے ہی دن سے یہ معلوم ہوا کہ بقول غالب ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

عام طور پر مجلسِ عام میں خطابِ خاص حضرت کا معمول نہیں تھا مگر میری پہلی حاضری کے دن تھوڑی ہی دیر کے بعد میری عام مجلس کی اور غالباً مخاطبینِ خاص کی تعلیم کے لئے میری طرف متوجہ ہو کر

فرمایا کہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ تھوڑا عمل ہو (مراد اعمال نافلہ سے ہے) مگر اس میں مداومت ضروری ہے اور دین پر سمجھ کے عمل کرنا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابی کا مُد بھر جَو دوسرے کے اُحد بھر سونے کے برابر ہے۔ اس بات میں منجملہ اور خوبیوں کے یہ بھی خوب ترین خوبی ہے کہ حضرات صحابہ دین کو سمجھ کر عمل کرتے تھے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا اور بات دل میں بیٹھ گئی۔ ایک بات خاص اسی سلسلے میں یہ عرض کر دینی ضروری ہے کہ مجھے ایک مرض تھا اور ہے (شعر و سخن سے دلچسپی کا) اور مغرب کے بعد سے تقریباً نصف شب تک اکثر میرے یہاں اہل ذوق کی نشست رہتی تھی۔ الحمد للہ بدمذاقی یاوہ گوئی، بے ہودہ ہنسی مذاق سے ہم سب کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ ہاں شراب سخن کے لئے یہ مسلک ضرور تھا کہ ؎

مے خور مے خور اگر خدا مے خواہی

جب میں نے تھانہ بھون کا پہلی بار ارادہ کیا تو میرے دل میں یہ کھٹکا پیدا ہوا کہ شاید اب یہ مشغلہ چھوڑ دینا پڑے طبعی طور پر شاق ضرور تھا لیکن دل اس پر تیار تھا کہ جو بھی حضرت فرمائیں کرنا تو وہی ہے ؎

ہر چہ آں خسرو کند شیریں بود

بہر صورت یہ بات دل میں تھی۔ دس گیارہ ماہ جو مکاتبت کا شرف تعلق حضرت سے رہا اس میں کسی عنوان کسی انداز کسی ممکن طور سے یہ ظاہر نہیں کیا نہ ظاہر بین پہ یہ ظاہر ہو سکتا تھا کہ اس چیز (شعر و سخن) سے بھی مجھ ناچیز کو کوئی مناسبت ہے۔ مگر عجیب واقعہ ہے۔ میری حاضری کا تیسرا دن تھانہ میری تھانہ بھون میں کسی سے واقفیت نہ کہیں آنا جانا۔ بس دربار پہ حاضری ہی اپنا مقصد تھا۔ قیام مہمان خانے میں بالائی حصے پہ تھا۔ بعد نماز عصر بظاہر خانقاہ بالکل خالی نظر آتی تھی۔ میں نماز کے بعد اوپر گیا اور پھر نہ جانے کیوں نیچے آیا سہ دری پر نظر پڑی دیکھا حضرت میری طرف آرہے ہیں۔ میں ادب سے کھڑا ہو گیا۔ حضرت تشریف لائے۔ رک گئے (چونکہ حضرت ہی کا مہمان تھا غالباً اس لئے)

مجھ سے کئی بار پوچھا کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ کوئی خاص ضرورت، کوئی خاص معمول کھانے پینے کا
میں نے عرض کیا کہ حضرت بہت اور بالکل آرام سے ہوں۔ حضرت چلنے کو بڑھے۔ دو تین قدم گئے
ہوں گے کہ پھر لوٹے اور اب وہ حالت تھی کہ بیان سے باہر ہے (اپنا تاثر ان الفاظ میں یاد آنے
پر ہر مرتبہ ہوتا ہے)۔

ہونٹوں کا تبسم یاد آیا آنکھوں کا تبسّم یاد آیا
آواز کے نغمے یاد آئے لہجے کا ترنم یاد آیا

عجب چمک دمک تھی، عجب خندہ پرور اور خندہ آفریں اور کیف در آغوش حالت تھی
چہرہ مبارک کی۔ فرمایا "ابھی وہ آئے تھے حفیظ جون پوری وہ جو شاعر ہیں اور اب ان کی حالت
تو بہت اچھی ہے۔"

یہ فرمایا اور میں محوِ حیرت، غرق کیفیت۔ حضرت کے لئے رتی برابر بے تعلق بات کہنا
ناممکن تھا۔ حفیظ جونپوری کا معہ ان کی شاعری کا مجھ سے ذکر بظاہر بے موقع بات تھی۔

اس وقت فوراً تو بات سمجھ میں نہ آئی نہ اس پر نظر گئی کہ حضرت کی یہ ایک ادنیٰ کرامت
تھی (کرامت بینی کے لئے تو خدام نے کبھی دیکھا ہی نہیں) مگر یہ بات سمجھ میں آگئی کہ یہ ذوق شعر
و سخن، موانع طریق میں نہیں ہے بلکہ اس گداز سے امید فائدہ کی ہے۔ اس کے کچھ زمانے بعد تو میری
یہ حیثیت اور کیفیت حضرت پر ظاہر میں بھی ظاہر کر دی گئی اور ظاہر ہو گئی۔

بعض لوگ حضرت کے طرز تعلیم کو "تشدد" کا لقب دیا کرتے تھے۔ حضرت فرماتے تھے میرے
یہاں تصدد ہے "تشدد" نہیں۔ اس شان کے لئے ایک شعر تھا جو حضرت نے بھی پسند فرمایا وہ
شعر یہ ہے۔

جس شانِ توجہ کو ستم کہتی ہے دنیا
ہم خوب سمجھتے ہیں وہ بیداد نہیں ہے

پہلی حاضری کے بعد جب میں پرتاپ گڈھ واپس آیا تو مجھ سے احباب نے پوچھا بیعت

ہوئے کہ نہیں۔ مجھے وہاں کی محویت میں اس رسم کا خیال اور وسوسہ بھی نہیں آیا میں نے عریضہ لکھا کہ حضرت یہ تو بڑی غلطی مجھ سے ہوگئی اور محرومی بھی ہے۔ جواب میں فرمایا کچھ نہیں یہ کوئی ضروری چیز نہیں (تعلق تو موجود ہے) اب کے آنا تو یہ بھی سہی۔

دوسری بار حاضری میں دست بہ دست بیعت نصیب ہوگئی اور غالباً پانچویں یا چھٹے سال حضرت نے مجازِ صحبت کی چپراس باندھ دی۔

۱۹۵۴ء میں ہندوستان سے کراچی آگیا اور یہیں قیام ہے۔ کئی اخوانِ طریقت نے اجازتِ بیعت بھی دی اور اصرار بھی کیا کہ یہ بھی کرو مگر یہاں وہی چپراس جو حضرت نے باندھ دی تھی تاجِ شاہی سے زیادہ نظر آتی ہے (احمد کی جگہ احسن)

احسن تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار

دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

میرا والد کا رکھا ہوا نام محمد نجم احسن ہے۔ حضرت نے زبانی جب بھی یاد فرمایا نجم الحسن کہہ کے ایک بار حضرت نے نام سے یاد فرمایا تو اس پر اشعار ہو گئے۔ وھو ھٰذا ؎

اللہ یہ فردوسِ سماعت کی بہاریں

وہ اور مجھے نام سے محفل میں پکاریں

دل میں ایک خیال یہ آیا کہ چند اشعار بھی لکھ دوں۔ صرف اس تعلق سے متعلق جس کی بابت استفسار فرمایا ہے۔ پہلی حاضری کے بعد کے اشعار یہ ہیں۔ (تحریر میں محفوظ نہیں ہیں حافظے میں شاید سب ہوں یا کچھ)

جانم فدایت اے جانِ جانم	شیخِ طریقت جز تو نہ دانم
مستم بہ نامت مستم بہ جامت	باشی سلامت پیرِ مغانم
ہستم گیاہے در بوستانت	چشمے بہ من کن اے باغبانم

از بچہ میشے ہم کمترم من — در گلہ ات اے شاہ شبانم
ادنیٰ سگے ام در کوچۂ تو — زیں بہ نہ شاید نام و نشانم
شادم کہ آخر چیزے شدم من — کاز بستگانِ ایں آستانم

زاں دم کہ کردی تو دستگیری
فارغ ز فکر سود و زیانم

حضرت سے تعلق کے بعد ہم پیشہ دوستوں نے کچھ نصیحتیں کیں کہ اپنا چلتا ہوا کام برباد نہ کرو۔ اس کے جواب میں یہ شعر تھا:۔

ہم کر بھی چکے بیعت دیوانہ مزاجی
اب حضرت ناصح تو بہر حال سدھاریں

ایک غزل اور جو خانقاہ میں گذرے ہوئے احوال کے تاثرات ہیں پیش ہے۔

ہونٹوں کا تبسم یاد آیا آنکھوں کا تبسم یاد آیا — آواز کے نغمے یاد آئے لہجے کا ترنم یاد آیا
مخمور ہوائیں یاد آئیں پر کیف فضائیں یاد آئیں — باتوں کی شرابیں یاد آئیں نازوں کا تکلم یاد آیا
جلوت میں تکلف کی شانیں ہر بات میں کہنا آپ مجھے — خلوت میں نرالی آن سے اُف کہنا وہ مجھے "تم" یاد آیا
تقوے کی طہارت اپنی جگہ توبہ کی صداقت اپنی جگہ — لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ بھر مَے سے بھرا خُم یاد آیا
قدموں پہ وہ میرا گر جانا وہ ان کا تبسم فرمانا — ہاتھوں سے اٹھا کر پیار سے اُف کہنا وہ مجھے "قم" یاد آیا
اس بزم میں میں بیہوش نہ تھا پھر بھی مجھے کچھ ہوش نہ تھا — وہ محو سا میرا ہو جانا جوں روز میں انجم یاد آیا
کس طور سے آتا ہائے یقین وہ اور مجھ ایسے پر یہ کرم — وہ پیار میں ڈوبی ان کی نظر وہ اپنا توہم یاد آیا

وہ ہائے تحیر مستی کا وہ مہر بہ لب سا ہو جانا
اس بزم میں اپنا اے احسن ہو جانا وہ گم گم یاد آیا

میری زندگی ہی کچھ ایسی قابل استعداد اور قابل توقعات وذکر نہ تھی کہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا ہوتی یا محسوس ہوتی۔ پیشہ وکالت میں ساتواں سال تھا بس یہ تو ضرور ہوا کہ اس سے طبیعت الجھنے لگی اور شاید کچھ رُخ وکالت کے چھوڑ کے کوئی طرز احتیاط بھی اختیار کیا ہو۔

یہ یاد آتا ہے کہ بعض احباب نے جو چوٹی کے وکلا میں سے تھے یہ کہا اور بار بار کہا کہ اچھے خاصے چل رہے ہو۔ عقل وذہن سے بھی قدرت نے محروم نہیں کیا ہے پھر کیوں دائرہ تنگ کرتے ہو۔ جواب میں ایک شعر ہو گیا تھا ؎

ہم کر بھی چکے بیعت دیوانہ مزاجی
اب حضرت ناصح تو بہر حال سدھاریں

ایک گمان ہوتا ہے کہ شاید طبیعت بقدر حاجت کے دنیا سے ہٹ گئی۔ الحمد للہ حرص حسد اور (غالباً) دنیا کی محبت سے اللہ نے محفوظ رکھا۔ ظاہری طور پر بہر صورت زندگی بے فکر اور کسی درجے میں باعزت گزر گئی۔ اولاد کوئی تھی نہیں اس وجہ سے حرص کو زیادہ موقع بھی نہیں ملا پاؤں پھیلانے کا۔

حضرت تھانویؒ کی زندگی کے کس پہلو سے متاثر ہوا۔ کس پہلو کا سوال ہی نہیں اٹھا۔ وہاں پہنچتے ہی یہ کیفیت ہوئی کہ ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

کوئی رُخ حضرت کی زندگی کا، کوئی بات حضرت کی، کوئی انداز حضرت کا ایسا نہیں تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور رُخ، بات یا انداز پر نظر پڑتی۔ دنیا میں کسی جانے ہوئے اور مانے ہوئے بزرگ کی بفضلہ تحقیر یا تنقیص کا وسوسہ بھی نہیں مگر ؎

ہر شخص راست راہے، دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاہے

اور اب جب حضرت کو دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے ستائیس سال ہو گئے۔ اب بھی قلب ونظر، اعتقاد واعتماد، عقیدت ومحبت کی (حضرت کے لئے)، وہی شان نہیں بلکہ اس سے زیادہ اور کہیں زیادہ ہے۔

شیخِ طریقت بجز تو نہ دانم

کا معاملہ ہے۔ یہ وسوسہ بھی کبھی نہ آیا کہ حضرت کا جو ارشاد ہے، جو طرز ہے یا حضرت کی جو پسند ہے اس کے علاوہ کسی ارشاد طرز یا پسند میں جمال کیا امکان ہے

میں کیا عرض کروں مہربانیوں کو اس ذات گرامی علیہ الرحمۃ کی حضرت والا کے متوسلین میں سب سے زیادہ ناکارہ آوارہ اور نالائق توجہ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے

بہ نام احسن و در عمل اقبحم

ہے۔ میں اپنے احساسِ ناقص میں سمجھتا ہوں کہ ہر نظر، ہر توجہ، ہر ارشاد، زبانی یا تحریری التفات تھا۔ خاص الخاص میرے ساتھ تو معاملہ یہ ہے کہ نوادر نامہائے گرامی میرے ساتھ یہاں (پاکستان، میں) نہ پہنچ سکے اور ضائع ہو گئے اور جو کچھ سترہ سال میں ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۳ء سال وفات حضرتؒ تک گزری۔ ہر بات توجہِ خاص تھی اور بہت سی باتیں

میانِ خادم و مخدوم رمزے است

میری نالائقی نہ جانے کن کن بدتمیزیوں کی حامل رہی حضرت نے فرمایا

"اجی محبت کا کوئی قانون نہیں ہے" اللہ اللہ بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

اپنے دو شعر اس ضمن میں یاد آ گئے ہے

محبت را نہ آئینے نہ دستورے نہ قانونے
حذر زآشفتگی جستن چہ باطل آرزو دارم
ترا خواہم برائے خود کہ خود را بہر تو خواہم
نمی دانم کہ اے جاناں چہ در دل آرزو دارم

تھانوی زندگی کا صرف ایک واقعہ لکھتا ہوں اور بس وہ یہ کہ ایک زمانہ تھا غالباً ۳۰-۱۹۳۱ء کا، مَیں بہت دنوں تک تھانہ بھون حاضری نہ دے سکا۔ حضرت نے رقم فرمایا کہ دیکھو اگر مالی پریشانی ہے تو کسی سے قرض لے لو اور چلے آؤ مجھے ایک پرزہ پر رقم لکھ کر دے دینا میں تم کو دیدوں گا کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔ حضرت کے قلب مبارک میں یہ خیال آیا تھا کہ میری تیاری مکتوب گرامی آنے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ مجھ پر اس محبت کا کیا اثر ہوا۔ آپ بھی دل رکھتے ہیں سمجھ لیجئے مَیں آٹھ دس دن بعد جانے والا تھا۔ میں نے فوراً جواب میں عرض کیا۔ حضرت اس وقت مجھے ایسی ضرورت نہیں ہے مگر جب بھی ضرورت ہوگی بلا تکلف عرض کر دوں گا میرا یہ حق محفوظ رہے جواب آگیا کہ محفوظ ہے۔

یہ توجہات محبت کی ایک معمولی سی مثال ہے اس کا جاننے والا کوئی اس عالم میں نہیں صرف میرے محب بے تکلف خواجہ مجذوب علیہ الرحمۃ جانتے تھے۔

سعید احمد خان

مجاز صحبت

میرے والد صاحب کا نام حافظ محمد صلیح الدین احمد تھا۔ میری پیدائش علی گڑھ شہر میں ۱۳۱۷ھ میں ہوئی۔ میرے والد مرحوم کے تقویٰ و طہارت شغف قرآن مجید اور حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ساتھ گہری عقیدت کا میری زندگی پر بہت اثر پڑا۔ میری دینی تعلیم کبھی کسی دینی مدرسہ میں نہیں ہوئی۔ خانگی ابتدائی تعلیم میں میرے استاد حافظ محمد عمر صاحبؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے مجھے متاثر کیا۔ اپنے حقیقی بھائی مولانا جلیل احمد علی گڑھی خلیفہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو دیکھ کر بذریعہ خط و کتابت میں نے بھی درخواست بیعت کی اور بحمدہ تعالیٰ سعادت بیعت بھی حاصل ہوگئی۔ تقریباً ۱۳۵۵ھ سے لے کر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی وفات تک وقتاً فوقتاً متعدد بار نعمت حاضری نصیب ہوئی۔ غالباً ۱۳۶۰ھ میں بفضلہٖ تعالیٰ نعمت بیعت مجھے حاصل ہوئی آخری ملاقات جو حضرت قدس سرہ سے ہوئی غالباً حضرت کی وفات سے ۶ ماہ قبل ہوئی۔ حضرت قدس سرہ سے تعلق کے بعد بحمدہٖ و بفضلہٖ تعالیٰ خوف آخرت پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی حکمت (خیر کثیر) سے زیادہ متاثر ہوا۔

مولانا محمد صابر امروہوی

مجازِ بیعت

صحیح تاریخ پیدائش تو معلوم نہیں اردو مڈل کی سند سے جو مارچ سنہ ۱ء کی ہے جس میں احقر کی عمر چودہ سال دو ماہ کی تحریر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ پیدائش جنوری ۱۸۹۷ء رہی ہے۔

جب احقر کی عمر چھ سال کی ہوئی تو والد محمد سعید صاحب نے محلہ کے مکتب میں پڑھنے کے لئے بٹھا دیا۔ پرائمری اسکول سے فارغ ہونے کے بعد اردو مڈل سکول میں داخل کر دیا۔ مارچ سنہ ۱ء میں مڈل پاس کیا اس کے بعد حضرت والد صاحب نے انگریزی اسکول میں داخل کر دیا۔ انگریزی پڑھنی شروع کی ایک ہی کتاب پڑھنے پایا تھا کہ زیر ناف غالباً درد قولنج کا سخت دورہ پڑنے لگا۔ والدہ صاحبہ نے والد صاحب سے فرمایا کہ اس کو انگریزی تعلیم نہ دلائیں اس کی نحوست سے میرا بچہ بیمار رہتا ہے والد صاحب نے کہا انگریزی ایک علم ہے اس کی کیا نحوست ہو سکتی ہے اور تعلیم جاری رکھی۔ کچھ دنوں کے بعد ایسا سخت شدید دورہ پڑا کہ سب گھر والے پریشان ہو گئے اور رونے لگے کہ اب زندگی ختم معلوم ہوتی ہے۔ والدہ صاحبہ نے والد صاحب سے رو کر کہا کہ دیکھو میں کہتی تھی کہ اس کو انگریزی نہ پڑھاؤ بچہ بھی ہاتھ سے چلا والد صاحب نے کہا کہ اگر اب یہ اچھا ہو گیا تو انگریزی چھڑا دوں گا۔ بفضلہٖ تعالیٰ دورہ ختم ہو کر میں اچھا ہو گیا۔ والد صاحب نے انگریزی چھڑا دی۔ اس کے بعد اب تک دورہ نہیں پڑا۔ احقر نے مسلم اسکول امروہہ میں ملازمت کر لی اور خارج میں فارسی شروع کر دی اور گلستان بوستان پڑھنے کے بعد عربی شروع کر دی۔ ادھر والد صاحب نے اٹھارہ برس کی عمر میں شادی کر دی۔ مدرسہ کی ملازمت

اور عربی فارسی کی تعلیم برابر جاری رکھی ابھی تعلیم کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے اپنے اہل وعیال والدہ صاحبہ اور سب بہن بھائی کی ذمہ داری احقر کے سر پڑ گئی تنخواہ اخراجات کے لئے ناکافی تھی اس لئے دو تین ٹیوشن کرنے پڑے اور تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا یہاں تک کہ درس نظامی کی تکمیل ہو گئی ۱۵ شعبان ۱۳۴۰ھ کو مدرسہ اسلامیہ عربیہ محلہ چلہ امروہہ سے سند ملی۔

بیعت

ابھی میں طالب علمی کے زمرہ ہی میں تھا کہ غالباً ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ میں حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب قدس سرہ مولوی زاہد حسن صاحب کی لڑکیوں کے نکاح میں بلانے پر امروہہ تشریف لائے اور محلہ دربار کلاں میں استادی مولوی عبدالرؤف صاحب کے مکان پر قیام فرمایا میں نے استادی مولوی عبدالرؤف صاحب سے عرض کیا کہ میں حضرت سے بیعت ہونا چاہتا ہوں آپ سفارش فرمادیں۔ موصوف مجھ کو حضرت کی خدمت اقدس میں لے گئے اور میرے بیعت ہونے کی درخواست کی۔ حضرت نے اسی وقت بیعت سے مشرف فرمایا غالباً بیعت کی تاریخ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۲۲ء بروز چہارشنبہ یا پنجشنبہ تھی۔

دوسرے دن میں نے عرض کیا کہ احقر کے گھر میں بھی حضرت سے بیعت ہونا چاہتی ہیں تانگہ لے آتا ہوں۔ فرمایا تانگہ میں تانگے کی ضرورت نہیں فٹن تو فتن ہے۔ الغرض حضرت معہ چند احباب کے پیدل چل کر مکان پر جو قیام گاہ سے نصف میل تھا۔ تشریف لائے چنانچہ گھر میں اپنے رومال کا ایک گوشہ میرے ذریعہ ہاتھ میں پکڑوا کر پردہ سے بیعت فرمایا۔ گھر میں سے پان پیش کیا حضرت نے فرمایا سادہ پان بلا کتھہ و چونا کا دو چنانچہ سادہ پان الائچی رکھ کر پیش نوش فرمالیا۔

۲۰ رمضان ۴۱ھ میں معہ اہل وعیال کے تھانہ بھون گیا۔ ایک ماہ بارہ دن قیام کر کے حضرت کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔ وہاں سے واپس ہو کر مدرسہ عربیہ محلہ چلہ امروہہ میں ملازمت کر لی پھر ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ میں مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ باولی ریاست رام پور میں صدر مدرس مقرر ہو گیا۔ ۵۰ھ تک ملازم رہا بعد ازاں ڈیڑھ سال اڈاوہ حاجی نور الحسن صاحب کے لڑکوں اور بھانجہ کے لئے حضرت

کے مشورہ سے بطورِ اتالیقی ملازمت اختیار کی اس کے بعد مدرسہ عثمانیہ نئی بستی ریواڑی ضلع گوڑگانوہ میں صدر مدرس ہو کر گیا۔ شوال ۱۳۵۵ھ تک ملازم رہا بعد اس کے دوبارہ مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی میں صدر مدرسی پر گیا۔ اس کے بعد ۱۶؍دسمبر ۴۳ء کو برہرہ ضلع ایٹہ حضرت کے حکم سے حاجی محمد سعید احمد صاحب مجاز صحبت کے لڑکے پڑھانے پر مقرر ہوا۔ پاکستان آنے تک برہرہ ہی مقیم رہا۔ مارچ ۱۹۵۵ء میں پاکستان آکر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی کی نیابت میں احقر کا دار العلوم کراچی نانک واڑہ کی شاخ دارالافتاء میں تقرر ہوا۔

تصنیف و تالیف

۱۔ سیرۃ الصدیق صـ ۳۴۴ ٹانڈہ بادلی کے قیام میں لکھنی شروع کی جو بھائی محمد عثمان خاں صاحب نے حضرت قدس سرہ کے مشورے سے نجما نجما رسالہ الہادی میں شائع کی۔ رسالہ ہذا بند ہونے کی وجہ سے دوسرا حصہ باقی رہ گیا جو کراچی میں مع اول حصہ کے طبع ہوا۔

۲۔ مشکوٰۃ السراج صـ ۳۴۴ سراجی کی مدلل مفصل شرح تحریر کی۔ پہلا ایڈیشن طبع ہو کر ختم ہو گیا اب دوسرا ایڈیشن اضافات کے ساتھ شائع ہوگا کتابت تو مکمل ہو چکی ہے طباعت باقی ہے۔

۳۔ انوار البیوع ترجمہ کتاب البیوع ترغیب ترہیب۔

۴۔ انوار النکاح ترجمہ کتاب النکاح ترغیب ترہیب۔

اس سے پہلے ترغیب ترہیب کے حصوں کا ترجمہ انوار الصوم، انوار الحج، انوار الجہاد وغیرہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مدظلہ العالی نے کیا ان کے ڈھاکہ تشریف لے جانے کے بعد بھائی محمد عثمان صاحب نے حضرت کے مشورہ سے کتاب البیوع، کتاب النکاح کا ترجمہ احقر کے سپرد کیا جو تھوڑا تھوڑا رسالہ الہادی میں شائع ہوتا رہا۔ الہادی کے بند ہو جانے پر آئندہ کتب کا ترجمہ نہ ہو سکا۔

اردو حاشیہ نفحۃ الیمن جس کو منشی عبد الحمید صاحب تاجر کتب امروہوی نے طبع کیا۔

سیّد علی سجّاد

مجازِ صحبت

میرے والد صاحب کا نام منشی رضا حسین تھا۔ سنہ پیدائش کی سند میں اپنے خسر و جد امجد ڈاکٹر عبدالحی مولوی کاظم حسین مرحوم و مغفور کا قطعہ تاریخ پیش کرتا ہوں۔

هزاراں سپاس آں خدائے غنی را — رضا را عطا کرد فرزند دوم

نصیبش زحق باد خیراً کثیرا — ز علم اقبال و از دین و دانش

ز قرآں من اللہ فضلاً کبیرا — بگو کاظم از بہر سال ولادت

کانپور لکھنؤ اور ایم اے او کالج علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب علی گڑھ کالج میں اسی بارک میں قیام پذیر تھے جس میں احقر تھا اور سنہ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۵ء تک ایف اے اور بی اے میں ہم کلاس رہے اور خواجہ صاحب ہی کا مبارک باد کا خط تھا جس سے مجھے اپنی کامیابی کا حال معلوم کر کے مسرت ہوئی۔ خواجہ صاحب کانپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور میں وہاں نائب تحصیلدار تھا۔ ان کی دن رات یہ کوشش تھی کہ میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہٗ کا مرید ہو جاؤں ان ہی کی تحریک پر میں نے غالباً ۱۹۱۴ء میں اپنے حالات حضرت قبلہ کو تحریر کیے۔ میں بعدہٗ اکثر حضرت قبلہ کے پاس خواجہ صاحب کے ہمراہ حاضر ہوتا رہا۔

۱۹۱۸ء میں جبکہ احقر مچھلی شہر ضلع جونپور میں تحصیلدار تھا۔ حضرت قبلہ نے مجھ کو بیعت کر لیا اور غالباً ۱۹۳۱ء میں جب کہ میں جونپور میں ڈپٹی کلکٹر تھا حضرت اقدس نے مجھے اپنے مجازین میں

بحیثیت مجاز صحبت داخل فرمالیا۔ ناشکری سے ڈرتا ہوں اپنی اصلاح سے محرومی کا شکوہ کس طرح اور کیونکر کر سکتا ہوں بس دعا فرمائیں کہ حق تعالے خاتمہ بالخیر فرمادیں۔

ایماں چو سلامت بہ لب گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکی ما

مگر یہاں تو چستی و چالاکی کا بھی فقدان ہے لیکن قنوط اور مایوسی بھی کفر ہے حق تعالے غفور الرحیم ہیں۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

اللہ تعالیٰ میری توبہ۔ بہ طفیل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں سنہ ۱۳۹۰ھ کا آخر ہے ۹۱ شروع ہونے والا ہے نوے اکانوے کی عمر میں قویٰ جواب دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ چند کلمات اپنے قلم سے تحریر کر سکا۔

مولانا محمد اللہ

مجازِ بیعت

میں اپنی زندگی کے ۷۳ سال کی طرف جب نظر دوڑاتا ہوں تو سوا حسرت اور ندامت کے کچھ اور نہیں پاتا۔ یہ نالائق روسیاہ بدنام کنندہ دربار اشرفی اس کا اہل تو نہیں کہ حضرت کے خلفاء مقبولین کے نام کے ساتھ اس نا اہل کا نام بھی درج کیا جائے۔ تاہم اس امید کے ساتھ کہ ان مقبولین کے ساتھ ان کی برکت سے میرا بھی ٹھکانا لگ جائے۔ ندامت کے ساتھ عرض ہے کہ ۔

غرض نقشیست کز ما یاد ماند
کہ ہستی را نمے بینم بقائے
مگر صاحب دلے روزے برحمت
کند بر حال ایں مسکین دعائے

میرے دادا صاحب میاں جی اکرام الدین حضرت سید احمد شہید بریلوی کے سلسلہ میں بیعت تھے۔ اصل میں زمیندار تھے مگر اپنی زندگی قرآن پاک کی خدمت اور دینی کاموں میں گذاری۔ ان کے ترک دنیا کی برکت سے بقول والد صاحب ہمارے خاندان میں اب بھی خدمت دین کے چرچے ہیں۔ سن پیدائش ۱۳۱۷ھ یا اس سے کچھ کم وبیش۔ اولاً اپنے چچا محمد یونس صاحب کے مکتب قرآنی میں کلام مجید ناظرہ اور کچھ ابتدائی فارسی بھی پڑھی۔ پھر مولوی محمد عثمان صاحب اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے مدرسہ میں پڑھنا شروع کیا۔ ان کی خدمت میں رہ کر فارسی کی بہت سی کتابیں پڑھیں خصوصی طور پر

گلستان وبوستان سے بہت فائدہ ہوا اور دل میں خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہوا خصوصاً بوستان کا یہ شعر اپنی زندگی کا رہنما بنایا۔

چوں روزے بہ بے چارگی جان دہی
بس آں بہ کہ در در جاناں دہی

مگر یہاں کے طلبہ کی عملی اخلاقی حالت خراب دیکھ کر یہاں سے دل برداشتہ ہوا۔ ادھر والد مرحوم غربت کی وجہ سے چاہنے لگے کہ کچھ کمائی کی طرف لگ جاوے مگر میرے دل میں تحصیل علم کا شوق پیدا ہو چکا تھا اور خیال ہوا کہ تمام علوم سے پہلے کلام مجید کو حفظ کرلوں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کہاں جاؤں اتفاقاً ایک روز فن قرأت اور حفظ قرآن مجید کے متعلق پانی پت کی بہت تعریف سنی۔ اسی اثنا میں ایک روز ایک کتاب مولفہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اور ان کی کچھ مختصر سوانعمری دیکھ کر ارادہ کیا کہ پانی پت جاکر پہلے حفظ قرآن مجید سے فارغ ہوکر پھر درسیات میں لگ جاؤں۔ ادھر یہ عزم کیا ادھر یہ خوف ہوا کہ والد صاحب اس کی اجازت نہیں دیں گے لہٰذا اطلاع کئے بغیر صرف ڈیڑھ سو روپیہ لے کر پانی پت کے ارادہ سے گھر سے نکل پڑا۔

غالباً ۱۳۳۵ھ کے آخر رمضان قاری عبدالسلام صاحب خلف الصدق قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعد رمضان قاری صاحب نے حفظ کے سبق شروع کرا دیے۔ الحمد للہ بہ توفیقہ غالباً ڈیڑھ سال میں ۲۰ پارہ سے زیادہ حفظ ہو چکا تھا۔ اسی اثنا میں اچانک سنا کہ حضرت تھانوی پانی پت تشریف لائے ہیں۔ والد مرحوم سے بچپن ہی میں حضرت کا تذکرہ سن کر دل میں حضرت سے ایک گونہ تعلق ہو گیا تھا چنانچہ استاد مرحوم کی معیت میں حضرت قدس سرہ کی اول زیارت نصیب ہوئی حضرت نے قرأت سنی خوش ہوئے۔ اس دوران میں حضرت کے کئی وعظ سننے کا شرف حاصل ہوا۔

تیسرے سال حفظ کلام مجید کے بعد سہارن پور کے مدرسہ مظاہر علوم میں داخلہ لیا۔ بعد امتحان سالانہ چھ سال وطن سے مفارقت کے بعد وطن پہنچ کر ختم تراویح سنایا سب خویش واقربا خوش ہوئے۔ خیال تھا کہ مولانا انور شاہ صاحب کے پاس دوبارہ حدیث پڑھوں گا مگر اسی سال مدرسہ دیوبند میں فتنہ برپا ہوا اور

آپ ڈابھیل چلے گئے۔

اس سے قبل بھی تعطیلات میں تھانہ بھون حاضری دیتا رہا۔ ۱۳۴۵ھ میں مسلسل پانچ ماہ حضرت کی خدمت میں رہا۔ اس مدت میں حضرت کی شفقت اور اپنی نالائقیوں کا اظہار ہوتا رہا۔ پانچ ماہ کے بعد ضلع کملا مدرسہ یونسیہ میں طلبہ کی خدمت کے لئے مدعو کیا گیا۔ حضرت کی اجازت سے مسلسل چار سال اس مدرسہ میں خدمت کرتا رہا۔ پھر ڈھاکہ چلا آیا اور ہم خیال علماء اور بزرگ حضرات کے ساتھ مل کر ایک نیا مدرسہ اشرف العلوم قائم کیا۔ اسی زمانہ میں مجھے لال باغ شاہی مسجد میں امام مقرر کیا گیا۔ یہاں بچوں کی تعلیم قرآن کے لئے ایک مکتب قائم کیا۔ الحمد للہ یہ ترقی کر کے اب بہت بڑا مدرسہ جامع قرآنیہ کے نام سے قائم ہے۔

تھانہ بھون میں پہلی حاضری کا سن تو یاد نہیں رہا۔ اتنا یاد آتا ہے کہ جس سال غالباً مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں زیر تعلیم تھا۔ ایک ہم سبق مولانا شمس الحق فرید پوری صاحب کی معیت میں تھانہ بھون حاضری ہوئی پھر تو اکثر تعطیلات میں خصوصاً رمضان المبارک میں حاضری دیتا رہا۔ حاضری سے پہلے اپنے حفظ کلام مجید کے زمانہ سے حضرت کے متعلق اس زمانہ کے مجدد کا اعتقاد دل میں تھا۔ حاضری کے بعد سے آپ کی شان تربیت اور طالبین کے ساتھ غایت شفقت اور ان کی اصلاح و تربیت کے لئے جاں فشانی کا مشاہدہ کر کے آپ کی علو شان اور اپنے دل میں آپ کی عظمت بڑھتی رہی۔ احقر کو شروع میں کچھ دنوں غالباً مکاتبت اور مخاطبت کی اجازت نہیں تھی بعد میں اصلاحی مکاتبت کی اجازت ہو گئی تھی۔ اس وقت سے اصلاح نفس کے متعلق بہت سے حالات اور واقعات پیش آئے جس کے متعلق حضرت قدس سرہ کی ہدایات اور نصائح عموماً اور خصوصاً احقر کو ملتی رہیں گو اپنی نالائقی کی وجہ سے حسب منشا حضرت قدس سرہ پورا عمل نہ کر سکا اور ادھورا ہی رہ گیا۔ اپنی نالائقی کے واقعات کے ذکر سے بھی شرم آتی ہے بس لرزاں اور ترساں رہتا تھا کہ کب حکم صادر ہو کہ تو خانقاہ سے نکل جا مگر رحمت و شفقت کی مجسم ہستی اگر ایک وقت دل شوئی کے لئے زجر و تنبیہ فرماتے تو دوسرے وقت شفقت آمیز ارشادات سے دل جوئی اور محبت بڑھاتے۔ پانی پت میں حفظ سے فارغ ہو کر جب تھانہ بھون حاضری

ہوئی۔ اس وقت تقریباً پانچ ماہ مسلسل قیام کا شرف حاصل ہوا۔ اس میں کچھ معمولات مخصوصہ کے ساتھ امراض قلب کا علاج ہوتا رہا۔ خصوصی کبر اور خود رائی کا علاج ایک طویل مدت تک جاری رہا علاج یہی کہ ہر نماز با جماعت کے بعد اپنے مرض کے اعلان کے بعد سب حضرات سے اس مرض کے ازالہ کی دعا کی درخواست کرتا تھا۔ میری درخواست کے بعد کبھی کبھی حضرت قدس سرہ یہ دعا احقر کے لئے مسموع ہوتا۔ یعنی اللھم کل خیر لہ (آمین ثم آمین یارب العالمین) ایک دن خود ہی حضرت نے سب کے سامنے بشارت دی کہ الحمد للہ کبر کا مرض جاتا رہا۔ غایت سرور سے احقر پہ گریہ طاری ہو گیا۔ درحقیقت حضرت کے خدام میں اس روسیاہ سے بڑھ کر حقیر ذلیل اور کمتر کوئی نہ تھا اور نہ اب ہے یہ امر واقعہ ہے غالباً ۴ سال تک حضرت کے زیر تربیت رہا۔ جب میں نے دیکھا کہ حضرت اپنے متعلقین کی تربیت اپنے مخصوص مجازین کے حوالے کرنے لگے تو میں نے آپ کی راحت کے خیال سے خود ہی درخواست کی کہ مجھے بھی کسی کے حوالے کر دیں تو حضرت نے مولانا محمد عیسیٰ صاحب کے حوالے کیا کہ اصلاحی خط و کتابت تو ان سے رہے اور خیریت مزاج اور دعا کے لئے حضرت سے خط و کتابت رہے اسی زمانہ میں قدرت خداوندی سے ایک شخص مجھ کو اپنے ساتھ اپنے خرچ پر حرمین شریفین لے گیا۔ الحمد للہ اب تک سات مرتبہ حاضری ہوئی مگر اول حاضری میں حضرت حکیم الامت کی دعا اور توجہ کی برکت سے جو حالت اور کیفیت اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی اس کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں اس سفر سے واپسی میں جب تھانہ بھون حضرت کے یہاں حاضری ہوئی تو مزید شفقت اور عنایت سے احقر کو نوازا گیا اور غالباً ۱۵ یوم کے قیام کے بعد جب وطن روانہ ہونے لگا تو ارشاد فرمایا کہ وطن پہنچ کر خط سے اطلاع دینا۔ چنانچہ جب وطن سے مدرسہ میں پہنچا تو حضرت کے عنایت نامہ کو کہ جس میں ایک نعمت غیر مترقبہ کی بشارت تھی پا کر خوشی کے ساتھ تعجب بھی تھا کہ ؎

کہاں میں اور کہاں وہ نکہت گل

السلام علیکم۔ حالات سے اطمینان ہوا دعا کرتا ہوں۔ میری طبیعت اب بالکل صاف ہے اطمینان رکھیں معلوم نہیں میں نے آپ کی تربیت کس کے متعلق کی اگر ان مصلح نے کوئی خاص تجویز جس

کو میں ذیل میں نقل کرتا ہوں۔ آپ کے لئے نہ کی ہو تو میں تجویز کرتا ہوں وہ یہ کہ بنا بر مناسبت طریق وتوقع نفع لازمی ومتعدی بے ساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو توکلاً علی اللہ بیعت و تلقین کی اجازت دے دوں۔ اللہ تعالیٰ سے امید برکت کی ہے اگر کوئی طالب آوے اس کو نفع پہنچائیں اور اپنے خاص دوستوں کو اس کی اطلاع کر دیں اور اگر مصلح صاحب نے کچھ تجویز کیا تو ان کی تجویز مقدم ہے۔

(حضرت مولانا) اشرف علی تھانوی

الحمدللہ میں نے باوجود اپنی نااہلی کے حضرت کے ارشاد گرامی کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر اس بار امانت کو قبول کیا اور اطلاع دی کہ حضرت نے احقر پر خدمت خلق کا باب وسیع فرما دیا اور دعا کی درخواست کی کہ اس امانت کی حفاظت اور ادائے حقوق کی توفیق عطا ہو۔ حضرت نے دلی دعا سے سرفراز فرمایا۔

اس کے بعد اپنے مربی ومصلح مولانا محمد عیسیٰ صاحب کو اس ماجرا کی خبر دی تو انہوں نے بھی انہوں نے بھی اجازت بیعت وتلقین سے نوازا۔ کیا عرض کروں کہ حضرت کی زندگی کے کس پہلو سے متاثر ہوا۔ حضرت قدس سرہ کی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہ تھا کہ سلیم الطبع اس سے متاثر نہ ہو۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

حضرت کی زندگی کا ہر پہلو جامع الکمالات تھا۔ مجھ جیسے نالائق کے لئے بس اتنا ہی غنیمت تھا کہ حضرت کی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت تھی وہاں بیٹھ کر ؎

اے لقار تو جواب ہر سوال

کا لطف حاصل کرتا تھا اور ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق فوائد حاصل کرتا تھا اور متاثر ہوتا تھا بندہ کو خود اپنا تجربہ ہے کہ خواہ کوئی دنیاوی پریشانی ہوتی یا باطنی پریشانی۔ حضرت کی مجلس میں جانے سے اس کا ازالہ ہو کر مبدل بہ طمانیت ہوتا تھا۔ حضرت کا ہر ہر قول و فعل عمل۔ حال، حرکت، سکون غرض ہر چیز اتباع سنت کا نمونہ اور طالبین وسالکین کے لئے راہنما تھا۔

حضرت کئی سال پہلے امراض شکم میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اس اثناء میں کبھی کبھی حاضری کا شرف ہوتا رہا اور کبھی مکاتبت سے خیریت دریافت کرتا رہا۔ ان ایام میں حضرت قدس سرہ کے بھانجے مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ میں مقیم تھے۔ ان کے واسطہ سے بھی حضرت کی صحت وغیرہ کے متعلق معلوم ہوتا رہتا۔ ادھر دن بدن مایوسی کی خبریں آتی رہیں۔ غالباً ۱۳۶۱ھ ماہ رجب میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے خواب دیکھا کہ وہ تھانہ بھون حاضر ہوئے اور حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ الحمد للہ میرا جنازہ پڑھانے والا آگیا۔ اس خواب کے بعد مولانا ظفر احمد اسی روز مع چند رفقاء کے تھانہ بھون روانہ ہو گئے۔ احقر بھی ساتھ تھا۔ غالباً حضرت قدس سرہ کی وفات سے بارہ روز پہلے ہم لوگ تھانہ بھون پہنچ گئے تھے۔

حضرت کی راحت کا لحاظ رکھتے ہوئے عام طور پر ملاقات کے لئے اجازت نہیں ملتی تھی البتہ تیماردار اور بعض خواص کو وقتاً فوقتاً حاضری ملاقات اور مکالمت کا موقعہ ملتا تھا۔ احقر اور دیگر حضرات دروازہ سے باہر چارپائی وغیرہ پر بیٹھ کر مجلس ہی کے فیوض و برکات محسوس کرتے۔ اس دوران غالباً ایک روز حاضری کی اجازت سے مشرف فرمایا۔

اس نالائق روسیاہ کو یہی شرف کافی ہے کہ حضرت کے یہاں حاضری اور مجلس میں بیٹھنے کی اجازت حاصل تھی۔ ہاں ایک وقت کچھ دنوں قیلولہ کے وقت پنکھا جھلنا اور پیر دبانے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا اور اس طرح کچھ اور خدمات کا شرف بھی حاصل ہوا تھا بس حضرت قدس سرہ کے علو شان اور اپنی بدحالی کو دیکھ کر زبان پر آتا ہے ؎

تہی دستاں قسمت را چہ سود از رہبر کامل

نہیں نہیں میں نے غلط کہا توبہ توبہ استغفر اللہ نعوذ باللہ من ہذا القول۔ حضرت قدس سرہ نے مجھے گرداب ہلاکت سے نکالا اور بڑی بڑی سخت مشکل گھاٹیوں سے پار کروایا۔ گمراہی سے نکال کر صحیح راستے پر لگایا۔ باوجود میری نالائقیوں کے اپنے دربار عالی سے نکال نہیں دیا بلکہ ہمیشہ رحمت اور شفقت ہی کا برتاؤ کیا۔ حضرت کے احسانات کا شکریہ اس نالائق سے ہرگز نہیں ادا ہو سکتا۔ بس حضرت قدس سرہ کے احسانات کو یاد کر کے حضرت قدس سرہ کے رفیع درجات کی دعائیں کرتا ہوں۔

مولانا عبدالرشید محمود

مجازِ صحبت

جدِ امجد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہ کی وفات کے تقریباً پانچ سال بعد میری ولادت ہوئی۔ حضرت والد ماجد مولانا حکیم مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ حضرت گنگوہی کے بڑے صاحبزادہ ہیں۔ علوم درسیہ نظامیہ کی تحصیل اپنے والد سے کی جبکہ حضرت گنگوہی کی درسگاہ نہ صرف ہندوستان بلکہ شیراز و اصفہان بلخ و بخارا اور عراق تک کے تشنگانِ علومِ ربانیہ کی پیاس بجھا رہی تھی۔ مشائخ چشتیہ کے فیضان کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ علوم ظاہری و معارفِ باطنی کے چشمے ابل رہے تھے۔ ولی اللّٰہی مکتبۂ فکر اپنے منازل اقتراب وارتفاق میں سالکین کی رہنمائی کر رہا تھا۔ ساغر صہبائی جبر کا دور دورہ رہتا تھا۔ جرعہ نوشان ازل قطار اندر قطار چلے آ رہے تھے یلقی الیہ دفاق الناس کلھم ۔ علی المحامل والاقتاب والسفن ۔

والد محترم حکیم صاحب اس نسبت سے حسب وسعت سیراب ہوئے مگر اس مسند کی عظمت شان اس قدر تھی کہ باپ کے بعد اجلۂ خلفاء حضرت کے اصرار کے باوجود اس جگہ پر نہیں آئے۔ ظاہری سبب معاش طبابت رہا۔ وقت کے حذاق اطباء میں شمار تھا۔ حفظ اوقات اور مشغولی کا یہ عالم تھا کہ روزانہ ایک قرآن آخر وقت تک معمول رہا۔ امانت۔ دیانت اور تورع و استقامت کا پیکر تھے۔

میں سن شعور کو پہنچا تو اندر باہر دینی ماحول دینی مذاکرہ۔ حضرت کی شخصیت کے اذکار و تذکار متوسلین کی آمد و رفت۔ علماء و مشائخ وقت۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ۔ حضرت مولانا خلیل احمد

حضرت مولانا رائے پوریؒ۔ حضرت اشرف العلماء تھانوی جیسے سرآمدِ روزگار حضرات کا اکثر و بیشتر ورود برابر مشاہدہ میں رہا قلب و دماغ کے ہر جُز اور احساس و اعصاب کے ہر ریشہ میں جہاں دین اور اہل علم و دین کی عظمت اپنا گھر کرتی رہی۔ وہیں ان حضرات کی غایت شفقت رافت عطوفت کے باعث صاحبزادوں والی ذہنیت اور تعظمہا الآبار کا ذمیمہ بھی پوری طرح کارفرما رہا۔ دارالعلوم دیوبند پہنچا تو وہاں بھی چونکہ سب ہی اکابر و اصاغر منتسبینِ آستانۂ قاسمی و رشیدی تھے اور ان ہر دو احبارِ امت کی نسبتیں مجانس و مشارک اور متقارب تھیں ہی اس لئے وہاں بھی اپنا اختصاص نمایاں ہی محسوس ہوا سب حضرات غایت لطف و حرمت کا معاملہ فرماتے گویا آنکھوں میں رکھتے اس فضاءِ ناز میں ظاہر ہے کہ جس طرح ناز پروردہ اولاد اکثر نالائق ہی رہتی ہے۔ میں بھی چھ سال وہاں رہ کر جیسے تیسے نصابی مراحل تو عبور کر ہی گیا مگر اعتراف ہے کہ لے کر کچھ نہ لوٹا۔ علم کی وقعت اور علماء کی عظمت تو بے شک میرے قلب میں کسی راسخ فی العلم سے کم نہیں رہی لیکن وہ ثمرات علم کے اثمارِ مقصودہ سے تہی دست و خالی داماں ہی رہا۔

طبی کتب کچھ پڑھی تھیں تکمیل اور فنی تربیت کے لئے کچھ عرصہ دہلی رہا۔ ۱۹۳۲ء میں حضرت حکیم صاحب کی وفات کے بعد گنگوہ ہی میں قیام اور مطب شغل رہا۔

اب حضرت کی وفات پر تقریباً پچیس سال گزر چکے تھے۔ حضرت حکیم صاحب بھی سفر آخرت اختیار کر چکے تھے۔ رشیدی متوسلین میں اکابر بھی اکثر رخصت ہو گئے تھے جو حیات تھے گاہے گاہے تشریف لاتے رہے۔ حضرت تھانوی کی زیارت دیر سے نہیں ہوئی تھی۔ اس دس سال میں حضرت نے ترکِ سفر فرما دیا تھا۔ دیوبند شوریٰ میں بھی تشریف نہیں لاتے۔ میں خود کبھی تھانہ بھون حاضر نہیں ہوا تھا۔ اب گونہ شعور کا زمانہ تھا سب حضرات کی زیارت تو ہوئی اور ہوتی رہتی۔ حضرت کا کبھی کبھی خیال آتا تھا۔

ایک روز خواب دیکھا۔ تھانہ بھون حاضر ہوا کہ محلہ فیض خاص و عام میں حضرت کی خانقاہ ہے وہاں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت ایک کنوئیں پر بڑے سے ڈول سے مسلسل پانی کھینچ رہے ہیں۔ بڑی نالی

شور کے ساتھ پانی گزر رہا ہے۔ طاقتور مضبوط آنکھوں میں گھرا سرمہ۔ مجھ کو دیکھ کر قریب آئے مصافحہ یا کوئی اور بات یاد نہیں۔ آنکھ کھل گئی۔ دو تین سال بعد پھر دیکھا کہ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارکہ میں حاضر ہوں۔ دستر خواں بچھا اور کھانا چنا ہوا ہے۔ اور بھی لوگ ہیں۔ حضورؐ میزبان بنے کھانا کھلا رہے ہیں۔ لطف کے ساتھ۔ یہ کھاؤ۔ یہ بھی لو۔ کھانے پر بالائی اور سرخ مرچ پڑی ہوئی دہی بھی یاد ہے پھر منظر بدل گیا۔ اب گویا رخصت ہو رہا ہوں۔ رخصتی مصافحہ کے لئے حاضر ہوا۔ ایک کوٹھڑی سی ہے۔ زیادہ روشنی بھی نہیں۔ ایک چوکی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ مصافحہ کے لئے جھکا۔ وفورِ گریہ کے سبب کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں مگر کہہ نہیں سکا۔ بمشکل اتنا کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاءِ فلاحِ دارین چاہتا ہوں۔ حضورؐ لطف سے سر پر ہاتھ پھیرنا چاہتے ہیں۔ جلدی سے سر جھکا دیا۔ ٹوپی اتار دی کہ بلا حائل دستِ مبارکہ سر کو مس کرے۔ انتہی الرویا۔

اس کے چند روز بعد یاد نہیں کیا اور محرک ہوا اطلاع کر کے تھانہ بھون حاضر ہوا۔ غایت مرحمت و مسرت کا معاملہ فرمایا۔ کیا دیکھا۔ دربار عجیب دربار تھا۔ جلال بھی تھا جمال بھی۔ قوت و سختی کا بھی مظہر تھا۔ مسکنت و عاجزی کا بھی۔ کوہِ گراں بھی۔ آبِ رواں بھی۔ شعلہ بھی اور شبنم بھی۔ متضاد نرم و گرم قوتوں کا موزوں امتزاج۔ خطوط کے جوابات بھی لکھے جا رہے ہیں۔ سوال کرنے والوں کے جواب بھی دیئے جا رہے ہیں۔ کسی کو مختصر کسی کو بہ تفصیل۔ تحقیقی بھی الزامی بھی۔ حکمت کا انداز بھی ہے اور موعظت و مجادلت حسنہ کا طرز بھی۔ جدال بالتی ہی احسن کی بات آج سمجھ میں آئی۔ دلائل میں کہیں دلیلِ عقلی، کہیں نقلی کہیں جدلی انفسی اور کہیں آفاقی۔ بات میں بات۔ حِکَم بھی۔ لطائف بھی، ٹھوس قانونی فقہی اشارے بھی۔ لطیف متصوفانہ رموز بھی۔ عجیب پر بہار مجلس۔ ہیبت مع الانس کا انداز نہ ہیبت مع الوحشۃ۔ بعض باتیں روزمرہ کی معمولی سی مگر آج اس شیخ کے بیان سے ان کی اہمیت کا شعور ہوا۔ بعض قلوب میں کچھ علمی اشکال ہیں۔ بغیر سوال ہی وہ حل ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ خود میرے ساتھ بھی ایسا پیش آیا۔ اوروں نے بھی بیان کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمی اشکال جو صدورِ ناس میں پیدا ہوتے ہیں۔ قلبِ شیخ پر انہ لیغان علی قلبی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر طبیعت مدافعت

تقریر و بیان کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے ورنہ بہ قسم ایک موقعہ پر فرمایا کہ مجھ کو کشف نہیں ہوتا۔ لیساع رمن یحیٰ ابن معین شفاء للصدور۔ عصر کی اذان پر مجلس برخواست ہوگئی۔ بعد مغرب رخصتی مصافحہ کے لئے حاضر ہوا۔ اب دولت کدہ پر تھے۔ کوٹھری سی تھی معمولی روشنی۔ ایک چوکی پر تشریف فرما۔ مجھ پر گریہ کا وہی عالم جو خواب میں تھا۔ بعد مصافحہ کہہ کر ہاتھ سر پر پھیرا کہ لائیے سر پر بھی ہاتھ پھیر دوں۔ اگرچہ ہے تو گستاخی" یہ اشارہ نسبت کی طرف تھا۔ میں نے جلدی سے ٹوپی اتار کر سر جھکا دیا۔ بالکل وہی نقشہ خواب۔ کوٹھری وہی، روشنی ویسی ہی، چوکی اسی طرح سمت میں فرق تھا کہ خواب میں غربی جانب چوکی تھی۔ یہاں غربی جنوبی سمت۔ اسی طرح سر پر ہاتھ پھیرنا غلبہ گریہ میں میرے وہی الفاظ دعا۔

حیرت بھی ہوئی اور نشاط و بشاشت بھی۔ اس کے چند روز بعد بیعت کی درخواست کی۔ جواب میں کچھ انتظار اور شرائط کی سی بات تحریر فرمائی۔ میں نے مفصل کچھ لکھا۔ جواب آیا۔ ماشاء اللہ نہ ادا میں کمی رہی نہ ادب میں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، جب چاہیں آجائیں۔

اوراقِ منظرِ چشم من آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آکہ خانہ خانۂ تست

فرصت دیکھ کر جلدی حاضر ہوگیا۔ ایک ذہنی رسم تھی جو پوری ہوگئی۔ اپنی بات جہاں تھی وہیں رہی کام جیسا کہ الانسان علی نفسہ بصیرۃ فرمایا گیا۔ نظر آرہا تھا۔ کچھ ہو سکا نہ آئندہ توقع۔ سال میں دو ایک مرتبہ حاضری ہوتی ہی رہی۔ تعلق البتہ بڑھتا رہا۔ من اذا راٰہ بداھۃ ھابہ واذا خالطہ معرفۃ احبہ سے البتہ محروم نہیں رہا۔ یہ سوال بھی ہے کہ اس تعلق کے بعد زندگی میں کیا تبدیلی ہوئی۔ حسرت سے کہتا ہوں کچھ بھی نہیں۔ بجز اس کے کہ اپنے حرمان کا احساس بڑھ گیا۔ اپنی نااہلی کی شکایت مستقل رچ گئی۔ امت کے کسی رہبر کامل کا واقعہ ہے کہ درس میں ایک روز مجمع سے فرمایا کہ اپنی غلطی انسان کو خود نہیں نظر آتی۔ وعین النفس عن کل عیب کلیلۃ، مجھ میں کوئی عیب پاؤ تو مجھ کو باخبر کر دو کہ اصلاح کی فکر کروں۔ مجمع میں سے ایک نوجوان اٹھا کہا کہ حضرت ایک عیب

آپ کا بہت اہم ہے وہ یہ کہ آپ کے تبحر کا جو عالم ہے اور آپ کی علمی سطح جس قدر اونچی ہے آپ کو ویسے تلامذہ نہیں ملے۔

دامانِ نگہ تنگ گلِ حسنِ تو بسیار

گل چیں بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

آپ کے پہلوؤں کو سمیٹنے کے لئے اپنے دامن کی تنگی باعثِ شکوہ ہے۔ یہ آپ کا بڑا عیب ہے

خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

آپ نے سوال کیا کہ "حضرت تھانوی کی زندگی کے کس پہلو سے آپ زیادہ متاثر ہوئے؟ نہیں یہ سوال اس طرح نہ کیجئے بلکہ اس طرح کہ کون سا پہلو زیادہ قابلِ تاثر نہیں ہوا اور کون سی جہت تھی جس سے آپ سرسری گزر گئے۔ کسی نے کہا تھا خدا کہاں ہے۔ جواب دیا گیا کہاں نہیں"۔ اس شیخ کی بات کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔ زیادہ کہوں تو ڈرتا ہوں کہ کتاب المنقبت نہ سمجھ لی جائے۔ مجھ پر شرکِ خفی کا الزام نہ آجائے۔ مختصر کہوں تو کس کو بیان کروں کس کو چھوڑ دوں یا اتنا کہہ کر دامن چھڑا لوں کہ لا یعرف قدر الغزالی من جاء بعد الغزالی - الا ان یکون مثل الغزالی او فوق الغزالی -

میں نے کیا دیکھا کیا پایا۔ کہاں کہاں متاثر ہوا۔ محاسن و کمالات کی ضوفشانی۔ خیرگیٔ چشم کا سبب جہاں ہو اور تنگیٔ داماں کی تحدید جب حائل ہو جائے تو یہ کم نظر دیکھ ہی کیا سکتا ہے۔ کیا پایا۔ کان را کہ "خبر شد" "خبرش باز نیامد" یہی نفسیاتی حکمت کا ایک اہم باب ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تو ہے۔ "من عرف اللہ کل لسانہ"۔ دوسری جگہ فرمایا من عرف اللہ طال لسانہ" ظاہر ہے نصوص میں تعارض ہو ہی نہیں سکتا۔ دونوں صحیح وجہ تطبیقِ محقق۔ کیا پایا کی خبر دوں تو "خبر شد" کا معاملہ اشتباہ میں پڑ جائے۔ نہ دوں تو ادعاء "خبر شد" کی بدگمانی یقینی۔ بس اتنا ہی کہہ کر آگے بڑھ جاؤں کہ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں　　　بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

گل اور صبا ہی اس سے عاجز رہے تو مجھ سے کم ذوق ضعیف و خفیف المدارک کی توضاعت ہی کیا ہے۔ خواب اور افسانہ کی سی بات رہ گئی۔ ادھورے سے نقوش چھوڑ گئی۔ کسی عیسائی نے تاج محل دیکھا پوچھا گیا کہ کیسا پایا، صرف ایک جملہ کہا۔ تاج محل کیسا دیکھا "بس سنگ مرمر کا ایک خواب" خواب کا استغراق لطیف تعبیر ہے بھرپور چھا جانے والی۔ یہ ظاہری ہے۔ بہر کیف میرے ادھورے نقوش کیا ہیں۔ اجمالاً کہتا ہوں . . . اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کیا تم نے ابن عباس ابن مسعود اعمش مکحول، سعید ابن مسیب، طحاوی، بیہقی۔ ابن ماجہ، ابن مبارک، ابن جوزی کو دیکھا ہے۔ ابن عساکر شعرانی غزالی رازی کو دیکھا ہے۔ طاہر مدنی کردی اور ولی اللہ دہلوی کی زیارت کی ہے تو استعارہ کر کے بحلف کہہ سکتا ہوں کہ ہاں دیکھا ہے اور میں اس قسم میں حانث نہ ہوں گا کہ میں نے ایسی شخصیت کو دیکھا ہے جس میں ان آحاد امت کے علوم و کمالات اور تبحر و تورع کا پورا عکس موجود تھا۔

اس حبر جلیل کے یہاں کیا ملتا تھا۔ بصائر و حکم، معرفت امر و خلق، حقوق کا اہتمام۔ فرائض کی شناخت، مال کے مصارف و مداخل میں احتیاط، معاملات و معاشرہ میں حدود کی رعایت، سنت اللہ و عادت اللہ کی خبر، ایام اللہ اور آلار اللہ پر نظر[1] اس کی عالیانہ الوہیت و عظمت، اپنی عاجزانہ حیثیت و عبدیت کا استحضار۔ اور بنازے عجبے من بہ نیازے عجبے کا مکمل مرقع۔

یہاں کشوف و کرامات کی باتیں کم سے کم تر، علوم و معارف اور اقدار و حقائق بیشتر۔ یہاں محمد ابن حزم الظاہری المحدث کا رنگ بھی نظر آتا تھا اور ابن عربی کا بھی۔ ابو حنیفہ کا قیاس و اجتہاد بوضوح حجت و بیان بھی محسوس ہوتا تھا اور بخاری کا ضبطِ واقعات صحت فکر اور صرف درایت بھی جوہر طبیعت شبیہہ باستعداد نبوت کے امارات بھی تھے اور تقلید و انفعالیت صدیقیت۔ داعیۂ نبوت کو پوری طرح ہضم و جذب و ضم کی صلاحیتیں بھی (القیت فی صدر ابی بکر ما القی اللہ فی صدری ضعیف روایۃ ہی سہی) معناً قوی ہے۔ دینی امامت کا مقام بھی میسر تھا۔ سیاسی قیادت کی معرفت بھی۔ ظہور و اقدام کے لئے مساعدت احوال بہر کیف شرط ہے۔ اس کا

---

[1] مکاسب و مواہب کی تمیز، مقام و حال کی معرفت، تہذیب و اخلاق و اقفیت احوال، رزائل و مکارم کی حدود۔

کا فقدان ۱۳۰۶ھ ہی سے مشاہد ہے۔ اسی لئے شاہ ولی اللہ قدس سرہ کو اس قیادت یا امارت و امامت کی تفریق و تقسیم ظاہری و باطنی کرنی پڑی لاصحاب الخلافۃ الظاهرۃ اسوۃ حسنۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما سن فی ھذا الباب اعنی المعنین باقامۃ الحدود واعداد ادوات الجهاد وسد الثغور و اجازۃ الوفود۔ الخ ولاصحاب الخلافۃ الباطنۃ ایضاً.... اعنی المعنین بتعلیم الشرائع والقراٰن والسنن الاٰمرین بالمعروف والناھین عن المنکر والذین یحصل بکلامھم نصرۃ الدین۔ الخ

یہ اس لئے کہ احوال کے جبر و اضطرار نے امامتِ دینی و قیادتِ سیاسی کا مجال الگ الگ کر دیا تھا حالانکہ خلافت راشدہ میں یہ شخصِ واحد میں مجتمع ہوتی تھیں۔ خلفاء راشدین دونوں کے بیک وقت جامع ہوتے تھے۔

بہر حال حضرت اقدس کی تھوڑی سی صحبت ارشادات تصانیف ملفوظات سے مجھ سا کم ذوق جو کچھ سمجھ سکا اور متاثر ہوا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ——————

حضرت بیک وقت جامع تھے۔ علم و عمل میں صحت اور حق و راستی کی معرفت کے دیانت و سیاست اور امامت و عدالت کے، خلوت و جلوت اور اتقان فی العلم والعمل کے استقلال فکر اور جمعیت باطن کے تمامی فکر و ذکر و ذوق میں معتدل معیاری متوازن نظم و ضبط کے یہ مزاج تکوینی امور میں بھی ظاہر ہوتا تھا۔ اور تشریعی علوم میں بھی۔ معاملات و معاشرت میں بھی۔ حقوق و اخلاق داخلی و خارجی میں بھی تبلیغ و تذکیر میں بھی۔ تعلیم و تربیت میں بھی حتیٰ کہ روزمرہ کی باتوں اور لطائف میں بھی۔ طبعاً موزوں و موزونیت پسند تھے۔

لطیفہ کی بات یاد آئی کسی نے لکھا کہ حضرت اپنے لئے بہت خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ فرمایا ماشاء اللہ خطرہ تو بحرِ معرفت کا قطرہ ہے۔ پاس بیٹھے ہوئے کسی شخص نے گریبان پر کھٹمل چلتا ہوا دیکھ کر کہا، حضرت یہ کھٹمل۔ فرمایا جھٹ مل۔ وضو سے فارغ ہوئے خادم سے فرمایا اندر سے رومال لاؤ۔

اس نے کہا حضرت یہاں تو رومال ہے نہیں تولیہ ہے فرمایا تو لیا۔ لوگ اپنے احوال لکھتے اکثر سوال ہوتا اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اختیاری ہے تو اختیار سے ترک کر دو۔ اضطراری ہے تو التفات مت کرو۔

بعض لوگوں کو حضرت کی اخلاقی حدت و شدت کی شکایت تھی مگر میں نے تو حضرت کو بے محل سختی برتتے نہیں دیکھا جہاں ناراض ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ واقعی یہ ناراضگی اور سختی ہی کا محل ہے یہاں اگر نرمی برتی جاتی تو یقیناً وہ یا تو رافت فی دین اللہ کی سی چیز ہوتی یا تدبیر و نتائج کے لحاظ سے مضر ثابت ہوتی۔ درحقیقت اخلاق کے متعلق لوگوں کا ذہن صاف نہیں وہ ظاہری نیت اور عفو، تبسم سے بات۔ مداراتِ مہمان، اسی میں اخلاق کو منحصر کرتے ہیں۔ حالانکہ اخلاق وسیع معنی میں تادیب، زدوکوب اور قصاص و حدود میں قتل و تعزیر اور تمامی جہات فکر و عمل میں مناسب عمل و ردِ عمل پر بھی محیط ہے۔ ان المکارم اخلاقٌ مطهرة۔ فالعقل اولها والعلم ثانيها والدين ثالثها والبر رابعها۔ والعرف خامسها والجود سادسها۔ محض نرمی و رواداری مطلقاً اور عفو و درگذر اخلاق نہیں بلکہ بعض جگہ بداخلاقی ہے۔

مسیحی نرم اخلاق کے خلاف نیٹشے نے اسی طرح بغاوت کی ہے جس طرح ترک و تجرید و رہبانیت کے خلاف پروٹسٹنٹ طبقہ نے کی کیونکہ دونوں غیر فطری غیر معتدل اور غیر متوازن ہیں اخلاق کی معرفت کے لئے، سوہائے نبوت موجود ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف گوشے سامنے ہیں۔ وہی اخلاق و سیرت ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ عجیب لفظ فرمایا جو اخلاق کی معرفت اور جانچ میں کس قدر معین ہے فرمایا (اخلاق خلق مع اصنافِ خلق) یعنی اصنافِ خلق سامنے رکھ کر اخلاقِ خلق کا فیصلہ کیجئے اور انک لعلی خلق عظیم کی تصدیق کیجئے، ہمارا پورا دین ہی التعظيم لامر الله والشفقة على خلق الله ہے۔ ایک موقعہ پر حضرت نے فرمایا کہ ہمارا یہ سلوک بس یہی۔ رسوخ فی الذکر اور تہذیبِ اخلاق۔ اسی کے منتہا پر ہمارا سلوک متعارفہ تمام ہو جاتا ہے" اور بہترین اخلاق نامہ ہے، قرآن اور حضرت عائشہؓ صدیقہ کے الفاظ ہیں۔ کان

خلقہ القرآن۔ گویا قرآن کی تمام آیات اخلاق وسیرتِ نبوی ہی کے مختلف گوشے ہیں اور اخلاقِ نبوی کے تمام گوشے قرآن مقدس ہی کے عملی پہلو ہیں۔ قرآن میں جو قال ہے ذاتِ نبوی میں وہ حال ہے۔ انطباق تفصیلاً سامنے رکھئے اور قرآن پڑھیئے۔

قرآن میں جو ذات وصفات کی آیات ہیں اخلاق وسیرت میں وہ رسول اللہ کے عقائد ہیں۔ عقیدہ ہی پہلا اخلاق بلکہ اساس اخلاق ہے۔ قرآن میں جو احکام کی آیات ہیں اخلاقِ نبوی میں وہ آپ کے اعمال ہیں نیت وارادہ بھی عمل ہے چہ جائیکہ واضح عمل۔ قرآن میں جو معاملات کی آیات ہیں سیرت نبوی میں وہ آپ کی حسن معاشرت ہے۔ قرآن میں جو اخلاق کی آیات ہیں سیرت میں وہ آپ کا حسن معیشت ہے۔ توجہ الی اللہ کی آیات، آپ کی خلوت ہے۔ تربیت خلق اللہ کی آیات آپ کی جلوت ہے۔ قصص کی آیات آپ کی عبرت ہے۔ تذکیر کی آیات، آپ کی موعظت ہے۔ قہر وغلبہ کی آیات۔ آپ کا جلال ہے مہر ورحمت کی آیات آپ کا جمال ہے۔ ________________

نفی غیر کی آیات آپ کی فنائیت ہے۔ اثباتِ حق کی آیات آپ کی بقائیت ہے۔ حدود وجہاد کی آیات آپ کا بغض فی اللہ ہے۔ رحم وکرم کی آیات آپ کا حب فی اللہ ہے۔ تجلیات حق کی آیات آپ کا مشاہدہ ہے۔ ابتغاء وجہ اللہ کی آیات آپ کا مراقبہ ہے۔ تنفیذ اوامر کی آیات آپ کی خلافت ونیابت ہے۔ عذاب ونار کی آیات آپ کا خوف ہے۔ نعیم کی آیات آپ کا شوق ہے۔ انا کی آیات آپ کا شہود ہے۔ ہو کی آیات آپ کی غیبت ہے۔ انتقام کی آیات آپ کا حزن ورضا ہے

پورے قرآن کو اس طرح دیکھئے تو وہ اخلاق نبوی ہے۔ اخلاق نبوی کو دیکھئے تو وہ قرانِ مقدس ہی ہے ایک علمی قرآن ہے ایک عملی قرآن۔

اسی لئے تو حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ کیا کافر کے بھی اخلاق ہوتے ہیں۔ کس قدر وسعت اور گہرائی ہے اس جملہ میں۔ حضرت مولانا الیاسؒ امیر جماعت تبلیغ دہلوی نے فرمایا کہ اخلاق جب تک نبوت کے قدموں تلے نہ آجائیں اخلاق نہیں، صورتِ اخلاق ہے۔ اسم واسمِ محض ہے۔

حضرت اشرف العلماء علاؒ اس کا مطالبہ اپنے خدام سے فرماتے تھے مگر ذہنی تعامی اس

کی یافت سے محروم ہو کر معترض ہوتی تھی۔ میں نے بچپن میں حضرت مولانا سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت النبیؐ دیکھی تو میری سمجھ میں نہیں آئی بھلا یہ بھی کوئی سیرت ہے یہ تو قرآن کی تفسیر ہے آج بات سمجھ میں آئی کہ قرآن ہی تو سیرت النبیؐ ہے اور سیرت النبیؐ ہی تو تفسیر قرآن ہے۔ آپ کا سوال کہ حضرت تھانوی کے کس پہلوئے حیات سے متاثر ہوئے کیا کہوں کہ کون سا پہلو محل تاثر نہ تھا اور کس کس سے متاثر نہ ہوا۔ پوری زندگی موثرات کی طویل فہرست ہے۔ عجیب جامعیت کبریٰ تھی۔

کسی نے حضرت امام مزنیؒ سے پوچھا۔ ما تقول فی ابی حنیفہ ؟ قال سید ھم۔ ما تقول فی ابی یوسف ؟ قال اتبعھم للحدیث۔ ما تقول فی امام محمد ؟ قال اکثرھم تفریعاً۔ ما تقول فی امام زفر ؟ قال احسنھم قیاساً۔ حضرت کی تصانیف اس کی شاہد ہیں کہ یہ سب شیون اس شیخ میں جمع تھیں۔ تفصیل و تعینات کی اس مختصر میں گنجائش نہیں

ابن مہدی نے فرمایا میں نے سفیان ثوری کو امیر المومنین فی الحدیث پایا۔ ابن عینیہ کو امیر العلماء ابن مبارک کو صراف الحدیث، یحییٰ ابن سعید کو قاضی العلماء، ابوحنیفہ کو قاضی القضاۃ العلماء۔ حضرت کی تصانیف بیان القرآن، التکشف، السنۃ الجلیہ فی الجبیہ، العلیہ، تنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی اطفار الفتن، موخرۃ الظنون، الادراک والتواصل فی حقیقۃ الاشراک والتوسل۔ حوادث الفتاویٰ، تربیت السالک، اعلاء السنن۔ ۲۰ جلدیں ۱۱ شائع ہو چکی ہیں، جامع الآثار وغیرہ۔ مولفات سے اہل علم کا بیان ہے کہ ایسی ہی جامعیت واختصاص متبادر ہوتا ہے۔ یہ شیخ اللہ کی ایک عظیم نعمت تھا چالیس پچاس برس تک مسند ارشاد و تذکیر پر متمکن رہے۔ ان کے اصلاحی تجدیدی مساعی کا انکار کوئی معاند ہی کر سکتا ہے۔ ان کے مواعظ حسنہ ملفوظات طیبہ سے کتنے قلوب جگمگا اٹھے۔ عوام وخواص، علماء وصوفیا سب ہی نے استفاضہ کیا۔ تصوف کو ایسا منقسم کیا کہ مقاصد ذرائع توابع موانع کو تمیز کر کے دکھلا دیا۔ اختیار بے اختیار نے عمل و استعمال کی آدھی مشکلات کو حل کر دیا جہاں صوفیا نے مقاصد کو وسائل اور وسائل کو مقاصد کی جگہ دیدی تھی۔ حال و مقام کو مشتبہ کر ڈالا تھا۔ آپ نے

اتنا کیا تھا آپ نے آساں طریق کو
دشواریوں کو راہ کی منزل بنا دیا

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کا ارشاد ہے (صوفیا کے علوم ہیں احوال۔ احوال ہیں میراثِ اعمال۔ اعمال ہیں موقوف علی العلم۔ علم ہے دو مجاہدوں کے درمیان۔ ایک تحصیلِ علم، ایک استعمالِ علم) کانوا یتعلمون الھدیٰ کما یتعلمون العلم۔ یہ سلفِ صالحین کا عمل ہے کہ جس طرح وہ علم سیکھتے ہیں اسی طرح اس کا استعمال بھی سیکھتے ہیں۔ حضرت نے ایک جگہ اسے نقل فرما کر وضاحت فرمائی کہ دیکھو صوفیار کے علوم کی حیثیت صرف احوال ہیں مقامات نہیں۔ احوال عمل کے بغیر نہیں پیدا ہوتے اور عمل بغیر علم کے ممکن نہیں اور علم کے لئے تحصیل تو شرط ہے ہی۔ استعمال (تربیت گویا ٹریننگ بھی ضروری ہے۔ گویا نرے صوفیار تو اپنے علم پر نازاں نہ ہوں کہ وہ صرف احوال ہیں مقامات نہیں اور نرے عالم اپنے علم پر فخر نہ کریں کہ نرا علم بلا استعمال کچھ نہیں۔ علم کا ثمر خشیت ہے خشیت کا تقاضا طاعت، طاعت متقاضی شرع وطریق۔

آخری حاضری کی بات یاد ہے مکان پر تشریف فرما تھے۔ بعد مغرب کا وقت تھا۔ اندریاد فرمایا بر سبیل تذکرہ فرمایا "کیا کہوں کہنے کی بات نہیں بغیر گویا چارہ بھی نہیں کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کو بڑوں بڑوں نے بھی نہیں پہچانا۔ محض علمی عینک سے دیکھا" میں نے دل میں کہا کہ آپکو کتنوں نے پہچانا۔ واقعی پہچان کی بات کتنی مشکل ہے۔

اجازت کے متعلق یوں ہوا کہ دفعتاً ایک روز والا نامہ صادر ہوا مختصر تحریری کارڈ "میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ اپنی معلومات دینیہ سے خلق اللہ کو افادہ فرمائیں۔ اپنی مجلس کو ذکر اللہ سے معمور رکھیں۔ ایسی جماعت کا لقب مجاز صحبت رکھتا ہوں آپ کو بھی توکلا علی اللہ اجازت دے رہا ہوں۔ میں نے جواب میں اپنی کمزوریاں لکھیں۔ جواب آیا میں بھی ان احتمالات سے فارغ نہیں۔

مولانا محمد جلیل

مجازِ صحبت

میرے والد شیخ محمد ولی جان صاحب اعظم گڑھ میں وکالت کرتے تھے یہیں میری پیدائش ۱۰ فروری ۱۸۹۷ء میں ہوئی۔ والد صاحب نے وکیل ہائی کورٹ کا امتحان جو ایل ایل بی سے قبل رائج تھا پاس کر کے شہر اعظم گڑھ میں وکالت شروع کی اور بہت جلد ترقی کر کے دیوانی اور فوجداری کے چوٹی کے ممتاز وکیلوں میں شمار ہونے لگے۔ آپ پیشہ میں بہت ہی ذہین تھے خصوصاً فوجداری کا کام اعلیٰ پیمانہ پر کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کا کام بہت ہمدردی سے کیا کرتے تھے اور فرقہ وارانہ مقدمات میں نہایت دل چسپی سے مسلمانوں کی طرف سے پیروی کیا کرتے تھے اور غریب مسلمانوں کے مقدمات کی بلا فیس پیروی کیا کرتے۔

مَیں نے اپنے پیدائش کے موضع ہی میں قرآن مجید ختم کیا۔ اس کے بعد شہر اعظم گڑھ میں انگریزی پڑھنا شروع کی۔ نیشنل ہائی سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اسی دوران میں فارسی بھی پڑھتا رہا۔ میرے ابتدائی استاد فارسی اعظم گڑھ کے مولوی دین محمد صاحب ذاکر و شاغل تھے۔ ایک اور استاد مولانا فیاض علی صاحب کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ وہ سالانہ گرمیوں کی تعطیل کی تنخواہ نہیں لیا کرتے تھے کیونکہ وہ تعطیل میں کام نہیں کرتے تھے گو وہ مستقل استاد تھے۔

اس کے بعد میں الہ آباد چلا گیا اور وہاں یونیورسٹی سکول آف لا سے ایل ایل بی کے بعد والد صاحب کے ساتھ وکالت شروع کی مگر وکالت میں میرا دل نہیں لگتا تھا چنانچہ میں نے الہ آباد ہائی کورٹ میں

منصفی کے لئے درخواست دے دی اور دسمبر ۱۹۲۳ء میں میرا انتخاب بہ عہدہ منصف ہوگیا۔ فروری ۱۹۲۵ء میں منصف ہو کر پہلے فرخ آباد تعینات ہوا۔ وہاں ایک بزرگ ایک مسجد میں مقیم تھے ان سے احقر اکثر نیاز حاصل کرتا رہا۔ اس کے بعد احقر باندہ فرخ آباد گورکھپور بانس گاؤں اور جون پور میں اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ جونپور میں دوران قیام ڈپٹی علی سجاد صاحب اور ڈاکٹر عبد الحئی صاحب کی صحبت میں حضرت تھانوی کا ذکر اکثر ہوتا رہتا تھا۔ ادھر احقر کے پاس حاجی عبدالستار صاحب خادم خاص حضرت تھانوی اکثر آتے رہتے اور زور دیتے رہتے تھے کہ تھانہ بھون چلو مگر احقر ٹالتا رہا۔ میرے خسر صاحب حضرت تھانوی کے عقیدت مندوں میں تھے اور ان ہی کی درخواست پر حضرت تھانوی ضلع اعظم گڑھ میں تشریف لائے تو میرے سسرال میں تشریف لے گئے تھے۔ میں پہلے پابند شریعت نہ تھا اور داڑھی بھی نہ رکھی تھی۔ میرے گھر میں برابر کہتی رہتی تھیں کہ داڑھی رکھو مگر میں ٹالتا رہا۔ احقر مولانا عبدالغنی صاحب (مجاز بیعت حضرت تھانوی) سے اکثر ملتا رہتا تھا۔ آخر کار جہاں تک یاد ہے جون ۱۹۳۲ء میں مولانا عبدالغنی صاحب سے اعظم گڑھ میں عرض کیا کہ داڑھی رکھنے کو جی چاہتا ہے اور حضرت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہونے کی خواہش ہو رہی ہے دعا فرمادیں کہ حضرت تھانوی بیعت فرمالیں۔ مولانا نے فرمایا کہ تھانہ بھون چلے جاؤ میں دعا کرتا ہوں۔

جب میں تعطیل میں جون پور سے واپس آیا تو مجھے بخار آگیا۔ داڑھی بڑھ گئی۔ میری بیوی نے کہا کہ تمہاری داڑھی بڑھ گئی ہے۔ آئینہ منگوایا اور دکھا کر کہا کہ اب یہ داڑھی نہ تراشیں۔ فوراً بعد رخصت لے کر تھانہ بھون روانہ ہوا۔ حضرت کو اطلاع دے دی تھی مگر غرض سفر نہیں لکھا تھا۔ تھانہ بھون پہنچ کر تین چار روز قیام کیا۔ پھر حاجی عبدالستار صاحب کی معرفت حضرت سے عرض کیا کہ بیعت فرما لیں۔ آپ نے بلا کسی تامل کے بیعت فرمالیا۔ احقر کی حضرت تھانوی سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ احقر کا گمان غالب ہے کہ والد صاحب پر جو بزرگوں کی نظر پڑی ان کی اسلامی ہمدردی۔ خسر صاحب کی پارسا زندگی اور دعائیں ڈپٹی علی سجاد صاحب اور ڈاکٹر عبدالحئی صاحب کی صحبت، مولانا عبدالغنی صاحب کی دعائیں اور حاجی عبدالستار صاحب کی بے غرض محبت نے احقر کا کام بنا دیا اور احقر کو تھانہ بھون پہنچا دیا

اس کے بعد بارہا تھانہ بھون حاضر ہوا۔ خصوصاً دیوبند سے جہاں یہ احقر بعہدہ منصفی چار سال تک رہا۔ بے شمار مرتبہ تھانہ بھون حاضر ہوا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی حضوری احقر کو بہت ہوتی تھی۔ قلباً محسوس کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت دیکھ رہا ہوں جس پر خلافت عطا ہوئی۔

حضرت والا کی تعلیم۔ خوش معاملگی اور یہ امر کہ غیر ضروری تعلقات نہ رکھے جائیں۔ احقر پر بہت اثر کیا۔ آخری زیارت جو حضرت مرشدی تھانوی احقر کو نصیب ہوئی وہ وفات سے ۲ دن قبل ہوئی اس وقت حضرت والا پر استغراقی کیفیت رہتی تھی۔ احقر علالت کی خبر سن کر بغرض زیارت حاضر ہوا مگر کوئی خاص گفت گو نہ ہو سکی۔ تین روز قیام کر کے سہارن پور واپس آگیا۔ دوسرے ہی دن حضرت کی وفات کی اطلاع ملی۔

احقر بعد وفات حضرت مرشدی اپنی حالت کی اطلاع مولانا عبدالغنی پھولپوری کو کرتا رہا اور ان سے مشورہ اور ان کی تعلیمات پر عمل کرتا رہا۔ بالآخر مولانا عبدالغنی صاحب نے اس ناکارہ کو مجاز بیعت کے اعزاز سے نوازا۔

احقر حضرت تھانوی قدس سرہ کی زندگی کے ہر پہلو سے بے حد متاثر ہوا۔ حضرت والا کی نظر کامل توحید پر تھی کہ سوائے خدا کے کسی پر کسی معاملہ میں نظر نہ رکھی جاوے۔ حضرت والا کے یہاں حقوق العباد اور صفائی معاملات کا خاص اہتمام تھا اور یہ کہ کسی پر کسی قسم کی گرانی نہ ہونے دی جائے اور پوری تعلیم دیانت داری کی تھی اور اس بات پر زور دیتے تھے کہ کسی سے کوئی امید نہ رکھی جائے اور مخلوق سے زیادہ تعلق نہ رکھا جائے۔ ان سب باتوں نے میرے دل میں گھر کر لیا اور میں شروع ہی سے متاثر ہو کر آیا اور مجھے حضرت والا سے بہت محبت ہو گئی۔ اتنی محبت نہ والدین سے رہی اور نہ کسی اور سے۔ یہ سب فیوض و برکات تھے جو بزرگوں کے طفیل نصیب ہوئے۔

حضرت تھانوی سے تعلق کے بعد کیا بتاؤں زندگی میں کیا تبدیلی پیدا ہوئی۔ حضرت والا نے تو ایک نظر میں مجھے بدل ڈالا۔ آپ کی ایک نظر نے کیمیا کا اثر کیا۔ تھانہ بھون سے واپسی پر میں سہارنپور میں اپنے دوست جناب الیاس احمد منصف سہارن پور کا مہمان ہوا جس کمرہ میں انہوں نے مجھے

ٹھہرایا اس میں تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ جب میں نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو تمام تصویروں کو الٹ دیا جب صبح کو انہوں نے تصویریں الٹی دیکھیں تو مجھے کہا کہ جلیل بھائی کیا تھانہ بھون کی ایک ہی نظر کام کر گئی۔ میں نے کہا ہاں حضرت کی نظر ہی ایسی ہے۔ اس کے بعد انگریزی لباس بالکل ترک کر دیا اور تا پنشن اپنا لباس شیروانی و مخملی ٹوپی و مخملی سلیم شاہی جوتہ رکھا۔ تمام غیر مذہبی سوسائٹی بالکل ترک کر دی۔ خصوصاً ایسے مسلمانوں کی صحبت بالکل چھوڑ دی جو پابند شریعت نہ تھے۔ میرے قلب میں حضرت والا کی برکت سے بہت قوت ہونے لگی۔ بالآخر میں نے اپنے لڑکے محمد شعیب مرحوم جو کہ اس وقت انگریزی پڑھتے تھے انگریزی تعلیم ترک کرا دی اور گھر والوں کی سخت مخالفت کے باوجود عربی پڑھانا شروع کیا۔ دیوبند میں جب یہ احقر منصف تھا وہیں اس لڑکے کا طالب علمی کے دوران ہی انتقال ہو گیا

حضرت تھانوی کی عنایات کا میں کیا نقشہ کھینچوں۔ حضرت والا اس احقر کے لئے سراپا عنایت اور کرم تھے اور برابر فرماتے تھے کہ تم تو میرے لئے میرے گھر والوں کی طرح ہو۔ جب کبھی میں تھانہ بھون سے حضرت والا کی زیارت کے بعد واپس آتا تھا۔ بادل نخواستہ روتا ہوا آتا تھا۔ حضرت والا کی وفات کے بعد برسوں روتا رہا۔ اب بھی جب یاد آ جاتی ہے تو بلا آنسو نکلے آنکھیں نہیں رکتی ہیں۔

مفتی حمید حسن

مجازِ صحبت

میری تاریخ پیدائش ۷، مارچ ۱۹۰۶ئہ ہے۔ قرآن پاک ناظرہ پڑھ کر مڈل سکول میں درجہ چہارم تک اردو پڑھی۔ میرے دادا حکیم محمد حسن صاحب جو مولانا محمد قاسم نانوتوی سے بیعت تھے ان کو یہ تعلیم پسند نہیں تھی۔ میرے والد سید حسن صاحب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم سے پہلے جب تمہارا بڑا بھائی پیدا ہوا تو میں آپ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوا اور آپ سے نام تجویز کرنے کی درخواست کی انہوں نے حمید حسن نام تجویز کیا۔ مگر عجیب بات ہے کہ اس کو سب لوگ حمید حسن کی بجائے طبیب حسن کے نام سے پکارتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد والد صاحب جب گنگوہ گئے تو عرض کیا کہ حضرت سب لوگ لڑکے کو طبیب حسن کہتے ہیں حمید حسن کوئی نہیں کہتا۔ یہ سن کر حضرت نے آنکھیں بند کر لیں سر جھکایا اور فوراً بعد ارشاد فرمایا کہ اب جو لڑکا ہوگا اس کا نام حمید حسن رکھنا۔

ایک دن جب کہ میں سکول جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ میرے دادا صاحب نے فرمایا کہ بس اب سکول مت جانا اور فارسی خانہ میں مولانا محمد یٰسین صاحب کے سپرد کر دیا۔ گلستان بوستان تک تعلیم حاصل کی پھر والد صاحب نے میرٹھ بلا لیا۔ مدرسہ عالیہ کنبوہ دروازہ میں مولانا ریاض الدین صاحب سے عربی پڑھنی شروع کی۔ دو تین ماہ تک مولانا عاشق الٰہی صاحب سے پڑھتا رہا پھر مولانا عبدالمومن صاحب دیو بندی کے سپرد کر دیا گیا۔ پانچ شوال ۱۳۴۲ھ کو دیو بند دار العلوم میں داخلہ لیا۔ چار سال کے بعد فارغ ہوا اس کے بعد چند سال دار العلوم میں معین المدرس رہا۔

۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۴۶ھ کو حضرت قدس سرہٗ نے بیعت کیا۔ ویسے تو مجھے حضرت کے مواعظ پڑھنے کا طالب علمی کے زمانے سے ہی بے حد شوق تھا اور رسالہ النور بھی جاری کرا رکھا تھا۔ بیعت ہونے کے بعد اکثر حاضر ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ حضرت والا کی خدمت میں بیس دن کے واسطے حاضر ہوا۔ حضرت کی خانقاہ میں صدر مدرس کی جگہ خالی تھی۔ آپ نے مولانا شبیر علی صاحب کی معرفت فرمایا کہ خانقاہ کے مدرسہ میں ایک مدرس کی ضرورت ہے تنخواہ ۲۵ روپیہ ہے اگر تمہیں پسند ہو اور کوئی عذر نہ ہو تو تمہارا تقرر کر دیا جائے۔ یہ بھی فرمایا کہ حضرت کا تمہیں مدرس رکھنے کو جی چاہتا ہے۔ میں نے عرض کیا یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ اللہ نے مجھے حضرت کی خدمت میں رہنے کا موقع عطا کیا ہے میں نے فوراً قبول کر کے کام شروع کر دیا۔ حضرت بہت خوش ہوئے تقریباً تین سال خدمت کی تھی کہ قصبہ جلال آباد سے نواب اسمٰعیل خاں صاحب وغیرہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم مدرسہ کھولنا چاہتے ہیں اور حضرت کی خانقاہ سے مدرس چاہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں کسی مدرس کو مجبور تو نہیں کروں گا۔ آپ لوگ سب مدرسوں کے پاس بیٹھ کر ان کی تعلیم دیکھیں پھر جس کو آپ لوگ پسند کریں گے مجھے کہہ دینا میں ان سے دریافت کر لوں گا۔ چنانچہ یہ سب ہر مدرس کے پاس تھوڑی دیر بیٹھے میرے پاس بھی آئے۔ میں اس وقت قدوری کا سبق پڑھا رہا تھا۔ یہ اُٹھ کر حضرت کی خدمت میں گئے اور میرے متعلق عرض کیا کہ ہم نے ان کو پسند کیا ہے اور ہم ان کو ۳۵ روپیہ تنخواہ دیں گے۔ حضرت نے طلب کیا اور فرمایا کہ جلال آباد والوں سے خاص تعلقات ہیں اور وہ تمہیں ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ تنخواہ میں بھی اضافہ کرتے ہیں اور جگہ بھی کچھ دور نہیں اگر تمہیں پسند ہو تو قبول کر لو انشاء اللہ اسمیں بہتری ہوگی میں بھی وہاں کیلئے تمہیں پسند کرتا ہوں۔ میں نے حضرت کی خوشنودی کے لئے قبول کر لیا۔ پانچ سال وہاں پڑھاتا رہا۔ مدرسہ مفتاح العلوم حضرت والا کی سرپرستی میں چلتا رہا۔ ایک مرتبہ حضرت والا مدرسہ دیکھنے کے لئے تشریف لائے۔ بچوں کا قرآن سنا جو خادم نے تجوید کے ساتھ پڑھایا تھا۔ سن کر بہت خوش ہوئے اور مدرسہ کی ترقی کے لئے دعا فرمائی۔ اس کے بعد ریاست مالیر کوٹلہ کے چیف منسٹر جمیل احمد خاں صاحب نے حضرت کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ ریاست

کے لئے مفتی تجویز فرمادیں ۔ حضرت نے فرمایا مالیر کوٹلہ میں ہمیشہ اپنی جماعت کا مفتی رہا ہے پہلے مولانا صدیق احمد صاحب (حضرت گنگوہی کے مجاز) مفتی تھے ۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی ہی جماعت کا کوئی مفتی جائے ۔ مَیں سامنے بیٹھا تھا حضرت نے فرمایا میں ان کا انتخاب کرتا ہوں ۔ مجھ سے فرمایا کہ تم جا کر دیکھ آؤ اگر پسند ہو اور تمہارا وہاں جی لگے تو قبول کر لینا ورنہ تمہیں اختیار ہے واپس آ جانا ۔ مَیں نے قبول کر لیا اور ، مئی ۱۹۳۷ء کو میرا تقرر بعہدہ مفتی ریاست منظور کیا گیا ۔ مَیں ایک ہفتہ کی ریاست سے رخصت لے کر تھانہ بھون حاضر ہوا اور سب حالات سنائے ۔ حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے چلے جاؤ اور چلتے وقت فرمایا اتنا خیال رکھنا کہ کسی فرقہ کے متعلق کچھ نہ کہنا بس اپنا وعظ جمعہ کو کہہ دیا کرنا ۔

تھانہ بھون میں جب مدرس ہو گیا تو اپنے امراض کا علاج حضرت والا سے کراتا رہا ۔ ہر جمعرات کو ایک عریضہ اپنے حالات و معمولات کا لکھ کر خانقاہ کے لیٹر بکس میں ڈال دیتا تھا ۔ حضرت صبح کو جواب لکھ کر نیاز کے ہاتھ میرے پاس بھیج دیتے ۔ سالکوں کو اس راہ میں جو حالات پیش آتے وہ مجھے بھی آئے کبھی قبض کبھی بسط مگر حضرت والا کو خبر دینے کی دیر ہوتی تھی کہ سب حال ٹھیک ہو جاتا تھا ۔ حضرت کا ارشاد اندھیرے میں شمع کا کام دیتا تھا میں نا اہل تھا مگر حضرت کی شفقت میرے حال پر بے حد تھی ۔ ایک دن احقر سے فرمایا کہ تمہارے اندر بھی ایک بات مولانا یعقوب جیسی ہے وہ سادگی ہے ۔ فرمایا کہ مولانا یعقوب صاحب ایک مرتبہ گنگوہ مولانا رشید احمد کی خدمت میں اس وقت پہنچے کہ مولانا کھانا کھا کر اٹھنے والے تھے ۔ کچھ روٹی کے ٹکڑے ہاتھ میں تھے ۔ مولانا نے پوچھا کہ کھانا کھایا ہے یا نہیں ۔ مولانا یعقوب صاحب نے عرض کیا کہ ابھی نہیں کھایا تو آپ نے وہی روٹی کا ٹکڑا ان کو دے کر فرمایا کہ شروع کریں اور کھانا لاتا ہوں ۔ انہوں نے ٹکڑا لے کر کھانا شروع کر دیا اور دیکھا کہ پاجامہ میں کمر بند کی جگہ رسی بندھی ہوئی ہے پوچھا کہ مولانا یہ رسی کیسی ؟ ۔ فرمایا کہ کمر بند نہیں ملا یہ رسی تھی تو مَیں نے سوچا کہ جو مقصد کمر بند سے حاصل ہوتا ہے وہ رسی سے بھی حاصل ہو جائے گا ۔ اس لئے رسی ڈال لی ۔ مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ وہ میرا پاجامہ پڑا ہے اس میں سے کمر بند نکال لیں ۔ مولانا

محمد یعقوب صاحب نے جب وہ کمر بند نکالا تو دیکھا کہ اس میں ایک روپیہ بھی بندھا ہوا ہے۔ عرض کیا کہ اس میں ایک روپیہ بندھا ہوا ہے۔ فرمایا وہ بھی آپ کی نذر ہے۔ انہوں نے وہ بھی بلا تکلف لے لیا کیسی سادگی تھی ان حضرات میں ذرا بھی تکلف نہ تھا۔

جلال آباد کے قیام میں حضرت والا بعض آدمیوں کو اصلاح و تعلیم کے لئے خادم کے پاس بھیج دیتے تھے۔ ان ہی دنوں میں جلال آباد کے تین آدمیوں نے تھانہ بھون حاضر ہو کر تحریری درخواست بیعت کے لئے پیش کی۔ حضرت نے فرمایا کہ تم وہیں مولوی صاحب سے بیعت کیوں نہیں ہوئے تمہیں تعلیم و تربیت میں بہت آسانی ہوگی۔ لاؤ تمہاری درخواست پر ان کو لکھ دوں کہ وہ تم کو بیعت کرلیں چنانچہ وہ حضرت کا فرمان لے کر میرے پاس آئے میں شش و پنج میں پڑ گیا کیونکہ اس وقت مجھے بیعت کرنے کی اجازت نہیں ہوئی تھی۔ احقر حضرت کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ حضرت نہ تو مجھے بیعت کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی مجھ میں اس کی اہلیت ہے۔ فرمایا اللہ اہل بھی کر دے گا۔ ان تینوں کے لئے خاص طور سے آپ کو بیعت کرنے کی اجازت ہے" حضرت والا کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے ان تینوں کو بیعت کرلیا۔ اس واقعہ کو تقریباً ہفتہ عشرہ گزرا ہوگا کہ صبح کو حضرت کا خادم عبدالستار ایک بند لفافہ حضرت کی طرف سے لایا۔ اس میں حضرت نے بیعت کرنے اور تعلیم و تلقین کی اجازت تحریر فرمائی تھی۔

مالیر کوٹلہ آنے کے بعد جب میں حاضر خدمت ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ پنجاب کے لوگوں کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے وہ آخر میں اس طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ وہ لوگ اگر بیعت ہونا چاہیں تو انکار نہ کرنا بیعت کر لیا کرو انشاء اللہ اصلاح ہوگی۔

مجھ نالائق پر حضرت کی بہت ہی شفقت تھی۔ دوپہر کو پنکھا کھینچنے پاؤں دبانے کی اجازت تھی میں اکثر دوپہر کو فرشی پنکھا کھینچتا تھا اور عصر کے بعد اگر تشریف رکھتے تھے تو اس وقت بھی حاضر ہوتا تھا۔ آپ کے انتقال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ عصر کے بعد کا وقت ہے آپ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو حسب معمول تکیہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ادھر آجاؤ

میں بیٹھ گیا اور دل میں یہ خیال کیا کہ آپ کا تو انتقال ہو گیا تھا۔ خیر میں نے آپ کے قریب ہو کر عرض کیا کہ آپ کا تو انتقال ہو گیا تھا وہاں کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا کہ ہماری پیشی ہوئی تھی۔ اللہ میاں دیکھ کر ہنسنے لگے ہم سے تو کچھ بھی نہیں پوچھا بس ہنس کر فرمایا کہ جاؤ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملو وہ یاد کر رہے ہیں۔ اس کے بعد بہت مرتبہ خواب میں زیارت ہوئی جب بھی مجھے کسی قسم کی پریشانی ہوئی آپ کو خواب میں دیکھا تسلی تشفی فرما دی۔ ایک مرتبہ طبیعت پر بہت بوجھ تھا قبض کی حالت تھی کہ رات کو دیکھا کہ آپ دار العلوم دیوبند کے اس کمرہ میں جہاں مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ رہا کرتے تھے درس دے رہے ہیں اور قبض و بسط کے متعلق تقریر فرما رہے ہیں وہ تقریر سن کر میری حالت ایک دم ٹھیک ہو گئی اور طبیعت پر بشاشت اور فرحت چھا گئی پھر کبھی ایسی شکایت نہیں ہوئی۔ آپ کی خدمت میں رہنے سے احقر کو آپ کے مزاج سے کچھ واقفیت ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے کبھی کوئی ایسی بات نہ کی جو آپ کے مزاج کے خلاف ہو یا ان کو تکلیف ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ اتنے بڑے عرصہ میں کبھی آپ نے خفگی نہیں فرمائی۔ آپ کو ان لوگوں سے تکلیف ہوتی تھی کہ جو غلطی کریں اور پھر تاویلیں کرنے لگیں۔

حضرت کی کرامت

آپ نے ایک شخص کو تعلیم کے لئے مولانا عبد المجید صاحب کے سپرد کیا اور یہ ہدایت کی کہ مولانا عبد المجید کی اجازت کے بغیر مجھ کو براہ راست خط نہ لکھنا۔ انہوں نے اس کے برعکس کیا اور خط خانقاہ کے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ صبح کو دریافت کیا کہ کیا تمہارے مصلح نے تمہیں خط لکھنے کی اجازت دی ہے۔ انہوں نے غلط بیانی کی کہ مجھے اجازت دے دی گئی ہے۔ مولانا عبد المجید صاحب بھی اس وقت خانقاہ میں موجود تھے۔ حضرت والا نے ان کو بلایا تو معلوم ہوا کہ انھوں نے جھوٹ بولا ہے اس پر آپ کو بے حد غصہ آیا اور ان کو خانقاہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہ صاحب اپنا سامان اکٹھا کرنے لگے۔ آپ دروازہ پر حوض کے پاس کھڑے فرما رہے تھے کہ چلو میرے سامنے نکلو۔ پھر آپ نے احقر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگ مجھے بدنام کرتے ہیں کہ بہت سخت ہے۔ ان کی حرکتوں کو کوئی نہیں

دیکھتا۔ اس وقت مَیں نے آپ کی یہ کرامت دیکھی کہ جب آپ اس شخص سے خطاب فرماتے تو چہرہ پر غصہ کے آثار پیدا ہوتے۔ آواز میں بھی غصہ ہوتا اور جب میری طرف دیکھتے اور خطاب کرتے تو بہت نرم لہجہ میں مسکراہٹ کے ساتھ تاکہ اس کی وجہ سے دوسرے کی حق تلفی نہ ہو مَیں حیران تھا کہ حضرت ایک وقت میں کس طرح اجتماع ضدین کر رہے ہیں۔ احقر نے آپ کے یہاں حقوق العباد کی ادائگی کا اس قدر اہتمام دیکھا ہے کہ جس کو بیان کرنا میری قدرت سے باہر ہے۔

حضرت کا معمول تھا کہ کسی طالب علم سے مغرب سے عشار تک کے لئے اجرت دے کر حفاظت سامان کراتے تھے۔ وہ آپ کی سہ دری میں بیٹھ کر اپنا سبق یاد کرنے کے ساتھ ساتھ سامان کی بھی حفاظت کرتا۔ ایک دن وہ طالب علم اردو کا کوئی رسالہ سہ دری میں بھول گیا۔ حضرت نے نماز عشار سے فارغ ہو کر رسالہ دیکھا۔ دریافت کیا کہ یہ رسالہ کس کا ہے مَیں تے کسی سے دیکھنے کو منگایا ہے یا کوئی بھول گیا ہے۔ حضرت کو اس رسالہ کو پہنچانے کی بڑی فکر ہوئی۔ آخر نیاز کو بھیج کر طالب علم سے معلوم کیا۔ اس نے بتایا کہ مَیں یہ رسالہ ساتھ لے جانا بھول گیا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے اطمینان ہو گیا ورنہ تمام رات پریشانی میں گزرتی۔ مجھ کو رات کو نیند بہت کم آتی ہے اس کی وجہ سے تو بالکل ہی نہیں آتی۔ فرمایا کہ رات کو سب چیزوں سے فارغ ہو کر گھر جاتا ہوں کہ اگر رات کو اللہ کی طرف سے بلاوا آجائے تو تیار رہوں کسی قسم کا لین دین یا کسی کا کوئی حق میرے ذمہ نہ ہو۔

صبح کی مجلس میں کہ اس میں اکثر فضلار علمار ہوتے تھے بہت مشکل اور باریک سے باریک مسئلہ کو اس طرح حل فرماتے تھے کہ سننے والا بڑی آسانی سے سمجھ لیتا اور ایک اور عجیب بات آپ کی مجلس میں اکثر دیکھنے میں آئی کہ اگر کوئی شبہ دل میں موجود ہوتا تو مجلس میں تھوڑی دیر بیٹھنے سے یا تو وہ من جانب اللہ خود بخود حل ہو جاتا ہے اور کبھی حضرت والا اسی مسئلہ کو بیان فرماتے اور شبہات رفع ہو جاتے تھے۔

حضرت سے تعلق کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا کہ جس علم کو آٹھ سال یا دس سال محنت کر کے پڑھا تھا اس کو حضرت کی خدمت میں آکر سمجھا۔ اس پڑھے ہوئے علم میں انوار و برکات حضرت کے یہاں

کھلی آنکھوں معلوم ہوتے تھے۔ایک دفعہ مجھے قبض پیش آیا۔مَیں نے سب حال لکھ کر خانقاہ کے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔صبح کو نماز کے بعد حضرت نے یاد فرمایا۔مَیں نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سب حال عرض کیا اور کہا کہ حضرت مَیں بالکل کورا ہوں مجھے کچھ نہیں آتا جاتا۔اس پر ارشاد فرمایا کہ فکر نہ کرو کورا پیالہ زیادہ پانی پیتا ہے۔چند ہدایتیں فرمائیں کہ اس قسم کی باتیں راہِ سلوک میں پیش آیا ہی کرتی ہیں۔اس طرف التفات نہ کرنا چاہیئے۔خدا کا شکر کریں کہ اس نے ذکر و شغل کی توفیق دے رکھی ہے۔میری تو سب شکایت اس وقت دور ہو گئی اور طبیعت ایک دم بشاش ہو گئی اللہ کا شکر ہے۔پھر کبھی یہ شکایت پیش نہیں آئی۔

حافظ عرفان احمد

مجازِ صحبت

میری پیدائش محلہ جونفروشاں ضلع سہارن پور میں ۱۹۰۳ء کے لگ بھگ ہوئی۔ میرے والد شیخ سلطان احمد صاحب جوتوں کا کاروبار کرتے تھے۔ انھیں میری تعلیم سے بہت دلچسپی تھی۔ پہلے بہت شوق کے ساتھ قرآنِ پاک حفظ کرایا۔ پھر اردو اور انگریزی کی تعلیم دلوائی لیکن دورانِ تعلیم سہارن پور میں ہندو مسلم فساد ہو گیا اور ہندوؤں نے ان لوگوں کے نام چن چن کر لئے جن کے کاروبار حق تعالےٰ نے چمکا رکھے تھے اور تمام شہنشاہی بازار کے مسلم دکان داروں میں کسی کو سات سال کسی کو پانچ سال تک سزا ہوئی۔ میرے والد صاحب اللہ کے فضل سے الہ آباد سے اپیل میں بری ہو گئے تھے لیکن میری تعلیم انٹرنس کے بعد جاری نہ رہ سکی اور مجھے پہلے ڈسٹرکٹ بورڈ سہارن پور اور بعد میں ڈاک خانہ میں ملازمت کرنی پڑی۔

مجھ کو اوائل عمر میں وہم ہو گیا تھا۔ پاکی۔ ناپاکی۔ وضو۔ غسل اور نماز میں غرض ہر عمل میں وہم مسلط تھا۔ خوش قسمتی سے مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور سے تعلق تھا انہوں نے میری حالت دیکھ کر مجھے دعوتِ عبدیت کا حصہ پنجم دیدیا تھا۔ میں اس وقت گورنمنٹ اسکول سہارن پور میں ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ ابھی حضرت تھانوی کے مواعظ پورے طور پر سمجھنے کی استعداد نہ تھی لیکن جو کچھ بھی سمجھ میں آیا اس کی بدولت حق تعالےٰ نے مجھے وہم سے نجات عطا فرمائی دسویں جماعت کا امتحان دینے کے بعد جو امید و بیم کا زمانہ ملا اس میں حسنِ اتفاق اور حق تعالیٰ کی تائید

غیبی سے پھر وہی دعوت عبدیت کا حصہ پنجم پڑھا۔ اب جو آنکھیں کھلیں تو زیارت کا اشتیاق ہوا۔ الغرض ایک دن غالباً مئی ۱۹۱۶ء میں تھانہ بھون پہنچا۔ لیکن چونکہ وطن سے کبھی باہر نہیں گیا تھا اس لئے اسی روز واپس چلا آیا۔ واپسی میں عربی کے چند طلبہ کا ساتھ ہو گیا۔ انھوں نے التبلیغ کے سلسلہ کے مواعظ پڑھنے کے لئے دیے۔ ان کے پڑھنے کے بعد تو قطعی طور پر یہ ارادہ ہو گیا کہ اپنی اصلاح کے لئے حضرت حکیم الامت کا دامن پکڑ لینا چاہیئے۔ چنانچہ بعد میں یہ ارادہ لے کر حاضر ہوا چونکہ آنے جانے والے کے لئے فوری مصافحہ کی اجازت تھی اور حاضری کا مقصد بتانے کا مطالبہ تھا۔ اس لئے میں حضرت حکیم الامت کے پاس سہ دری میں جہاں وہ اس وقت تشریف فرما تھے جا پہنچا اور مصافحہ کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا "کیسے آئے ہو" میں نے عرض کیا "مجھے آپ سے مشورہ کرنا ہے" فرمایا "میں اہل الرائے میں سے نہیں ہوں" عرض کیا "پھر دینی حکم بتلا دیجئے" فرمایا "وہ میں کر سکتا ہوں" عرض کیا کہ میں آپ سے اپنی اصلاح وابستہ کرنا چاہتا ہوں" فرمایا "وہ میں کر سکتا ہوں۔ آپ نے مجھے دیکھ بھی لیا ہے؟ بعض باتوں پر میں گرفت کرتا ہوں لوگ ان کو سختی سمجھتے ہیں اور دوسری طرف رُخ کرتے ہیں بعض لوگ یہ خیال کر کے آتے ہیں کہ یہاں یوں ہُو حق ہوتی ہو گی اور یہاں کچھ بھی نہیں۔ سیدھی سادی سنت پر عمل ہے لوگ سنت کے خلاف کو ہلکی بات سمجھتے ہیں اور میں بڑی بات خیال کرتا ہوں اس لئے بہتر ہے کہ اصلاح وابستہ کرنے سے پہلے اطمینان کر لیا جائے کہ طبیعتیں ملتی بھی ہیں یا نہیں" میں نے عرض کیا آپ کی کتابیں پڑھی ہیں مجھ کو اطمینان ہو گیا ہے۔ فرمایا "کتاب بھی اپنی کوئی خراب لکھتا ہے۔ خود خواہ کیسا ہی ہو لیکن کتاب یا کلام جو دنیا کے سامنے پیش کرے گا اس میں تو یہی کوشش کرے گا کہ کوئی شخص کسی حرف پر انگشت نمائی نہ کر سکے چنانچہ مرزا قتیل ایرانی شاعر کہ جن کے کلام میں تصوف تھا۔ ایک صاحب دل صرف ان کا کلام دیکھ کر ان کی زیارت کو چل دیے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ داڑھی منڈا رہے ہیں ان سے نہ رہا گیا اور فوراً کہا کہ آغا ریش می تراشی۔ انہوں نے شاعرانہ انداز میں جواب دیا "بلے ریش می تراشم و لے دل کسے را نمی خراشم"۔ لیکن صاحب دل سے نہ رہا گیا اور یہ فرمایا کہ دل رسول اللہ می خراشی تو اب یہ تبلائیے کہ کلام کیسا اور حال کیسا تو کتابوں سے اندازہ نہیں لگایا جا سکتا" میں

عرض کیا کہ مَیں نے جو کچھ پڑھا ہے اور سنا ہے مجھ کو تو اسی وجہ سے اطمینان ہو گیا ہے اب مزید اطمینان کی ضرورت نہیں"۔ فرمایا "اچھا میں بھی تو اپنا اطمینان کر لوں" عرض کیا کہ اب مَیں کیا کہہ سکتا ہوں جس طرح آپ چاہیں اطمینان فرمالیں"۔ فرمایا "اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہاں آتے جاتے رہو مجھے دیکھو اپنے آپ کو دکھلاؤ" عرض کیا مَیں اس کے لئے تیار ہوں لیکن اس کی اجازت دیجئے کہ جب مجھے موقعہ ملے حاضری کی اجازت ضروری نہ ہو۔ فرمایا کوئی ضرورت نہیں۔ یہاں یہ گفتگو ختم ہوئی بعد میں حیرانی ہوئی کہ یا اللہ آپ نے کتنا کرم فرمایا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اس قدر طویل گفتگو ایسی خوشگواری کے ساتھ ہوئی کہ نہ مجھے کوئی جھجک اور نہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی تکدر۔ بیعت کے بعد حق تعالیٰ کی ایسی رحمت ہوئی کہ حتی الامکان یہی کوشش رہی کہ آپ کی تعلیم پوری طور پر اپنائی جاوے اور آپ کی تصانیف اور خصوصاً مواعظ کا مطالعہ جاری رہے۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی میرے لئے مواعظ کا مطالعہ تحریر فرمایا تھا۔ افسوس یہ ہے کہ مَیں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے خستہ حالات من وعن نہ لکھے ورنہ معلوم نہیں کیسی کیسی تسلی فرما دیتے کیونکہ آپ کو حق تعالےٰ نے گرتے ہوئے کو سنبھالنے کا فن عطا کیا تھا۔ ان کی تعلیم میں ترغیبات زیادہ تھیں۔ ترہیبات بہت کم بلکہ تھی ہی نہیں۔ مَیں نے اپنی بے وقوفی سے ان کو بس دعاؤں کا ذریعہ سمجھا اور حقیقت یہ ہے کہ ان دعاؤں کی کھلی برکتیں مشاہدہ کیں چنانچہ جب کوئی الجھن پیش آئی اور دعا کی درخواست کی وہاں سے جواب ملا" ہاں دعا کرتا ہوں اور بعض دفعہ جواب موصول ہونے سے پہلے ان کی دعا کی قبولیت کے آثار نظر آنے لگے۔ ہمیشہ حق تعالےٰ نے ان کی دعا کے صدقہ کرم فرمایا۔ بحمداللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض کبھی نہیں ہوئے۔ ایک مرتبہ ضرور ایسا ہوا کہ مَیں نے جو خط لکھا اس کی تحریر بہت باریک تھی جواب آیا کہ باریک تحریر سے مکدر ہوا۔ اس لئے جواب لکھنے کو جی نہ چاہا۔ اتفاق سے اس وقت میرے بچپن کے ساتھی اور شفیق حضرت مولانا محمد اسعد اللہ خاں صاحب تھانہ بھون میں مقیم تھے۔ مَیں نے ان سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے میرا خط حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سنا دیا تو فرمایا کہ یہ لکھدیں کہ "رستی اختیار کرو" یعنی جو کچھ لکھنا ہو مجھے براہِ راست لکھو۔ چنانچہ مَیں نے دوسرا عریضہ لکھا۔ سارے تکدر کے بادل چھٹ گئے۔

منشی محمد یعقوب

مجاز صحبت

میری پیدائش ۱۹ ر شوال ۱۳۰۷ھ مطابق ۹ ر جون ۱۸۹۰ء کو ہوئی۔ میرے والد صاحب حافظ قرآن تھے اور امتحان پاس کر کے نارمل سکول میں مدرس ہو گئے تھے۔ انہوں نے قرآن شریف اپنے دادا سے غالباً ۹ سال کی عمر میں حفظ کیا تھا۔

احقر ابتدا میں حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ دیکھا کرتا تھا اور ان مواعظ کو دیکھ کر حضرت کی زیارت اور ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ۱۹۲۵ء میں شہر دہلی میں مدرسہ عبدالرب کی دستار بندی کے موقع پر حضرت والا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور آپ سے خط و کتابت شروع ہو گئی اور جب حاضری کی اجازت ملی تو قریب بارہ سال تک گاہ بہ گاہ آپ کی خدمت میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون حاضر ہوتا رہا۔ ۱۹۲۶ء سے تربیت باطنی شروع ہوئی۔ اصلاح باطنی مع دیگر فیوض پاتا رہا۔ سال میں دو مرتبہ خدمت میں حاضری کا موقع ملتا۔ باوجود ملازمت اور کم فرصتی اصلاح باطن میں حتی الامکان سعی کی حتیٰ کہ ۴ر ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ میں آپ نے بندہ کو بہ منشاء وارد غیبی فہرست مجازین صحبت میں داخل فرمایا اور بندہ کو بشارت دیتے ہوئے بلا بیعت احباب طالبین کو تلقین کی اجازت دی۔ علم کے لئے ضروری دینیات کے رسائل اور مطالعہ مواعظ کی بہت تاکید فرمائی۔ چنانچہ بندہ نے ایسا ہی کیا۔

حضرت نے مندرجہ ذیل خط اجازت کا تحریر فرمایا تھا۔

مشفقی منشی محمد یعقوب صاحب سلمہٗ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بے ساختہ قلب پر وارد ہوا کہ بنا بر مناسبت

طریق و توقع نفع لازمی و متعدی توکلاً علی اللہ آپ کو تلقین بلا بیعت کی اجازت دیدوں۔ اگر کوئی طالب آوے اس سے عذر نہ فرمائیں۔ انشاء اللہ اس سے برکت ہوگی اور اجازت بیعت کے لئے خاص حالات کا انتظار ہے مگر آپ کو اس کا منتظر رہنا منافی اخلاص ہے۔ والسلام

اشرف علی از تھانہ بھون ۱۶ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

ایک روز حضرت اقدس کی مجلس میں حج کی فضیلت و ثواب کا ذکر ہوا تو اسی دم شوق بیت اللہ پیدا ہوگیا۔ خدا کا فضل ایسا شامل حال ہوا کہ اسی سال ۱۹۳۰ء میں ضرورت کا سامان پورا ہوگیا۔ اہل و عیال کی ذمہ داری والد صاحب نے لے لی۔ پھر انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ اگرچہ میں نے پہلے آپ ہی کے حج کو تشریف لے جانے کی درخواست کی تھی مگر انہوں نے اس سال حج ملتوی رکھا۔ حج پر جانے سے پیشتر بوجہ بیماری کمزور تھا۔ اس لئے سفر کا اندیشہ تھا مگر حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ وہم کو چھوڑ و طبیب سے شورہ کرو۔ حکیم محمد مصطفےٰ بجنوری سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ کچھ اندیشہ نہ کیا جائے۔ انشاء اللہ سفر میں آب و ہوا کی تبدیلی سے صحت ٹھیک ہو جائے گی۔ چنانچہ بفضل تعالیٰ تمام سفر آمد و رفت تندرست رہا۔

اس تحریر سے میرا منشاء جزع و فزع نہیں ہے مگر اس ضمن میں جو اعتقاد صحیح ہوئے اور اصلاح باطن ہوئی ہے وہ قابل ذکر نہیں تو قابل اشارہ ضرور ہے۔

اعتقاد ۱؎ ہر وقت بندہ کو دو حالتیں درپیش ہیں مصیبت اور نعمت ان کا برحق ہے کہ صبر اور شکر کرے ۲؎ علاوہ آخرت کے گناہوں سے دنیا میں نقصان اور مصیبت ہوتی ہے۔ مصیبت سے بچنے تو بہ زیادہ کرنی چاہیئے۔ طاعت سے نفع اور فائدہ ہوتا ہے ۳؎ مصیبت بسبب معصیت آتی ہے اور نعمت محض فضل الٰہی ہے۔ توبہ و استغفار و شکر بہت ادا کرنا چاہیئے اور اللہ تعالےٰ کو عزیز و حکیم جانے یعنی اسے سب طرح کا قدرت و اختیار ہے۔ صحیح اعتقاد سے ہر مصیبت بصورت نعمت معلوم ہونے لگتی ہے تو پھر کلفت نہیں رہتی ان ہی وجوہ سے میرے دل میں اعتماد ہے گو بہ طبیعت بشری گرانی بھی ہوتی ہے بعض صابر و نیک بندوں کے لئے مصیبت امتحان و کفارہ ہوتی ہے اور پھر رضائے حق جلد حاصل

ہوتی ہے۔

نصیحت یہ ہے کہ انسان کو بغیر علم کے آدمیت حاصل نہیں ہوتی اور علم سے مراد علم دین ہے خواہ وہ بذریعہ درسیات یا صحبتِ اولیاء وصالحین۔ شغل وکم فرصتی میں بھی کتب وطریقت اد شیخ بقدر ضرورت دینیات ومعاملات عام سے غافل نہ رہے اور اس ضرورت کے لئے بہشتی زیور کامل ومدلل موجود ہے۔ اس کے ساتھ جزاء الاعمال وحیات المسلمین وفلسفہ نماز تعلیم الدین۔ قصد السبیل اور وہ مفید کتب جو بہشتی زیور میں مذکور ہیں تکمیل مسلمانی کے لئے اچھے اخلاق اور اصلاح باطن کا خیال رکھنا چاہیے۔

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۰۷ھ حضرت منشی صاحب اس عالم فانی سے رخصت ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

حافظ عنایت علی لدھیانوی

مجاز بیعت

میرے والد صاحب کا نام حبیب اللہ تھا۔ ۱۸۹۱ء میں مظفر نگر قصبہ کھتولی میں پیدا ہوا۔ میری عمر اس وقت چھ سال کی ہوگی جب میرے والدین نے مسجد میں امام صاحب کے سپرد کیا انہوں نے بغدادی قاعدہ اور کچھ سورتیں الم کی ایک سال پڑھائیں۔ اس کے بعد والدین مظفر نگر لے گئے اور مجھ کو ماموں کے سپرد کیا۔ وہ دل سے چاہتے تھے کہ مَیں حافظ قرآن بنوں۔ لہٰذا انہوں نے مدرسہ قاسمیہ میں داخل کروادیا۔

۱۷۔ ۱۸ برس کی عمر میں جب بچوں کو قرآن مجید پڑھانا شروع کیا تو حافظ خیر اللہ صاحب کے کہنے پر بہشتی زیور پڑھنا شروع کیا۔ اس کو پڑھنے کے بعد مَیں نے ایک شخص سے پوچھا کہ جن صاحب نے یہ کتاب لکھی ہے وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں تو انہوں نے تبلایا کہ یہ مولانا بقیدِ حیات ہیں اور تھانہ بھون میں رہتے ہیں۔

میرے خسر قاضی حمایت علی سارا دن ڈھول بجوایا کرتے تھے اور گنگا کھیلنے میں ضائع کرتے تھے۔ جب ان کا حضرت قدس سرہٗ سے تعلق پیدا ہوا تو ان کی کایا ہی پلٹ گئی۔ مَیں اِس واقعہ سے بہت متاثر ہوا۔ چند ہی دن بعد اشتہارات چھپے کہ حضرت مولانا میرٹھ تشریف لا رہے ہیں اور ایک جلسہ سے خطاب فرمائیں گے۔ گاؤں کے بہت سے لوگ اس جلسے میں حاضر ہوئے۔ میں بھی جلسہ سننے کے لئے میرٹھ پہنچا۔ یہ میری پہلی زیارت تھی۔

جب گھر واپس آیا تو حضرت کے یہاں جانے کا شوق پیدا ہوا آخر تھانہ بھون جو ۲۰ میل تھا پیدل ہی چل پڑا اور ڈیڑھ دن میں حضرت قدس سرہ کے یہاں پہنچ گیا۔

پہلی حاضری کے تاثرات

عصر کی نماز کے بعد حضرت والا سے ملاقات ہوئی۔ حضرت والا نے بڑی پیاری آواز سے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ بھائی کیوں آئے ہو میں نے عرض کیا کہ آپ کو دیکھنے کے لئے آپ نے فرمایا کتنے دن ٹھہرو گے میں نے کہا چھ روز۔ پھر آپ نے فرمایا کھانا کہاں کھاؤ گے۔ میں نے کہا کھانا خرید کر کھاؤں گا۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا۔ خیر وہ رات گذر گئی۔ اگلے روز عصر کے وقت ایک پرچہ پر۔ میں نے اپنا نام لکھ کر آپ کے مصلّے کے نیچے رکھ دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ شخص خلوت میں کچھ کہنا چاہتا ہے۔ آپ نے مصلّے کے نیچے سے وہ پرچہ نکال کر رومال میں باندھ لیا اور مغرب کی نماز کے بعد پرچہ دیکھ کر آواز دی۔ میں فوراً خدمت میں حاضر ہو گیا اور مصلّے سے علیحدہ بیٹھ گیا۔ آپ نے نہایت پیارے لہجہ میں فرمایا کہ یہاں مصلّے پر آجاؤ۔ بس میں مصلّے پر حضرت والا کے پاؤں سے لگ کر بیٹھ گیا۔ اور ڈر سے کانپ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیوں بھائی کیا کہتے ہو۔ میں نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ حضور میں پیری مریدی کے حال سے تو ناواقف ہوں مگر میرا دل یہ چاہتا ہے کہ ساری عمر آپ سے جدا نہ ہوں۔ آپ نے فرمایا بھائی میں تمہارے لئے ہر طرح حاضر ہوں۔

چار سال کے بعد بذریعہ کارڈ میں نے دریافت کیا کہ حضور نے مجھے مرید کیا ہے یا نہیں اگر نہ کیا ہو تو اب کر لیجئے۔ آپ نے یہ جواب فرمایا کہ میں نے تم کو پہلی ہی ملاقات میں مرید کر لیا تھا، مطمئن رہو۔ پہلی ملاقات میں محبت کے سبب میں نے عرض کی کہ میرا آپ کے دیکھنے سے جی نہیں بھرتا اور ہر گھڑی مصافحہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا مجلس میں میرے سامنے بیٹھ جایا کرو اور خوب دیکھا کرو جب چاہے مصافحہ کر لیا کرو۔ میں آپ کو یہ تکلیف دیتا تھا مگر بے خبر تھا۔

پھر چھ روز کے بعد میں نے آپ سے رخصت طلب کی۔ اس وقت آپ کی جدائی کے سبب میرا دل بے چین ہو گیا اور میں ایسا رویا کہ چیخ نکل گئی۔ آپ نے مجھ کو اپنے سینہ مبارک سے لگایا اور پیر جی ظفر احمد صاحب (حضرت والا کے خسر) پاس ہی کھڑے تھے ان سے فرمایا کہ ان

کو میرے ساتھ عشق ہے ۔ پھر اپنا ہاتھ مبارک میرے دل پہ رکھا اور نہایت پیار سے فرمایا کہ بھائی جب دل چاہے آجایا کرو اور مجھے دل سے قریب جانو۔

ایک خواب کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ تم کو مجھ سے بہت فیض ہوگا۔ اللہ اکبر حضرت والا کی بصیرت پر قربان۔ بعض دفعہ کم فہمی اور بے علمی کی وجہ سے مجھ کو خیال ہوتا تھا کہ حضرت والا کو میری طرف کچھ توجہ نہیں اور خدا تعالیٰ سے آپ کی محبت کی زیادتی کی دعا کرتا تھا۔

نکل جائے دم ترے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

ایک دفعہ یہ غلام برما گیا تو خواب میں حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ میں تم کو نہیں چھوڑوں گا چاہے کتنی دور چلے جاؤ۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانہ ہے حضرت والا کے الطاف وکرم کا کہ یہ غلام عمر کے لحاظ سے بھی بچہ اور بے علم جاہل ومفلس تھا مگر کیسی کیسی اچھی تدبیروں سے مہربانیوں سے خدا تعالیٰ کی طرف لگایا اور دنیا اور شیطان کے فریبوں سے بچایا۔ حضرت والا کے فیوض وبرکات شفقت و رحمت لطف وکرم کی جو بارش غلام پر ہوتی رہی وہ اب معلوم ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ بندہ نے حضرت قدس سرہ کو تحریر فرمایا "حضرت والا خبر نہیں اس غلام کو کیا ہوگیا ہے۔ حضرت والا کی محبت اور فرقت نے بے چین کر دیا ہے چاروں طرف اندھیرا نظر آتا ہے۔ بڑی ہی بے چینی ہے اب تو دل چاہتا ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں دو ماہ رہوں اور دیدار پر انوار سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاؤں۔ ایک آگ سی دل میں لگی ہے۔ بال بچوں کو چھوڑ کر کس طرح آکر رہوں بس جوش محبت میں خوب گھٹ گھٹ کر رو لیتا ہوں۔"

سبحان اللہ حضرت قدس سرہ نے کیا اعلیٰ جواب ارسال فرمایا "السلام علیکم! یہ سب محبت کے کرشمہ ہیں مگر محبت سے زیادہ حق تعالیٰ کی حکمت اور احکام قابلِ رعایت ہیں لہٰذا حقوق مقدم ہیں دعا کرتا ہوں۔"

مرید ہونے سے پہلے یہ حال تھا کہ نہ اللہ تعالیٰ کی پہچان نہ رسول کی۔ بس مسلمانوں کے گھر میں

پیدا ہونے سے اتنا معلوم تھا کہ ہم مسلمان ہیں نہ شریعت کا پتہ نہ دین و مذہب کا۔ جب شروع شروع آپ سے محبت ہوئی اور آپ کے حالات معلوم ہوئے تو لوگوں سے کہتا تھا کہ آپ شریعت کے بہت پابند ہیں آپ کی تابعداری کرنا بہت مشکل ہے۔ ہر بات کو ناجائز بتلاتے ہیں کیونکہ لوگوں میں یہی مشہور تھا۔ خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ حضرت والا کی محبت سے مجھے مالا مال کیا۔ حضرت والا کے فیوض و برکات میرے دل پر بارش کی طرح برستے تھے اور دین کی برکتیں نازل ہوتی تھیں جب میں پہلی مرتبہ تھانہ بھون گیا تو میرے ذہن میں یہ چیز تھی کہ میں سکندر اعظم بنوں اور ساری دنیا میں پھروں لیکن حضرت سے پہلی ملاقات کے بعد یہ بات پیدا ہوئی کہ دین کی سکندری حاصل کروں۔

حضرت قدس سرہٗ نے ۱۰ شوال ۱۳۵۱ھ میں مندرجہ ذیل خط تحریر فرما کر اجازت بیعت سے مشرف فرمایا "السلام علیکم۔ اطلاع جدید۔ میرا دل بے ساختہ چاہتا ہے اور اس میں برکت و نفع کی امید رکھتا ہوں اور دعا بھی کرتا ہوں کہ تم کو بیعتِ تلقین کی اجازت دوں پس اگر کوئی طالب حق تم سے اس کی درخواست کرے قبول کر لینا مگر عربی پڑھے ہوؤں سے عذر کر دینا۔ اشرف علی"

بندہ نے اس پر حضرت قدس سرہٗ کو تحریر فرمایا "حضرت سیدی محبوبی دام فیوضکم۔

اطلاع جدید پر جدید جدید برکات و واردات دل پر وارد ہیں۔ حضرت والا کے اس لطفِ کرم کو پڑھ کر رنگ فق ہو گیا۔ بوجہ ناکارہ ہونے کے اور خوفِ خدا اور حیا سے عرق عرق ہو گیا اور یہاں تک پسینہ آ گیا تھا کہ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں تر ہو گئیں حالانکہ آج کل سردی زوروں پہ ہے اور شرم و حیا کے سبب گردن جھک گئی۔ کل کی تاریخ تک اپنے آپ کو آزاد سمجھتا تھا مگر اب بالکل قید ہو گیا اور جھک کر چلنا پڑ گیا اور شرم سے نظر اٹھانی مشکل ہو گئی۔ اور کیا خدمت اقدس میں عرض کروں شرم سے شرمسار ہوں۔ غلام عنایت علی"۔ اس کے جواب میں حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا "الحمد للہ جس اثر کی مجھ کو خواہش تھی اللہ تعالیٰ نے وہی ظاہر فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ اس کے ثمرات میں اور بھی ترقی و قوت ہو گی دعا کرتا ہوں۔

"اشرف علی"

نقشِ حیات خیر محمد عفا اللہ عنہ

مجازِ بیعت

دَدھیال

ہمارا خاندان دَدھیال اَن پڑھ اور زمیندارپیشہ تھا۔ قوم ارائیں تھی، مرنجاں مرنج تھا، والد کا نام الٰہی بخش ولد خدا بخش تھا۔

ننھیال

یہ خاندان لکھا پڑھا تھا، اردو فارسی حکمت وطب کا علم رکھتا تھا چنانچہ میرے حقیقی ماموں میاں شاہ محمد ولد شیر محمد بڑے عزت والے سمجھے جاتے تھے۔ ماموں صاحب میاں شاہ محمد تمام برادری کی رسومات کو چھوڑ کر قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور ذکر وشغل کی طرف متوجہ ہوئے اور ذکرِ جہر میں مشغول ہوئے اور آخر وقت تک دینیات وقرآن مجید کی تعلیم دیتے رہے۔ اسی اثنا میں ہم پانچ بھائی تھے اور ایک بہن تھی۔ تین بڑے بھائی کھیتی باڑی میں مشغول تھے یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے۔ والدہ مرحومہ رحمۃ اللہ علیہا نے مجھے اور چھوٹے بھائی مولوی حافظ غلام محمد مرحوم کے ہاتھ پکڑ کر ماموں مرحوم کے سپرد کئے کہ ان دونوں کو پڑھاؤ۔ انہوں نے خود حساب کتاب تاریخ جغرافیہ قرآن شریف ہم لوگوں کو پڑھا کر اپنی نگرانی میں دوسرے مدارس میں بھیجا۔

احقر کی ولادت

احقر کی پیدائش بر مکان ماموں شاہ محمد مرحوم بمقام عمروال بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر ۱۳۱۲ھ یا ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔ ۱۳۱۲ھ کے اعتبار سے تاریخی نام محمد مظفر[۱۳۱۳] چراغ حق[۱۳۱۲] ہے ۱۳۱۳ھ کے اعتبار سے تاریخی نام راغب[۱۳۱۳] علی۔ میرے ایک دوست مولانا قمرالدین صاحب اس وقت پڑھتے تھے ایک شعر کہا تھا ؎

محمد مظفر چراغؒ

بحقِ نبی علو ملک فی الدیار

بچپن کا زمانہ عمروال بلہ ایسا بے ہوشی کا کھیل کود میں گزرا کہ کوئی بات یاد نہیں، تخمیناً سات سال کی عمر میں والدین چک ۲۵۲ ب ضلع لائل پور میں گئے اور ہم دونوں کو بھی ہمراہ لے گئے۔

زمانہ درس

اس چک کے امام حافظ پیر محمد (نابینا) تھے۔ تقریباً پہلا پارہ میں نے ناظرہ ان سے پڑھا پھر چند سال وہاں ٹھہر کر وطن واپس ہوئے۔ عمروال بلہ کی مسجد میں امام میاں امام الدین تھے، ان سے ناظرہ اٹھارہ پارے پڑھے۔ اس وقت میری عمر تقریباً دس سال تھی، بعد ازاں ماموں صاحب سے اردو اور تاریخ کی کتابیں پڑھیں۔ ساتھ ہی لکھنا اور حساب بھی سیکھا۔

نکودر

پھر ماموں صاحب نے شروع شوال ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر داخل کرایا اور اس مدرسہ میں فارسی کی ابتدائی کتابیں شعبان ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۷ء تک پڑھیں۔ اسی سال حضرت گنگوہی قدس سرہ کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اسی سال طاعون ہوا جس میں میرے دو بڑے بھائی فوت ہوئے اور میرا نکاح بھی شریعت کے مطابق برادری کی تمام رسومات سے خالی اسی سال ہوا۔

رائے پور گوجراں

پھر مدرسہ صابریہ رائپور گوجراں ضلع جالندھر حضرت مولانا فضل احمد صاحب کے پاس داخلہ ہوا جو ہمارے گاؤں سے ایک میل تھا۔ صبح وہاں جاتا شام کو گھر آجاتا تھا۔ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب وہاں دوسرے سال مدرس ہو گئے۔ شوال ۱۳۲۴ھ سے تقریباً ماہ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ تک ابتدائی عربی کتابیں صرف ونحو فقہ اصولِ فقہ منطق وفلسفہ ادب کی پڑھیں۔ حضرت مولانا فضل احمد صاحب بہت نیک طینت حلیم الطبع، عالمِ ربانی مدرسہ عبدالرب دہلی کے فارغ تھے اور شیخِ طریقت مولانا شاہ عبدالرحیم قدس سرہٗ سے متوسل تھے۔ ۵ رجب ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۶۴ء ۹۵ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا فقیر اللہ

حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب مرحوم نے ابتدائی کتب اور متوسط اپنے وطن میں اور مدرسہ نعمانیہ لاہور میں پڑھ کر پھر سہارن پور مدرسہ مظاہر العلوم اور دار العلوم دیوبند میں تین چار سال داخلہ لیا۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی سے سندِ فراغ حاصل کی اور حضرت موصوف دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہوئے۔ بہت باشریعت پرہیز گار عالم دین تھے۔ استادِ شفیق مہربان تھے۔ تقریباً ۵۰ سال دین کی تعلیم وافتار کی خدمت کر کے ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۶۳ء میں خدا کو پیارے ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فقیہ و عالم حق مفتی فقیر اللہ ۔۔۔ جو ہر خلافِ شریعت پہ کرتے تھے تیغ
خدا کے خاص مقرب تھے حضرت والا ۔۔۔ کہ خاص خاص سے نکلی وفات کی تاریخ

گنج ضلع گجرات

۱۵ جمادی الاول سنہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۲۵ مئی سنہ ۱۹۱۰ء سے ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۱۰ء اور تین سال بعد اوائل جمادی الاول ۱۳۳۱ھ مطابق اپریل ۱۹۱۳ء میں تین ماہ بخدمت حضرت مولانا سلطان احمد رہ کر مختلف کتب کے کچھ کچھ حصے پڑھے، وہ استاذ دار العلوم دیوبند حضرت

مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کئے ہوئے تھے اور مولوی فاضل اورنٹیل کالج لاہور کے بہت بڑے ادیب تھے۔ ان کے والد حضرت مولانا محمود صاحب بہت بڑے مناظر حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد تھے۔

مدرسہ منبع العلوم گلاوٹی ضلع بلند شہر

پھر مدرسہ منبع العلوم گلاوٹی میں تین سال رہ کر مولانا غلام نبی سرحدی حضرت مولانا کریم بخش پنجابی، حضرت مولانا محی الدین صاحب مہتمم مدرسہ ہذا سے علم ہیئت، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، فرائض، معانی وغیرہ حاصل کئے۔ یہ تینوں اساتذہ بے نظیر اور قابلِ تعریف تھے۔

مدرسہ اشاعت العلوم بریلی

پھر مدرسہ اشاعت العلوم بانس بریلی پہنچ کر داخلہ لیا۔ ۱۳۳۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۱۳ء سے تین سال شعبان ۱۳۳۵ھ تک چار اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے۔ حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب، عبدالرحمٰن صاحب سلطان پوری۔ حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری اور حضرت مولانا سلطان احمد بریلوی، چاروں اساتذہ لاثانی تھے۔ اس عرصہ میں طبقہ علیا اور فنون کی کتابیں پڑھیں اور محدث حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب سرہندی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ مولانا یٰسین صاحب سرہندی اور مولانا سلطان احمد صاحب بریلوی دونوں شاگرد مولانا شیخ الہند دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

سندِ فراغ و تکمیل

۱۳۳۵ھ کے آخر میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں جلسہ سالانہ ہوا اس میں سندِ فراغ و سندِ تکمیل حضرت مولانا محمد احمد صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کے متبرک ہاتھوں سے عطا ہوئی۔

زمانۂ مدرسی بریلی

شوال ۱۳۳۵ھ سے شعبان ۱۳۳۶ھ تک اسی مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں حضرت مہتمم صاحب کے حکم سے مدرس مقرر ہوا اور متوسط کتابیں پڑھائیں۔

مدرسی منڈی صادق گنج ریاست بہاولپور

شوال ۱۳۳۶ھ سے لے کر ماہ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ تک باستثناء ایک سال شوال ۱۳۴۱ھ منڈی صادق گنج میں صدر مدرسی پر فائز رہا۔ اور مکمل نصاب کا کئی مرتبہ درس دیا۔

رائے پور گوجراں

اساتذہ کرام مولانا فضل احمد و مولانا فقیر اللہ صاحب کے حکم سے منڈی صادق گنج سے ایک سال کی رخصت لے کر ہر دو صاحبزادوں مولوی محمود الحسن و مولوی عبدالرشید کو پڑھانے کے لئے آیا۔

مدرسی و نظامت فیض محمدی جالندھر

اساتذہ رائے پور گوجراں کے حکم سے ناظم تعلیمات مقرر ہو کر جالندھر پہنچا۔ اس وقت وہاں صدر مدرس مولانا احمد بخش و مدرس میرے چھوٹے بھائی مولوی غلام محمد تھے۔ دونوں یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے۔ میں ۱۹ جمادی الاول ۱۳۴۵ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۲۶ء مدرسہ عربی فیض محمدی جالندھر پہنچا اور شعبان ۱۳۴۹ھ مطابق جنوری ۱۹۳۱ء تک سلسلہ تعلیم و تدریس کا جاری رہا۔ دورۂ حدیث بھی کئی مرتبہ ہوا۔ پھر مدرسہ فیض محمدی بند ہو گیا۔

مدرسہ خیر المدارس جالندھر

جب شعبان ۱۳۴۹ھ میں مدرسہ فیض محمدی کا سلسلہ ختم ہوا تو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ لیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بہ نسبت دیہات کے شہر میں رہنا زیادہ مفید ہو گا۔ اس لئے شہر میں رہنے کی تجویز ہوئی اور مدرسہ کا نام خیر المدارس رکھا گیا اور تین وصیتیں فرمائیں۔ (۱) مدرسہ کی بنیاد کسی غنی یا افسر کے بھروسہ پہ نہ رکھی جائے بلکہ محض توکلاً علی اللہ خدا ہی کے بھروسہ پر رکھی جائے (۲) عملہ کا کوئی خاص مقدار خود تجویز نہ کیا جائے بلکہ یہ انداز رکھا جائے کہ حق تعالیٰ جتنی توفیق دیں گے اتنا ہی رکھیں گے اگر گنجائش زیادہ ہوئی تو عملہ بڑھا لیا جائے گا اور اگر گنجائش کم ہوئی تو عملہ گھٹا دیا جائے گا (۳) غرباء کے چندے کو امراء و اغنیاء کے چندے پر ترجیح دی جائے گی اس لئے کہ امراء دے کر منتظر ہوتے ہیں کہ ہماری تعریف کی جائے اور شکریہ ادا کیا جائے۔ اس میں بے برکتی

ہوتی ہے اور عزبا دے کر شکر گزار ہوتے ہیں کہ ہمارا روپیہ نیک مقصد کے لئے قبول کر لیا گیا اس میں عنداللہ برکت ہوتی ہے۔ حضرت اقدس نے مدرسہ کی سرپرستی بھی قبول فرمائی چنانچہ احقر نے حضرت مولانا احمد بخش صاحب اور مولانا محمد علی صاحب کے مشورہ سے مسجد عالم گیر جالندھر شہر بازار اٹاری میں مورخہ ۱۹ شوال ۱۳۴۹ھ مطابق ۹ مارچ ۱۹۳۱ء کو مدرسہ کا افتتاح کیا۔ اس کے بعد ۲۳ شعبان ۱۳۵۰ھ کو مولانا احمد بخش صاحب وفات پا گئے اور مولانا محمد علی نے سیاست میں مشغولیت کی وجہ سے مدرسہ ہذا کی رکنیت اور تمام خدمات سے استعفا دے دیا۔ اب مدرسہ کا تمام انتظام واہتمام اور تعلیم کا بار تنہا احقر پر پڑ گیا۔ اس لئے مدرسہ کے مناسب حال حضرات مدرسین کا تقرر عمل میں آیا۔ مدرسہ میں دورۂ حدیث شریف بھی ہوتا رہا۔

تقریباً ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملتان شہر میں مدرسہ خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری اور دیگر حضرات مدرسین کو بلا کر توکلاً علی اللہ مدرسہ کا کام شروع کیا گیا۔

حاضری تھانہ بھون شریف

تھانہ بھون کی پہلی حاضری شوال ۱۳۴۲ھ مطابق مئی ۱۹۲۴ء کو ہوئی اور پھر یہ سلسلہ آخری حاضری ۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۹۴۳ء تک جاری رہا۔ حضرت اقدس کا انتقال ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء ۱۱ بجے شب منگل کو ہوا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اور اس کے دوسرے دن تھانہ بھون آخری حاضری ہوئی۔

پہلی حاضری شوال ۱۳۴۲ھ مئی ۱۹۲۴ء کے اوائل میں ہوئی اور ایک ہفتہ قیام رہا مقیمین کو اس وقت مکاتبت کی اجازت تھی۔ چنانچہ پہلا خط لکھ کر اپنا حال عرض کیا گیا تو حضرت والا نے مجھ میں تکبر کو تشخیص کر کے اس کا علاج شروع فرمایا۔ میں نے دوسرے خط میں تشخیص و تجویز دونوں کو تسلیم کیا تو حضرت والا نے جواب میں جو الفاظ تحریر فرمائے وہ اب تک دماغ میں محفوظ ہیں فرمایا کہ "جی بہت خوش ہوا۔ ھنیئاً لک العلم والعمل۔

تجدید بیعت طریقت

پہلے بیعت حضرت مرشدی حافظ محمد صالح صاحب سے کی ہوئی تھی اس لئے سیدنا ومرشدنا حضرت حکیم الاُمت تھانوی قدس سرہ العزیز نے ابتداءً بیعت کرنے سے انکار فرما دیا تھا۔ فرمایا کہ سِلسلہ قائم ہے ضرورت نہیں، دراصل حضرت اقدس کا اصول یہ ہے کہ ابتداء بیعت نہیں فرماتے تھے بلکہ مناسبت ہونے کے بعد بیعت فرماتے تھے۔ایک سال کے بعد تجدید بیعت کی درخواست کی گئی تو قبول فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ پرچہ میں اپنے پاس رکھتا ہوں بعد نماز مغرب مَیں خود بلالوں گا۔چنانچہ مورخہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ یکم جولائی ۱۹۲۵ء کو بعد نماز مغرب لیلۃ العید الاضحیٰ میں مسجد خانقاہ امدادیہ میں چاروں سِلسلوں (چشتیہ۔نقشبندیہ۔سہروردیہ۔قادریہ) میں بیعت سے دست بدست مشرف فرمایا۔

اس روز سے حضرتِ والا کی طرف سے شفقت اور نظر عطوفت اور ظاہری و باطنی تربیت میں زیادتی اضعافاً مضاعفۃً نمایاں ہونے لگی اور خط وکتابت، آمدورفت میں بھی ترقی ہوئی بلکہ ذوق وشوق روزمرہ ترقی پذیر ہوتا چلا گیا۔

حصولِ اجازت بیعت وتلقین

یہاں تک کہ میرے ایک عریضہ کے جواب میں مؤرخہ ۱۷ رجب ۱۳۴۷ھ کو بوقت قیام الحقر درخانقاہ امدادیہ اس خاکپائے اہل اللہ سراپا گناہ کو بیعت وتلقین کی اجازت عطا فرمائی اور یہ الفاظ لکھ کر مجھے اطلاع دی۔

بشارت ناشیہ از ذوق

اب کی بار شروع ہی دن سے ذوقاً مجھ کو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ آپ پر خدا کا فضل وکرم شروع ہوگیا ہے جو خواص پر ہوتا ہے اور جن احوال کی مجھ کو احباب سے تمنا ہوتی ہے ان کی جھلک محسوس ہونے لگی خصوص کل کے دن سے، اور اس بنا پر بتوقع زیادت رسوخ شب سے قلب کا یہ تقاضا تھا کہ آپ کو تلقین وبیعت کی اجازت دے دوں۔اس رقعہ سے میرے خیال کی صحت

ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس رقعہ میں جو حالات آپ نے لکھے ہیں یہ سب آثار ہیں. فنا کے جو اس طریق کا ایک اعتبار سے اول قدم بھی ہے اور ایک اعتبار سے آخر قدم بھی۔ پس اس خیال کی صحت کے بعد توکلاً علی اللہ اپنے اس تقاضے کو پورا کرتا ہوں اور بنام خدا آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس میں برکت ہوگی۔ عذر اور تواضع نہ فرمائیں اور اپنے خاص محبین سے اس کا اظہار بھی فرمادیں اور چونکہ میں ان واقعات کو اپنی یادداشت میں تحریراً محفوظ بھی رکھتا ہوں اس لئے مجھ کو اپنا پتہ ڈاک کا لکھ کر دے دیں میں اپنے پاس محفوظ رکھوں گا اور موقع پر شائع کروں گا

اشرف علی ۱۷ رجب ۱۳۴۷ھ (انتہی) (۳۰/۱۲/۲۸)

میں نے حسب حکم اپنا پتہ لکھ کر تو دے دیا مگر اس اطلاع پر بے انتہا ندامت بلکہ اس قدر حیرت ہوئی کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرتِ والا نے یہ بارِ گراں میری گردن پر کیسے رکھ دیا۔ میں اِس کو برداشت نہیں کر سکوں گا اور مجھے اس کی سمجھ بھی نہیں اور مجھ میں اس کی اہلیت بھی نہیں۔ میں کہاں اور یہ بارگراں کہاں۔ میں اپنے خیالات اور تردودات میں تھا کہ حضرت والا نے خانقاہ امدادیہ کے ترجمان ماہنامہ رسالہ "الامداد" میں اس اجازت کو شائع فرما کر ۱۷ رجب ۱۳۴۷ھ کے والا نامہ میں احقر کو اس کی اطلاع فرمادی۔

حضرتِ والا کے قریبی خطوط سے اجازت ملنے کا کچھ ہلکا سا خطرہ گذرتا تھا۔ اس لئے میں نے ۱۸ رجب ۱۳۴۷ھ کو حضرت والا کی خدمت میں ایک شبہ اشراف نفس کا عرض کیا۔ اصل مقصود اس سے عذر کرنا تھا حضرت والا نے محققانہ طرز پر جواب عنایت فرمایا۔ یہ شبہ اور اس کا جواب دونوں بعنوان حال و تحقیق ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

حال

ایک شبہ یہ بھی ہے کہ قبل از وقت اجازت کا خیال دل میں آنا شبہ اشراف نفس کہیں نہ ہو اس سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق: اشراف نفس اس وقت ہوتا اگر اجازت نہ ملتی تو کلفت ہوتی اور یہ واقع نہیں اس لئے

اشرافِ نفس نہیں بلکہ بنعمۃ تعالیٰ دلیل ہے۔ تناسب باطنی کی جو میرے دل میں آیا اس کا اثر آپ کے دل پر پڑ گیا کیونکہ اجمالاً میرے قلب میں پہلے ہی سے تھا یہ دوسری نعمت ہے جس پر شکر ادا کرنا چاہیئے (انتہیٰ)

تائید

حُسنِ اتفاق سے اسی شب مولانا احمد بخش صاحب صدر مدرس مدرسہ فیض محمدی جالندھر نے خواب دیکھا کہ حضرت تھانوی جالندھر تشریف لائے ہیں، انہوں نے یہ خواب تعبیر کے لئے میرے پاس تھانہ بھون بھیجا چونکہ اس تعبیر کا تعلق بظاہر مجھ سے نظر آتا تھا اس لئے اس کے بیان سے مجھے شرم آئی کسی سے بیان بھی نہیں کیا۔

خطبہ وطریق بیعت

مَیں نے اپنی جہالتوں اور کوتاہیوں پر نظر کر کے حضرت والا کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ مجھے خطبہ اور طریق بیعت محفوظ نہیں رہا۔ اپنی زبان مبارک سے املا کرا دیجئے۔ چنانچہ بعد مغرب ۱۸ رجب ۱۳۴۷ھ (۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء) کو حضرت اقدس حکیم الاُمّت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز نے لالٹین کی روشنی میں خطبہ اور اخذ بیعت کا حسبِ ذیل طریق املا کرادیا۔

الحمد لله نحمده و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نومن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا من يهدى الله فلا مضل له ومن يضللهُ فلا هادى له و نشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمداً عبدهٗ و رسوله صلى الله عليه وسلم وأله واصحٰبه تسليماً كثيراً كثيرا۔ اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ بسم الله الرحمٰن الرحيم۔ يا ايها الذين اٰمنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا فى سبيله لعلكم تفلحون (پ مائدہ) يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله و كونوا

معہ الصّٰدقین (پ۱۱ توبہ) ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیوتیہ اجراً عظیماً (پ۲۶ فتح) یا ایھا النبی اذ جاءک المؤمنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفرلھن اللہ۔ان اللہ غفور رحیم (پ۲۸ ممتحنہ)

توبہ کرتا ہوں کفر سے شرک سے بدعت سے اور سب چھوٹے بڑے گناہوں سے اور ایمان لاتا ہوں اللہ پاک پر اور اس کے سچے رسول پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد کرتا ہوں کہ پانچوں وقت نماز پڑھوں گا اور رمضان شریف کے روزے رکھوں گا اگر مال ہوگا تو زکوٰۃ دوں گا اگر زیادہ گنجائش ہوگی تو حج کروں گا اور جن چیزوں سے اللہ تعالےٰ اور رسول نے منع فرمایا ہے جہاں تک ہو سکے گا ان سے بچوں گا اگر کوئی خطا ہو جائے گی تو فوراً توبہ کر لوں گا۔توبہ کرتا ہوں اور بیعت کرتا ہوں میں چاروں سلسلوں میں چشتیہ اور قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں۔اے اللہ ان سب خاندانوں کی برکت ہم کو نصیب کر اور قیامت میں ان بزرگوں کے ساتھ اٹھا آمین یارب العالمین۔پھر رفع ایدی کے ساتھ دعا کی جائے۔پھر ارشاد فرمایا طالب کو قصد السبیل کا مکرر مطالعہ کروایا جائے۔حقیقت سلوک (اصلاح واستقامت علی الاعمال) اور غایت سلوک (رضا الٰہی) ذہن نشین کرائی جائے مثلاً معالجہ غضب میں استفسار کیا جائے کہ سورۃ طبع (جو غیر اختیاری ہے) یا اس کے مقتضا پر عمل (جو اختیاری ہے) اول پر کوئی مواخذہ نہیں پھر فکر کیا ثانی کا ترک بھی اختیاری ہے ہمت سے کام لینا چاہیئے یہ تو ضابطہ کا جواب ہے البتہ طریق تسہیل (گویا غیر لازم علی الشیخ ہے) یہ ہے کہ ایسے وقت میں قوت (عتاب الٰہی کا استحضار) رکھے یا قلب کو کسی دوسرے شغل میں مشغول کرے۔خطرات کی پرواہ مت کرو۔غرض اس میں تسلی دی جایا کرے۔

مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں

حضرت حکیم الامت کی آمد

۱۹۳۸ء میں حکیم الامتؒ نے دانت بنوانے کے لئے لاہور کا سفر اختیار کیا۔ لاہور پہنچنے کے بعد حضرت کے ایک خلیفہ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرتؒ سے دریافت کیا کہ اگر ارشاد ہو تو مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کو آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دے دوں۔ حضرت قدس سرہ نے ہنس کر فرمایا: "میں کیوں مناع للخیر بنوں آپ چاہیں تو اطلاع دے دیں"۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا کو کارڈ کے ذریعہ مطلع کیا کہ حضرتؒ ڈاکٹر جلال الدین صاحب کی کوٹھی پر مقیم ہیں آپ کو ملنے کی اجازت ہے بشرطیکہ نہ تو کسی کو ساتھ لائیں اور نہ ہی کسی کو اطلاع دیں۔

مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی صاحب کا کارڈ ملا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "میں ایک ضروری کام سے مدرسہ جانے والا تھا۔ اس کارڈ کے دیکھتے ہی کچھ ایسی حیرت ہوئی جیسے کہ سکتا ہو گیا ہو۔ سوچتا تھا کہ یا اللہ مدت سے تو حضرت والا نے سفر ترک فرما دیا ہے اور آج کل گرمی بھی شدت کی پڑ رہی ہے یہ خبر میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ مولوی محمد حسن کے خط کو پہچانتا تھا۔ اس کی بھی تکذیب نہیں ہو سکتی تھی۔ آخر الامر جب تشریف آوری کا یقین ہو گیا تو اتنے دنوں کی محرومی پر بے حد افسوس ہوا۔ پھر دل کو تسلی دی کہ اب جو اطلاع آئی ہے یہ تیرا کون سا استحقاق تھا یہ سب ان کا انعام ہے۔ یہ سوچا کہ لاہور جانے والی گاڑی میں صرف آدھ گھنٹہ باقی ہے اگر مکان جانے

کا ارادہ ترک کر کے فوراً لاہور چلا گیا تو اس میں دو قباحتیں ہیں ایک تو دل کام میں لگا رہے گا دوسرے مدرسہ اور گھر والوں کو تردد ہوگا کہ کیوں اس قدر عجلت میں لاہور چلا گیا۔ اس سے کہیں حضرتؒ کے قیام کا افشار نہ ہو جائے اس لئے اس وقت مکان چلا گیا اور دوسرے دن جانے کا ارادہ کیا۔"

اگلے روز جب مولانا صاحبؒ لاہور تشریف لائے تو اس وقت حضرت تھانویؒ مغرب کی نماز نوافل وغیرہ سے فارغ ہو کر بڑے کمرے کے اندر تشریف فرما تھے۔ حضرت مولانا نے ادب سے سلام کیا۔ حضرت تھانویؒ نے انتہائی شفقت سے گلے لگالیا اور معانقہ فرمایا اور پھر مصافحے سے فارغ ہوتے ہی ہنس کر فرمایا کہ "میں نے کہا میں کیوں تتابع للخیر بنوں"۔

حضرتؒ کے ان الفاظ نے مولانا صاحب کے قلب میں عجیب کیفیت پیدا کر دی۔ مولانا نے عرض کیا کہ میں نے ابھی نماز ادا نہیں کی ہے۔ فرمایا باہر صف ہے پڑھ لیجیے۔ نماز سے فارغ ہو کر جب مولانا صاحب اندر آئے اس وقت حضرت تھانوی دودھ کا برف کھا کر فارغ ہوئے تھے مولانا سے فرمایا کہ آپ کے لئے بھی رکھا ہے آپ بھی کھائیے۔

امرتسر جانے سے ایک روز قبل حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ سے فرمایا کہ "حضرت والا نے جس سال سفر بند فرمایا اس سال سفر بند کرنے سے قبل مدرسہ کے جلسے کے وقت جالندھر تشریف لانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس لئے مؤدبانہ درخواست ہے کہ جالندھر تشریف لے چلیں اور وہاں کی سرزمین کو سرفرازی کا شرف عطا فرمائیں۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا "کلام اللیل یمحوہ النہار جی میرا بھی چاہتا ہے مولوی شبیر علی سے دریافت کرلیں جس میں سفر کا حرج نہ ہوتا ہو" چنانچہ یہ طے پایا کہ حضرت تھانوی ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ پانچ بجے لاہور سے سوار ہو کر ساڑھے آٹھ بجے شب جالندھر میں رونق افروز ہوں گے اور شب میں قیام کر کے اگلے روز صبح سہارنپور روانہ ہو جائیں گے۔

حضرت والا جالندھر پہنچے جالندھر میں مولانا خیر محمد صاحب نے محکمہ زراعت کے اسسٹنٹ ڈپٹی ڈائریکٹر کی کار کا بندوبست کیا تھا۔ استقبال کے لئے مجمع کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی۔

حضرت تھانوی جب مدرسہ خیر المدارس میں پہنچے تو مدرسہ اور مسجد تمام زائرین سے پُر تھی۔ عشار کی اذان ہو چکی تھی۔ حضرت نے وضو فرمایا اور نماز پڑھ کر مدرسہ کی چھت پر تشریف لے گئے وہاں سولہ سترہ علمار صلحار کے ساتھ جو مولانا خیر محمد صاحب کی طرف سے مدعو تھے کھانا تناول فرمایا۔ اس کے بعد اسی صحن میں استراحت فرمائی۔ تھوڑے سے فاصلے پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے اپنی چارپائی بچھائی تھی تاکہ حضرت والا کو آرام پہنچا سکیں۔

صبح نمازِ فجر سے فارغ ہو کر مولانا خیر محمد صاحب سے فرمایا کہ پہلے اوپر چلنا چاہیئے۔ چھت پر آ کر مستورات کو پس پردہ بیعت فرمانے کا ارادہ کیا۔ اس پر مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ اندر کئی مستورات ہیں اور سب بیعت کی متمنی ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جنھوں نے اپنے شوہروں سے اجازت لی ہے صرف وہی بیعت ہو سکتی ہیں ان کے علاوہ نہیں۔

اس کے بعد مسجد میں تشریف لے گئے جہاں زائرین کا مجمع تھا۔ مجمع کی کثرت کی وجہ سے ہر شخص اٹھ کر حضرت کی زیارت کرنا چاہتا تھا اس لئے عرض کیا گیا کہ کرسی پر اگر حضور تشریف رکھنا منظور فرمائیں تو سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے بآسانی زیارت سے مشرف ہو سکیں گے۔ فرمایا یہ میری عادت نہیں اور منقول بھی نہیں البتہ بیان کی حالت میں تو منقول ہے۔ تھوڑی دیر بعد مجمع کی کثرت کو دیکھ کر دوبارہ عرض کیا گیا کہ چارپائی کی اجازت ہو تو منگوائی جائے۔ فرمایا "ہاں اس میں کوئی مضائقہ نہیں یہ دیہاتی وضع ہے نیز میں اس پر اکیلا نہ ہوؤں گا دو چار اور بھی ہوں گے"۔ مولانا خیر محمد صاحب سے فرمایا کہ آپ اور مولوی محمد حسن صاحب دوسری طرف اسی چارپائی پر بیٹھ جائیں کیونکہ مجھے تنہا اونچا مجمع میں بیٹھے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ ایک گھنٹے تک ملفوظات کا سلسلہ جاری رہا۔ سب اہل مجلس کے مقاصد حسنہ کے واسطے دعا مانگی گئی اور مجلس برخواست ہوئی۔ پھر حضرت بالاخانے پر تشریف لے گئے حضرت مولانا صاحب کی درخواست پر مولانا کے صاحبزادے عبدالحق کو پند نامۂ عطار کی بسم اللہ کرائی گئی پھر مدرسہ سے چل کر ریلوے روڈ پر تشریف لائے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب فرماتے تھے کہ جس مکان میں حضرت نے قیام فرمایا تھا بلا مبالغہ تقریباً ایک ماہ تک اس کے در و دیوار سے انوار محسوس ہوتے رہے۔

مولانا عبد السّلام

مجازِ بیعت

احقر کے والد کا نام قاضی عصمت اللہ ہے۔ ہمارے جدِ امجد حضرت شیخ اخ الدین عالم فاضل بزرگ تھے۔ وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت کا کا صاحب اپنے زمانہ کے قطب اویسی طریقہ کے شیخ تھے اور ہمارے جد امجد علومِ ظاہری میں ان کے استاد اور تعمیرِ باطن میں ان کے مرید تھے۔ رحلت کے بعد حضرت شیخ کی اولاد کی علمی خدمات ہمارے خاندان کے سپرد رہیں۔ بندہ کی ولادت یوم عاشورہ ۱۰ محرم ۱۳۲۱ھ کی ہے۔ قرآن کریم ناظرہ، فارسی، صرف ونحو اور فقہ کی ابتدائی کتابیں کچھ اپنے والد صاحب اور کچھ اپنے جد امجد قاضی درمکنون صاحب سے پڑھیں جو کہ ایک صاحبِ دل بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ پھر شوال ۱۳۳۴ھ میں دارالعلوم دیوبند جانا ہوا۔ ایک سال وہاں گذارا۔ دوران سال میں ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت کا دارالعلوم میں ورودِ مسعود ہوا۔ دارالعلوم کے سارے اصاغر و اکابر ایک ہی شمع کے پروانے نظر آئے۔ جب بندہ نے آپ کے اس جاہ وجمال کا مشاہدہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت قدس سرہ کی محبت اسی وقت سے میرے دل میں ڈال دی اور مسجد میں جاکر دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ایک تفصیلی دعا کی کہ یا اللہ اس شخص کو لمبی زندگی عطا فرما اور مجھے بھی لمبی عمر عطا فرما اور میرے علم کی بھی تکمیل فرما اور مجھے ان ہی خدمت کرنے اور ان سے ربط وتعلق قائم کرنے کا موقعہ عطا فرما۔ اس وقت مجھے کیا معلوم تھا کہ حق تعالیٰ نے میری وہ دعا قبول فرمالی ہے۔ رمضان المبارک کی تعطیلات میں گھر آنا ہوا اس زمانے میں افغانستان اور انگریزوں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ اس لئے

دارالعلوم جانے میں مشکلات تھیں تو وہ سال میں نے وطن میں مختلف مدارس میں گذارا۔ اگلے سال ۱۳۳۶ھ میں پھر دارالعلوم جانا ہوا۔ اس سال حضرت شیخ الہند مالٹا سے دیوبند تشریف لائے تھے۔ ملاقاتیوں کا ہر وقت بہت زیادہ ہجوم رہتا تھا۔ حضرت مولانا کے رفیقِ خاص مولانا عزیز گل صاحب کاکاخیل ہمارے خاص گاؤں کے تھے۔ ان کی وساطت سے میری بھی اس بارگاہِ سعید میں باریابی ہوتی تھی۔ ایک سال مدرسہ رحیمیہ دہلی میں مولانا عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں گذارا پھر مدرسہ احمدیہ بھوپال میں داخلہ لیا۔ اگلے سال پھر دہلی آگیا اور مولانا شیخ عبدالعلی صاحب اور مولانا محمد شفیع صاحب کے حضور میں دورہ حدیث میں شرکت کی۔ اس سال کے ابتدائی دن میرے لئے کچھ عجیب گذرے اسباق خوب جاری تھے لیکن دہلی جیسے شہر میں نہ کھانے پینے کا انتظام تھا نہ سر ڈھانکنے کا۔ ادھر ادھر دن گزر رہے تھے۔ کسی کے سامنے اظہارِ حال سے شرماتا رہا۔ البتہ روحانی کیفیات میں جو عجیب انکشافات ہوتے رہے وہ میں جانتا تھا اور میرا دل جانتا تھا پھر اللہ تعالےٰ کی رحمت سے تنگدستی کا وہ دور ختم ہوا۔ جب دورہ حدیث ختم ہوا تو تقسیمِ اسناد کے جلسے کے لئے حضرت تھانوی قدس سرہ دہلی تشریف لائے تھے۔ حضرت نے وعظ فرمایا اور آخر میں فارغ التحصیل طلباء کو اپنے ہاتھ سے آٹھ گز کپڑا اور چند ایک انعامی کتب مع اسناد عطا فرمائیں۔ جب میری باری آئی تو خلافِ عادت سند دیتے وقت حضرت کی مبارک آنکھیں میری آنکھوں سے دوچار ہوئیں۔ حضرت کی قدرتی سرمگین اور سرخی مائل آنکھوں سے میرے دل پر ایک چوٹ سی محسوس ہوئی۔ پھر وطن واپس آگیا۔ وطن میں جوں جوں دن گزرتے گئے وہ کیفیتِ محبت بڑھتی جاتی تھی اور میری زبان پر یہی ہوتا تھا۔

لسعت حیۃ الھوی کبدی

فلا طبیب لھا ولا راقی

الا الحبیب اللذی شغفت بہ

فعندہ رقیتی و تریاقی

بالآخر ایک سال کے بعد یکم رمضان شریف اپنی اہلیہ کو بتا کر چپکے سے گھر سے نکلا۔ نو دس میل جنگلی

راستہ طے کر کے سٹیشن پہنچا۔ دیوبند کا ٹکٹ لیا کیونکہ مجھے حضرت کے مسکن تھانہ بھون کا علم نہ تھا۔ دارالعلوم پہنچ کر وہاں سے راستہ معلوم کیا اور صبح سویرے پیدل نکل کر اکیس کوس کا راستہ طے کر کے تھانہ بھون جا پہنچا۔ نماز کے بعد حضرت قدس سرہ اپنی سہ دری میں تنہا تشریف فرما تھے لوگوں نے کہا کہ یہ وقت ملنے کا نہیں ہے۔ میرے دل نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ یہ پابندی خانقاہ والوں کے لئے ہوگی۔ میں تو نووارد ہوں میرے لئے نامناسب نہیں ہے چنانچہ سیدھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے آنے کا مقصد اور مختصراً گذشتہ تمام کیفیات عرض کی اطمینان ظاہر فرمایا بلا کسی تنقید اور پوچھ گچھ کے قبول فرمایا اور میری معروضات کی تصویب فرما دی۔ خانقاہ میں رہنے کے معمولات خود ارشاد فرمائے کہ یہاں پر ایک شخص خانقاہ والوں کے لئے کھانا پکاتا ہے اور ہر ایک سے پیسے لے کر کھانا دیتا ہے۔ آپ کھانے کیلئے پیسے مجھ سے لے لیا کریں اور بھی جو ضرورت ہو لے لیا کریں خادم سے فرمایا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں ان کے لئے کھانا گھر سے لاؤ۔ اس وقت سے تعلیم و تلقین حسبِ معمول شروع ہوگئی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب اور حضرت مولانا عبدالودود صاحب اس زمانہ میں میرے رفیقِ سلوک تھے۔ وہاں چار ماہ قیام کیا۔ ایک دن اپنے حالات کی پرچی میں بیعتِ مسنون کی درخواست لکھی جس کے جواب میں حضرت قدس سرہ نے فرمایا "ضرورت تو ہے نہیں مگر انکار بھی نہیں۔ کل ایک پرچہ صرف اس کی درخواست کا ڈال دیا جائے میں وقت معین کروں گا"۔ پھر اگلے عریضے کے ساتھ ایک درخواست بیعت کے لئے پیش کی جواب میں تحریر فرمایا "بسر و چشم منظور ہے"۔ اس پرچی کے جواب میں ایک عجیب عنایت فرمائی اور بیعت کی پرچی پر لکھا کہ بعد نماز ظہر یہ پرچہ بلا لفافہ مجھ کو دیجئے اور بعد مغرب مسجد میں موجود رہیئے۔ وہ عنایت مخصوص کی عبارت یہ ہے۔

لا تقنطوا من رحمة الله بفضلہ تعالیٰ نصیب ہوگیا۔ اس کو آپ سے زیادہ میں جانتا ہوں۔ اپنے ہی علم کی بنا پر بیعت کے ساتھ ہی آپ کو بیعت کرنے کی بھی اجازت دیتا ہوں اگر کوئی طالب حق درخواست کرے انکار نہ کیجئے گا اور جو طرز یہاں دیکھا ہے اس پر تعلیم و

تلقین کیا کیجئے۔ پھر حضرت سے اجازت لے کر وطن لوٹا۔ ریل کا خرچ بھی حضرت نے ہی مرحمت فرمایا تھا۔ پھر وطن سے خط وکتابت جاری رہی۔ موقعہ بہ موقعہ آنا جانا بھی تھا۔ دن گزرتے رہے یہاں تک کہ بالآخر وہ وقت بھی آ پہنچا کہ اللہ جل جلالہ نے اس مجسمہ نور کو اپنی رحمتوں کے حجاب میں چھپا لیا۔

مولانا عبدالوہاب

مجازِ بیعت

میرے والد قاضی عبدالحکیم صاحب زمینداری کیا کرتے تھے کچھ دن کلکتہ میں نوکری بھی کی۔ بہت دیندار اور نیک کار شخص تھے۔ ماہ اگست ۱۹۰۱ء میں موضع روح اللہ چاٹگام میں میری پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم دار العلوم معین الاسلام میں حاصل کی۔ ۱۳۳۹ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوا اور تین سال تک تعلیم حاصل کرتا رہا، دورہ حدیث حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری سے پڑھا۔ ایک سال مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ و حضرت مولانا بدر العالم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی۔ دیوبند میں میرے اساتذہ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب، مولانا رسول خان صاحب اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تھے

بندہ جب دورہ حدیث سے فارغ ہوا تو اس وقت جناب مولانا ابوبکر صاحب ارکانی برمی حضرت تھانوی سے ملاقات کے لئے دیوبند تشریف لائے بندہ اس وقت جامع مسجد دیوبند میں رہتا تھا۔ میری ان سے ملاقات ہوئی تو دریافت کیا کہ اب بعد فراغت تمہارا کیا خیال ہے۔ بندہ نے عرض کی کہ مجھے اصلاح و تربیت و سلوک کا شوق ہے اس پر مولانا ابوبکر نے فرمایا کہ تم حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق پیدا کرو۔ چنانچہ بندہ نے آپ کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ بندہ اصلاح و تربیت کی غرض سے خدمت میں حاضر ہونے کی تمنا رکھتا ہے۔ امید ہے کہ راہبری فرمائیں گے اور اجازت سے نوازیں گے تاکہ ربط پیدا ہو اور ملاقات کے بعد خدمت کر سکوں۔ حضرت نے جواب دیا کہ قصد السبیل دیکھو اور اس پر عمل کرو اور اطلاع دیتے رہو پھر چھ ماہ بعد جب اجازت ملی تو آپ کی خدمت میں ایک سال تک رہا۔ نو ماہ بعد مجاز بیعت کے شرف سے نوازا گیا حضرت قدس سرہ کا ادنیٰ خادم ہوں۔

مولانا نذیر احمد کرنالی

میرے والد صاحب کا نام سید محبوب علی تھا ضلع کرنال میں پیدائش ہوئی سن پیدائش تو صحیح معلوم نہیں ہاں اتنا یاد ہے کہ ۱۹۱۱ء میں عمر تخمیناً ۱۸ سال تھی۔ یہ ناکارہ شروع ظہور احساس اپنی موہوم ہستی سے بحمداللہ جویان حق تھا میرے خیال میں وجہ یہ تھی کہ میرے گھر والے حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بیعت تھے میری طفولیت کے ایام میں ایک مرتبہ گنگوہ گئے تو اپنے مقام قیام سے رات کو مستورات حضرت گنگوہی کے گھر پر حاضر ہوئیں تو مجھے سوتے کو گھر چھوڑ گئیں۔ میری آنکھیں دیدار سے محروم رہیں اس وقت تک شعور طلب مطالب سے بے خبر تھا۔ پھر آپ کی زندگی میں دوبارہ حاضری نہیں ہوئی سرکاری مدرسہ میں چار جماعت پڑھ کر اردو فارسی میں طب شروع کر دی۔ اس وقت چار جماعت کی فارسی سے اس قابل ہو جایا کرتے تھے۔ اسی اثنا میں ایک نیک طبع شخص نے مشورہ دیا کہ بغیر عربی طب حاصل کئے کوئی معتد بہ بات نہیں بنتی۔ میں والد صاحب سے باصرار اجازت لے کر ۱۹۱۱ء میں مدرسہ امینیہ سنہری مسجد چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد والد صاحب نے دریافت کیا کہ طب شروع کی یا نہیں میں نے عرض کیا کہ پہلے دینیات سے فارغ ہو کر دوسری طرف چلوں گا۔ اس وقت مدرسہ میں مولانا امین الدین صاحب مدرسہ کے مہتمم تھے جو مجسمہ دین و اخلاص تھے اور صدر المدرسین مولانا کفایت اللہ صاحب اپنے منصب پر سرفراز تھے ان ہی حضرات سے مدرسہ کے نظام کے تحت دورہ تک تحصیل کا تمام کیا، ترمذی شریف کے دوران اسباق میں طبیعت پر ایک وحشت و خلجان درپیش

ہوا جس کے اثرات سے تھانہ بھون بغرض بیعت حاضر ہوا۔ میں نے حضرت حکیم الامت سے درخواست بیعت کی آپ نے مشاغل و احوال دریافت کرنے کے بعد فرمایا "پہلے تعلیم سے فارغ ہو لو" اس ناکارہ نے بغیر کسی اصرار کے آپ کے فرمان پر لبیک کہا۔ میرا قلب نہ معلوم کس قدر محظوظ تھا۔ میں نے دہلی آکر اپنے اتباع فرمان کی اطلاع دی۔ آپ نے کسی عنوان سے مبارک باد دی۔ میرا ضمیر محسوس تو کرتا تھا کہ بیعت تو ہوگئی۔ اتباع بے عذر کو بیعت ہی کہتے ہیں باقی امور اس کا ظاہر اور عنوان ہوتے ہیں۔ پھر موقعہ ملنے پر تھانہ بھون حاضری ہوئی اور بیعت ہوگیا، چند روز قیام کر کے حاضر ہوا۔ دہلی مدرسہ میں معین المدرس کے طور پر چھوٹی موٹی کتابیں پڑھاتا رہا۔ اچھی خاصی مدت دہلی میں رہا پھر وطن واپس آگیا اور وہاں مکتب تعلیم القرآن اور سلسلہ مطب جاری کیا۔ حضرت شیخ بھی کافی ایام زندہ و فیوض رساں طالبین رہے میں اپنی طبیعت سے آج تک آشنا نہیں ہوا کہ مست اور مستغنی کیوں اور کس لئے ہے یا بے حسی ہے اس لئے خط و کتابت تو رہی مگر تھوڑی اور کچھ مرتبہ قیام بھی کم ہی صرف جس وقت اجازت ہوئی ۵ روز قیام رہا۔ بغیر ارادہ مجبوراً دہلی آنا پڑا اور نہ ہی حضرت نے کسی موقعہ پر حاضری کا مشورہ تحریر فرمایا۔ اس قلت صحبت کی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام کا ساتھی سکندر بن کر رہ گیا تہی دستاں قسمت کا مصداق ہوں نیز کبھی اپنے کو باوجود اجازت کے مشیخت کے قابل نہیں پاتا۔ محض تعمیل شیخ اور طالب کی درستی عقائد کی نیت پر بیعت کرتا رہا۔ ان تمام حالات میں برکات و انشراح دھبی بھی پیش آتے رہے لیکن دوسرا صفحہ میری زندگی کا یہ رہا کہ دہلی داخل ہونے کی تاریخ سے امراض جسمانی جن کی تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے میرے وہ ذوق و شوق میری وہ دولت انشراح باطنی میرے وہ عزیز معمولات میرے دِل کا وہ چسکا اللہ تعالیٰ نے اپنے یہاں جمع فرما کر باوفیت امراض کا لذیذ شکار بنا کر ایسا معذور کر دیا کہ اب نہ عالم نہ عامل۔ اپنی محرومیوں پر بے حد نالاں ہوں یوں بھی کہنے کو دل چاہتا ہے کہ شاداں ہوں۔ الحاصل یہ کہ میرا وجود نہایت بے کار اور قابل شمار نہیں۔ میں اجازت خدمت خلق و اصلاح کا کچھ بھی ذمہ دارانہ کر سکا۔ خائف و لرزاں ہوں۔ مدارج اخروی برحق ہیں۔ مجھے تو مغفرت میں بھی لالے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے درجہ مغفرت عطا فرمائیں تو زہے قسمت۔

ذِکرِ مجذوب

تذکرہ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؔ

ذکرِ مجذوب نے ایسی جاذبیت دکھائی کہ جب سے کتاب آئی ہے برابر دیکھ رہا ہوں باوجودیکہ رمضان میں تلاوتِ قرآن کا شغل زیادہ ہے مگر ذکرِ مجذوب کی جاذبیت نے اس حال میں بھی اپنی طرف متوجہ رکھا اور بار بار پڑھنے کا تقاضا ہوتا رہا۔

حضرت مولانا ظفر احمدؒ عثمانی

ذکرِ مجذوب میرے لئے ذکرِ محبوب ہے۔ ماشاء اللہ آپ نے مذاقِ سلیم اور تعلقِ تھانوی کا بہت خوش اسلوبی سے حق ادا کیا ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب

اس کتاب میں مصنف نے خواجہ صاحب کے افکار و سوانح کا تذکرہ لکھا ہے۔ ان کی زبان نہایت شگفتہ ہے اور بیان کے تیور خوبصورت ہیں۔

آغا شورش کاشمیری

مولانا حافظ جلیل احمد شروانی علیگڈھیؒ

مجاز بیعت

مولانا جلیل احمد شروانی ۱۳۱۵ھ ضلع ایٹہ کے ایک مشہور و نامور شروانی خاندان میں پیدا ہوئے کچھ عرصہ بعد آپ کے والد حافظ محمد مصلح الدین صاحب نے علی گڈھ میں سکونت اختیار کرلی۔

آپ قرآن پاک کے حافظ تھے اور نہایت عمدہ قاری بھی تھے۔ مخارج کی ادائیگی میں خاص طور پر مہارت تھی، آپ نے قرآن پاک اور تجوید کی تعلیم ایک صاحبِ کمال اور صاحبِ نسبت بزرگ جناب مولانا قاری محمد صدیق صاحبؒ سے حاصل کی، جب آپ نے قرآن پاک کی تعلیم مکمل کرلی، تو آپ کے والد صاحب نے بطورِ انعام آپ کے اُستاذِ مکرم کو ایک بنگلہ عطا فرمایا، آپ کو اپنے اُستاذ سے ایسا لگاؤ تھا کہ فارغ ہونے کے بعد بھی اپنا زیادہ وقت آپ کی خدمت میں گزارتے تھے۔

قرآنِ پاک کے حفظ سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے والد صاحب نے آپ کو دُنیاوی تعلیم میں ڈالدیا اور علی گڈھ سکول میں داخل کردیا، اور چونکہ آپ ماشاء اللہ رئیس زادے تھے اس لیے آپ کے والد صاحب نے آپ کو رئیسانہ طور طریق سے تعلیم دلوائی سکول جانے اور آنے کے لیے باقاعدہ ایک بگھی تیار کرائی۔ اسی بگھی میں آپ ایک خادم کے ساتھ سکول جاتے تھے۔

شروع ہی سے آپ کی طبیعت تنہائی پسند تھی اور آپ کے والد صاحبؒ آپ کی تعلیم و تربیت کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ آپ کے لیے خاص طور پر ایک خادم مقرر کردیا تھا، غرضیکہ آپ نے

ے واعی مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان وجامع ملفوظات حضرت حکیم الامتؒ

نہایت شاہانہ انداز سے بچپن گذارا، اور نہایت ذوق و شوق سے تعلیم حاصل کی۔

یوں تو بچپن ہی سے آپ کا رجحان دین کی طرف تھا، بچپن ہی سے نماز روزے کے پابند تھے۔ حلال وحرام، جائز و ناجائز باتوں کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے مگر جب سے جناب قاری محمد صدیق صاحبؒ کی صحبت میسر آئی تو دین میں اور پختگی آگئی، حلال وحرام، جائز و ناجائز باتوں کا خیال تو پہلے ہی رکھتے تھے، مگر اب مکروہات سے بھی اجتناب کرنا شروع کر دیا۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی پہلی مرتبہ زیارت

اسکول کے زمانہ تعلیم میں مسلم یونیورسٹی کی دعوت پر حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ علی گڑھ تشریف لائے اور مسلم یونیورسٹی میں آپ کا وعظ ہوا، قاری محمد صدیق صاحب جو حضرت حکیم الامتؒ کے متوسلین میں سے تھے اپنے اس ہونہار شاگرد کو بھی اپنے ہمراہ وعظ میں لے گئے۔ یہ گویا حضرت حکیم الامتؒ کی پہلی مرتبہ زیارت تھی جو آپ کو زمانہ طالب علمی میں ہوئی، آپ کے والد ماجدؒ کو بھی حضرت حکیم الامتؒ سے خاص عقیدت تھی۔ اس لیے آپ کے والد صاحبؒ نے حضرت حکیم الامتؒ سے گھر پر تشریف آوری کی درخواست کی، جو حضرتؒ نے بخوشی منظور فرمالی، حضرت حکیم الامتؒ مکان پر تشریف لائے تو اتفاق سے اس وقت آپ غسل خانے میں گئے ہوئے تھے، شروع میں آپ کو کچھ وہم ہو گیا تھا جس کی بنا پر وضو غسل وغیرہ میں کچھ دیر لگا دیا کرتے تھے۔ چونکہ یہ بات آپ کے والد ماجد کو ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ اس لیے حضرت حکیم الامتؒ سے شکایتاً عرض کیا کہ حضرت اس میرے بیٹے کو بہت ہی زیادہ وہم ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں خدانخواستہ دماغ پر اثر نہ ہو جائے اور پھر یہ نہ دین کا رہے گا اور نہ دنیا کا، اور اس سے بہتر تو اس کا چھوٹا بھائی ہے کہ اس کو کم از کم اپنی تعلیم کی طرف توجہ تو ہے اور یہ تو جائز ناجائز میں لگا رہتا ہے، مجھے اس کا بڑا فکر ہے، آپ دعا فرما دیں۔ حضرت حکیم الامتؒ اپنی خداداد فراست سے سمجھ گئے کہ اس کے اندر وہم کم احتیاط زیادہ ہے تو آپ نے ان کے والد صاحب سے فرمایا کہ "آپ فکر نہ کریں، انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور یہی لڑکا آپ

کے کام آئے گا"

یہ تھی حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے پہلی ملاقات، پھر اس کے بعد باقاعدہ خط و کتابت شروع فرمادی، اسی دوران میں اپنے اُستاد قاری محمد صدیق صاحبؒ سے حضرت حکیم الامت کے مواعظ و ملفوظات لے کر پڑھنا شروع کر دیئے، جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کو اپنی اصلاح باطن اور تربیت کی طرف توجہ ہوئی۔ چنانچہ آپ نے اپنے استاد کے مشورے سے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور اصلاح باطن اور بیعت کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت نے آپ کی درخواست کو منظور فرما کر آپ کو بیعت کر لیا۔

یوں تو بیعت سے قبل ہی آپ کو جائز ناجائز کی فکر رہتی تھی، مگر بیعت ہونے کے بعد اس فکر میں اضافہ ہو گیا، ہر بات میں حضرت تھانویؒ سے مشورہ طلب کرنے لگے۔ حتٰی کہ اپنے خانگی امور تک میں حضرت تھانویؒ سے مشورہ لیتے تھے اور حضرت حکیم الامت خلاف معمول آپ کو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے اور آپ اس پر عمل فرماتے تھے۔ اور حضرت حکیم الامتؒ کو بھی آپ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ جب کبھی آپ مستقل قیام کے ارادہ سے تھانہ بھون حاضری کا ارادہ کرتے اور حضرتؒ کو اس کی اطلاع فرماتے تو حضرت خود ہی آپ کے لیے مکان کا بندوبست فرماتے تھے اور اس کی صفائی و مرمت کی طرف توجہ فرماتے تھے۔ اس خاص تعلق اور محبت کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامتؒ کے چند گرامی نامے پیش خدمت ہیں:

از اشرف علی عفی عنہٗ، بمشفقم مولوی جلیل احمد صاحب

نمبر ۱۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ تعالیٰ، مجھ کو مستری جی کے جانے کی خبر نہ ہوئی، ورنہ ان ہی کی زبانی کہہ دیتا میں نے اس وقت ان کو اس غرض سے تلاش کیا کہ اون سے تحقیق کر لوں کہ مکان صاف ہو گیا؟

اس میں ضروری سامان بھی مہیا ہو گیا، اس کی کنجی بھی مل گئی، تاکہ جو کمی ہو۔ اس کی تکمیل کر دی جاوے۔ سو تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ وہ سہارن پور چلے گئے ہیں، اس لیے رقعہ لکھتا ہوں کہ اگر مکان کی حالت غیر مکمل ہو، تو آپ اپنی سواریاں لزوماً میرے گھر میں اُتار دیجئے تاکہ بعد تکمیل وہاں ان کو پہنچا دیا جائے

اور اگر سب حالت مکمل ہو گئی ہو، تو اس وقت میرے گھر میں اتارنا تابع مصالح کے ہے، جن کا علم مجھ سے زیادہ آپ کو ہے۔ آپ سے کچھ تکلف نہیں، اس صورت میں آپ اپنے گھر میں اصلاح کر لیں جس میں راحت ہو وہ کیجئے۔ میرے چھوٹے گھر میں کی طرف سے بھی آپ کے گھر میں یہی مضمون معروض ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲

اسلام علیکم؛

آپ دونوں صاحبوں میں کسی کو بھی خدانخواستہ کچھ بھی تکلیف ہوتی ہے تو بے حد دل دکھتا ہے میں دل و جان سے دعا کرتا ہوں اون کو صحت بخشے۔ کارڈ احتیاطاً اپنی یادداشت میں رکھ لیا تھا کہ بھول نے کا احتمال ہی نہ رہے۔ اگر افاقہ و اطمینان کے بعد بھی اطلاع دیجئے تو اچھا ہے۔ فقط

مکتوب نمبر ۳

السّلام علیکم، بحمد اللہ کہ بخیریت ہوں، پانچوں وقت گھر میں کے لیے دعا کی جاتی ہے، میں بھی کرتا ہوں، فقط اشرف علی

مکتوب نمبر ۴

السلام علیکم، گو جواب کی ضرورت نہ ہو، مگر اس اطلاع دینے کو دل چاہتا ہے، کہ میں دونوں صاحبوں کے لیے دل و جان سے دعائے شفا کرتا ہوں۔ اشرف علی

مکتوب نمبر ۵

السّلام علیکم، اطمینان ہوا کہ ان کے غم و غصہ کے اسباب کا انسداد کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نفع و برکت دے اور مجھ کو پابندیٔ دعا سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی، بڑی تکلیف یاد رکھنے کی ہو سکتی ہے اور مجھ کو یہ دعا بے تکلف یاد آجاتی ہے اس لیے کچھ تکلیف نہیں، اشرف علی

ایک دفعہ آپ بیمار ہو گئے اور بیماری نے طوالت اختیار کر لی تو آپ نے حضرت حکیم الامت سے کسی معالج کے بارے میں مشورہ چاہا، حضرتؒ نے لکھنؤ کے ایک بہت بڑے حکیم بشیر الدین صاحب سے علاج کا مشورہ دیا، اور ساتھ ہی حکیم صاحب کے نام از راہِ شفقت ایک گرامی نامہ بھی

[illegible]

تحریر فرما دیا۔

از اشرف علی عفی عنہ، بگرامی خدمت مخدومی مکرمی جناب قاضی حکیم بشیر الدین احمد صاحب دامت فیوضہم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

جو صاحب میرا یہ رقعہ حاضر کر رہے ہیں، علاوہ دینی خوبیوں کے میرے ساتھ ان کا تعلق واقعی ایسا ہے کہ اگر شریعت میں تبنیت کی رسم جائز ہوتی تو میں ان کو ضرور متبنیٰ بناتا۔ اس لیے امید ہے کہ اپنے معالجہ کے متعلق جو مشورہ لیں توجہ فرمائی جائے، والسلام از تھانہ بھون ۶/۴ ۱۲ھ

ان تمام گرامی ناموں سے عموماً اور آخر کے گرامی نامہ سے خصوصاً اس تعلق اور محبت کا پتہ چلتا ہے جو آپ کے شیخ حضرت حکیم الامت کو آپ کے ساتھ تھی۔

تھانہ بھون میں مستقل قیام

والد صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ کا ارادہ مستقل طور پر تھانہ بھون میں قیام کا ہوا تاکہ حضرت حکیم الامتؒ کے قریب رہ کر زیادہ سے زیادہ استفاضہ کیا جا سکے، آپ نے اپنے اس ارادہ سے حضرت حکیم الامتؒ کو مطلع کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر جائداد کی نگرانی کا خاطر خواہ انتظام ہو جائے تو بے شک اس ارادہ پر عمل کریں۔" چونکہ لبفضلہ تعالےٰ جائداد کا ایک معتد بہ حصہ وراثت میں ملا تھا اس لیے اتنی بڑی جائداد کا انتظام کرنا بھی ایک کام تھا لیکن آپ نے اپنے پیر و مرشد حکیم الامت کی خدمتِ اقدس میں حاضری کا مصمم ارادہ فرما چکے تھے اور اِدھر حضرت حکیم الامت بھی دعائیں فرماتے تھے تو منجانب اللہ ایک نگران کا انتظام ہو گیا، اگرچہ بعض منتظمین حضرات نے خورد بُرد بھی کی، مگر آپ نے اپنے پیر و مرشد حکیم الامت کی خدمت بابرکت میں حاضری کو ترجیح دی اور مالی نقصانات کو برداشت کیا۔

آپ کو قیام کے لیے ایک مستقل مکان کی بھی ضرورت تھی اور چونکہ حضرت حکیم الامتؒ کو آپ کی طبیعت کا حال معلوم تھا۔ اس لیے حضرتؒ کو اس کی فکر تھی کہ ایسا مکان ہو جس میں ہر

مرزا حاتم علی مہر

بنگلہ امید سنگھ میں کہ میں جناب قاضی حکیم [illegible]

درست [illegible] عسکری درجہ [illegible]

محمد صاحب میرا رقعہ حاضر کر رہے ہیں

علاوہ دینی خوبی کے [illegible]

راہ تعلق واقعہ [illegible] اگر [illegible]

میں تہنیت کی رسم جائز ہوتی تو

میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

قسم کی سہولت موجود ہو، چنانچہ متعدد مکانات میں رہائش رکھنے کے بعد حضرتؒ نے خود اپنا ذاتی دولت خانہ رہائش کے لیے عطا فرما دیا۔

حضرتؒ کا یہ دولت خانہ ہر قسم کی سہولت اور ضروریات سے بھرپور ہونے کے علاوہ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ حضرتؒ کی بڑی اہلیہ محترمہ کے دولت کدہ کے بالکل قریب ہونے کے علاوہ خانقاہ اشرفیہ کے بھی قریب تھا۔ آپ نے کئی بار کرایہ دینے کی پیشکش کی، مگر ہر بار آپ کو اپنے مرشد حکیم الامتؒ کی طرف سے یہی جواب ملتا رہا "آپ سے کیا کرایہ لیا جائے، جب تک آپ کا دل چاہے اس میں قیام کیجئے۔ چنانچہ آپ چودہ سال تک اس دولت کدہ میں قیام فرما رہے۔

دورانِ قیام میں آپ کو دو باتوں کا خیال پیدا ہوا، ایک تو یہ کہ حضرت حکیم الامت کی نگرانی میں دین کی عربی کی کتابیں پڑھ لی جائیں، تاکہ عربی کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا جا سکے۔

دوسرے اس کا خیال آیا کہ حضرت حکیم الامتؒ مجلسِ عام و خاص میں جو مضامین عالیہ ارشاد فرماتے ہیں ان کو ضبط کر کے شائع کرانے کی کوشش کی جائے تاکہ جو حضرات مجلس کی حاضری سے محروم ہیں وہ بھی گھر بیٹھے حضرتؒ کے ارشادات سے استفادہ کر سکیں، بلکہ کوئی کام آپ حضرتؒ سے مشورہ لیے بغیر نہیں کرتے تھے، چنانچہ آپ نے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا:

"کہ میری دلی خواہش ہے کہ جناب والا کے زیر نگرانی عربی کی کتابیں بھی پڑھ لوں تاکہ عربی میں جو کتابیں ہیں ان سے استفادہ کر سکوں اور حضرت سے یہ بھی درخواست ہے کہ حضرت بھی ایسا کوئی مختصر سا نصاب تجویز فرما دیں، جس سے جلد مقصد تک رسائی ہو اور مناسبت بھی پیدا ہو جائے"۔

حضرت حکیم الامتؒ نے ازراہِ شفقت آپ کے لیے سہ سالہ نصاب، جو ضمان التکمیل فی زمان التعجیل کے نام سے مشہور ہے اور جس کے مرتب خود حضرت حکیم الامت ہی ہیں، آپ کے

لیے تجویز فرمایا اور اس کے علاوہ اور بھی کتابیں تجویز فرمائیں۔ اسی زمانۂ تعلیم میں بمشورہ حضرت حکیم الامت کاندھلہ بھی جانا پڑا، وہاں پر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح کے والد ماجد حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب رح کا قائم کردہ مدرسہ تھا۔ پہلی بار جب مولانا کاندھلہ تشریف لے گئے تو حضرت حکیم الامت رح بھی آپ کے ہمراہ تشریف لے گئے اور مولانا محمد اسماعیل صاحب سے کہا کہ:

"مولوی صاحب! اس کا آپ ایسا ہی خیال رکھیں، جیسے آپ میری اولاد کا رکھتے، اور دیکھئے دو باتوں کا خیال رکھیے، ایک تو یہ کہ رات کو تنہا نہیں سو سکتے، دوسرے یہ کہ اندھیرے میں ان کو نیند نہیں آتی"۔

آپ نے یہاں چند عرصے قیام کیا اور کچھ کتابیں پڑھیں، اس کے بعد آپ تھانہ بھون واپس تشریف لے آئے اور حضرت حکیم الامت رح کے مشورے سے یہیں چند اکابرین سے استفادہ کیا، حضرت حکیم الامت رح کی دعاؤ اور ان اکابرین کی خصوصی توجہات اور اپنی رات دن کی محنت اور شوق سے بفضلہ تعالےٰ چند دن ہی کے اندر وہ قابلیت پیدا ہو گئی، جو آٹھ آٹھ سال، دس دس سال لگانے والوں میں بہت ہی کم پیدا ہوتی ہے، وجہ اس کی حضرت پیر و مرشد حکیم الامت رح کی دعائیں اور مشورے تھے، کتاب کا انتخاب ہو یا کسی اُستاد کا، وہ حضرت حکیم الامت کے مشورے کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔

ضبط ملفوظات

دوسرا عظیم کام جو آپ نے انجام دیا وہ رہتی دُنیا تک یاد رہے گا، اور جس سے قیامت تک لاکھوں لوگ استفادہ کر کے اپنی روحانی پیاس بجھاتے رہیں گے، وہ حضرت حکیم الامت رح کے ارشادات کو ضبط کر کے عوام تک پہنچانا، چنانچہ جب آپ نے اس کا ارادہ فرمایا تو حسب معمول حضرت حکیم الامت رح سے مشورہ اور اجازت کے لیے حسب ذیل عریضہ تحریر فرمایا:

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ ظہر سے عصر تک مجلس شریف میں حضور والا جو کوئی جدید ملفوظ فرمادیں۔اس کو مجلس شریف میں اسی وقت لکھنے کے لیے اجازت چاہتا ہوں غیر مجلس شریف میں جواب تک بعض ملفوظات لکھے ہیں تو بہت دشواری سے لکھے اور بعض کے لکھے جانے کا بے حد قلق ہے۔اس لیے عرصے سے اس کی آرزو تھی اور اب نہایت شوق اس کا پیدا ہوا ہے۔ اپنی نا قابلیت سے بھی اندیشہ ہوتا ہے، مگر جب تک اور جس قدر بھی اس کی احقر کو توفیق ہوئی، شاید وہی احقر کی نجات کا سبب بن جائے۔اس لیے احقر حضور والا سے اجازت کا خواستگار ہے ۲۸ ۳/۴۹

جواب: خوشی سے اجازت ہے۔ اللہ تعالےٰ برکت فرمادے۔ فقط

اسی طرح درمیان میں بھی آپ وقتاً فوقتاً مشورے لیتے رہتے تھے۔ بفضلہ تعالیٰ آپ کی اس محنت اور شوق سے ہزاروں ملفوظات کا ذخیرہ جمع ہو گیا جو" الافاضات الیومیہ" کے نام سے سات حصّوں میں شائع ہوئے ہیں۔اس کے اندر تین چار حصّے" القول الجلیل" کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ دو حصّے علٰحدہ شائع ہوئے ہیں۔ اس طرح خاص آپ کے جمع کردہ ملفوظات کے چھ حصّے" القول الجلیل کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اور حضرات تو مجلس میں حضرت حکیم الامت ؒ کے ارشادات کو سننے میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے مگر حضرت پیارے میاں رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے تھے کہ وہ بجائے سننے کے لکھنے میں مصروف رہتے تھے۔

اخلاق و عادات

آپ باوجود رئیس اور رئیس زادے ہونے کے اخلاق فاضلہ اور کمالات حسنہ سے معمور تھے، بڑے خوش خلق، متواضع، کم گو، منکسر المزاج تھے، معمولات اور تقوے کے شدت سے پابند ہونے کے باوجود خشک مزاج ذرا سے بھی نہ تھے۔ تکبّر اور متکبر انسان سے آپ کو بڑی سخت نفرت تھی، متواضع آدمی کو بے حد پسند کرتے تھے۔

اتباعِ سنّت

ہر ایک قول و فعل میں سنّت کی پوری پوری پابندی فرماتے تھے۔ اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے اور جوتا پہنے میں غرضیکہ ہر عمل میں طریقِ سنّت کی اتباع شدت کے ساتھ فرماتے تھے۔

تقویٰ و طہارت

یوں تو حضرت حکیم الامّتؒ سے تعلق سے پہلے بھی آپ کو تقوے کا بڑا خیال رہتا تھا مگر حضرت تھانویؒ سے تعلق ہونے کے بعد تو اور بھی شدّت سے اس کا اہتمام فرمایا چنانچہ حضرت حکیم الامّتؒ نے بھی اپنے ایک گرامی نامہ میں اس کی تائید فرمائی۔

" برخوردار سلمہٗ۔ السلام علیکم، تمہاری احتیاط اور دینداری سے بہت دل خوش ہوا۔ متقی کے ساتھ خدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس صورت میں (جو خط میں ذکر کی گئی ہے) اللہ تعالےٰ نے تمہارے لیے یہ آسانی نکالی، کہ یہ روپیہ جو (آپ کے فلاں عزیز نے لیا ہے) حلال ہے۔"

جس دن آپ جامعہ اشرفیہ میں تشریف لاتے، اور جس مکان میں آپ کا قیام ہوا۔ تو اس کے ایک کمرہ میں مدرسہ کی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ آپ نے فوراً اس کو اٹھوا دی اور اپنی خرید کر بچھائی، اسی طرح اس مکان کا میٹر مشترک تھا۔ آپ نے حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے عرض کیا۔ کہ ہو سکتا ہے کہ ہم بجلی زیادہ خرچ کریں، اور حساب میں کم لگا دی جائے۔ تو اس طرح مدرسے کا نقصان کا احتمال ہے اگر اجازت ہو تو میں اپنا علیحدہ میٹر لگوا لیتا ہوں، چنانچہ آپ نے اجازت کے بعد اپنا میٹر الگ لگوایا۔

آپ کے وصیّت نامہ میں ایک جگہ لکھا ہوا دیکھا کہ ایک دفعہ مکان کی چھت پر کسی کی پتنگ کی ڈوری گری ہوئی ملی، جو میں نے اٹھا کر رکھ لی۔ اس کے مالک کو تلاش

کیا، مگر وہ نہیں مل سکا، لہٰذا میرے ورثاء کو چاہیئے کہ اس کے مالک کی تحقیق کر کے اس کی قیمت ادا کر دیں۔

غرضیکہ اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں۔ جو آپ کے تقوے طہارت کے سلسلہ میں پیش کی جاسکتی ہیں۔

حضرت حکیم الامت سے والہانہ محبت

حضرت حکیم الامت کی ذات بابرکات سے آپ کو ایسی والہانہ عقیدت اور محبت تھی کہ اکثر مجلسوں میں بار بار حضرت حکیم الامت کے ارشادات ہی کا ذکر فرماتے تھے۔ اکثر جب کوئی مسئلہ بیان فرماتے تو اس مسئلہ پر بطور استدلال واستشہاد توضیح حضرت حکیم الامت کے ملفوظات بیان فرماتے تھے۔ جب حکیم کسی بات کو بیان فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت حکیم الامت کے علوم آپ کی طرف منتقل ہو رہے ہیں اور اسی عقیدت ومحبت کی وجہ سے آپ نے اپنی کوٹھی جس کا پہلا نام جلیل منزل تھا اس کو تبدیل کر کے اشرف منزل رکھ دیا جہاں آپ کو اپنے شیخ سے والہانہ عقیدت ومحبت تھی وہاں آپ کو شیخ کے اتباع کا بھی بیحد اہتمام تھا۔ معمولی سی معمولی باتوں کے اندر حضرت حکیم الامت کا اتباع کرتے تھے۔ ہر امر میں اس بات کی جستجو رہتی کہ اس میں حضرت کا کیا ارشاد ہے۔ شروع شروع میں جب آپ تھانہ بھون حاضر ہوئے تو اس وقت آپ شیروانی زیب تن فرماتے تھے۔ آپ کے کانوں میں کسی طرح یہ بات پہنچ گئی کہ حضرت علماء کے لئے شیروانی کو پسند نہیں فرماتے۔ چنانچہ آپ نے اسی دن سے شیروانی پہننا چھوڑ دیا اور حضرت کے اتباع میں چھ کلی والی اچکن پہننا شروع کر دی اور زندگی بھر یہی چھ کلی والی اچکن زیب تن فرماتے رہے۔

اسی طرح جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت علماء کے لئے اس بات کو بھی پسند نہیں فرماتے کہ ہاتھ پر گھڑی باندھیں تو آپ نے بھی اسی دن سے ہاتھ پر گھڑی باندھنا چھوڑ دیا اور اس کے بعد سے

جیسی گھڑی استعمال کرنا شروع کر دیا۔ لباس وغیرہ میں بھی آپ حضرت حکیم الامت کا اتباع کرتے تھے۔

پاکستان میں تشریف آوری کے بعد سب سے پہلا کام جو آپ نے انجام دیا وہ آپ نے اپنے شیخ حکیم الامت تھانوی کی قائم کردہ مجلس صیانۃ المسلمین جو کافی عرصہ سے گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی تھی اور جس سے اکثر حضرات ناواقف تھے لاہور میں از سرِ نو حضرت مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے زیر سرپرستی قائم کی آپ نے تمام حضرات کو اس کی طرف دعوت دی، تمام اکابرین نے آپ کے اس کام کو بیحد سراہا اور سب نے حتی المقدور تعاون کا یقین دلایا۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ آج تک یہ مجلس حضرت حکیم الامت کے نواسہ جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانوی کے زیرِ سرپرستی رواں دواں ہے۔

تالیفات آپ کی حسبِ ذیل تالیفات ہیں: القول الجلیل پانچ حصے، عنوانات التصوف، قرآن کا نیا معجزہ، قرآن کا عجیب وعدہ، آثارِ رحمت، جمہوری نظام۔

وفات وفات سے ایک ڈیڑھ ماہ قبل جبکہ آپ حافظ آباد مدرسہ اشرفیہ میں دینی خدمات کی انجام دہی کے سلسلے میں قیام فرما تھے کہ اچانک منہ سے خون آنا شروع ہو گیا مہتمم مدرسہ نے فوراً ڈاکٹر کو طلب کر کے آپ کے ایک انجکشن لگوا دیا جس سے آپ کو کچھ قدرے افاقہ ہو گیا مگر کچھ دنوں کے بعد طبیعت میں پھر کمزوری محسوس ہوئی تو آپ فوراً لاہور تشریف لے آئے مگر یہاں تشریف لانے کے بعد طبیعت بجائے سنبھلنے کے اور بگڑ گئی اور دن بدن بگڑتی ہی گئی جناب کرنل ضیاء اللہ صاحب مرحوم نے بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ آپ کا علاج کیا جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے کئی دفعہ عرض کیا کہ حضرت ہسپتال میں داخل ہو جائیں تو زیادہ بہتر ہو گا مگر آپ نے ہر بار یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ وہاں نامحرموں سے واسطہ پڑے گا وہ میرے پاس آئیں گی، مجھے ہاتھ لگائیں گی وغیرہ، بس آپ مجھے یہیں رہنے دیں اور یہیں علاج کریں، حتیٰ کہ ڈاکٹر صاحب

مرحوم نے حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے بھی کہلوایا مگر آپ نے ان کو بھی یہی جواب دیا اور ۔

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ بمطابق ۲۶ نومبر ۱۹۵۵ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے ۔

مولانا محمد عرفان صاحب مدظلہٗ کا ایک خواب

جس رات حضرت مولانا کا انتقال ہوا ہے اس رات مولانا محمد عرفان صاحب مدظلہٗ جن کو خوابوں سے بہت مناسبت ہے اور ان کے اکثر خواب سچے ہوتے ہیں اپنی مسجد واقع کرشن نگر میں تشریف فرما تھے، انہیں مولانا کی وفات کا بالکل علم نہیں تھا۔ انہوں نے اس رات خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا مجمع ہے جو نیلا گنبد کی طرف سے آرہا ہے اور اس میں کسی کا جنازہ ہے اس مجمع میں سے رات کی رانی کی سی ایک نہایت عمدہ اور تیز خوشبو آرہی ہے جس نے تمام فضا کو معطر کر دیا، صبح کی نماز کے بعد مولانا موصوف کو معلوم ہوا کہ حضرت پیارے میاں صاحب وصال فرما گئے تو فرماتے ہیں کہ جب میں نے آپ کو قبر کے اندر اتارا ہے تو بعینہٖ وہی خوشبو جو میں نے رات کو مجمع کے اندر محسوس کی تھی وہی خوشبو قبر کے اندر محسوس کی، اور بڑی شدت سے محسوس کی۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ اور جناب عبد الماجد صاحب دریابادی کے تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کے ذیل میں دو گرامی نامے پیش کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابرینِ ملت کے درمیان ان کو کیا مقام حاصل تھا

① وہ نورانی جامہ ہم سے ۲۶/۱۱/۵۵ کو پوشیدہ ہوگیا (حضرت پیارے میاں صاحب) عرصہ سے علیل تھے آخر داغِ مفارقت دے گئے، ایصالِ ثواب میں مرحوم و مغفور علیہ الرحمۃ کو بھی یاد کیا کریں، بڑی مقتدر پاک اور متقی ذات تھی۔ (القول العزیز ج ۲، صفحہ ۱۲۵)

② ایک دوسرے گرامی نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں: مرحوم اپنے وقت میں اپنی نظیر آپ ہی تھے (القول العزیز ج-۲ صفحہ ۱۲۷)

جناب عبدالماجد صاحب دریابادی نے اپنے صدقِ جدید میں تحریر فرمایا:

"مولانا جلیل احمد صاحب شیروانی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے محب خصوصی اور خلیفۂ خاص تھے، ضلع علیگڑھ کے رہنے والے اور مشہور شیروانی خاندان کے فرد تھے، رئیس اور رئیس زادے تھے کم سنی ہی سے اپنے مُرشد کے عشق میں ترک وطن کر کے تھانہ بھون آگئے اور یہیں خانقاہ اشرفیہ میں رہ کر علوم دین کی تحصیل و تکمیل کی۔ ۱۹۴۷ء کی ہلچل میں ہزار ہا کا مالی نقصان اٹھا کر لاہور ہجرت کی اور اب جامعہ اشرفیہ میں مقیم تھے۔ بڑے گہرے دیندار، معمولات اور تقوے کے شدت سے پابند ہونے کے باوجود ذرا سے خشک مزاج نہ تھے اور اپنی صالحیت کا زعم و پندار تو چھو کر بھی نہ گیا تھا۔ مہمان نواز اور بڑے ہی منکسر المزاج اور متواضع تھے۔

اپریل ۵۵ء میں لاہور میں ملاقات ہوئی تھی، اس کا ذکر سفرنامہ میں آچکا ہے فرطِ اخلاق و محبت سے گویا بچھے جاتے تھے شکل دیکھ کر اور مِل کر ان کے جنتی و مغفور ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوتا تھا، عمر کچھ زیادہ نہیں تھی پچپن سال کے معلوم ہوتے تھے، صاحبِ تصنیف بھی تھے، ایک کتاب کا ذکر ان صفحات میں آچکا ہے، دوسری کتاب پر تبصرہ لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے طفیل میں اگر اُن کے بہت سے ملنے والوں اور نیاز مندوں کی بھی مغفرت کر دے تو اس کے کرم سے کچھ بھی بعید نہ ہوگا۔

عبدالماجد

صدقِ جدید ۱/۶۴/۶ ○ آثارِ رحمت

○ ہندوستان کے ایک رسالہ انوار القرآن میں حسب ذیل مضمون شائع ہوا:۔

حضرت مولانا حافظ الحاج جلیل احمد صاحب عرف پیارے میاں علیگڑھی۔ آپ حکیم الامۃؒ کے مخصوص خلفا میں شمار ہوتے تھے وطن مالوف آپ کا شہر علیگڈھ تھا۔ آپ بھی دربار اشرفی میں خسرو ثانی کا رتبہ رکھتے تھے۔ بڑے خوش خلق، متواضع، کم گو، منکسر المزاج رئیس تھے۔ لیکن آپ نے اپنی جائداد وغیرہ کہ جس سے ایک معقول آمدنی ہوتی تھی اس کو اپنے معتمد خاص

حضرت مولانا سمیع اللہ خانصاحب دامت برکاتہم کے سپرد کر کے اپنے شیخ کی خدمت میں رہنا پسند کیا اور ایک عرصہ تک آپ تھانہ بھون مع گھرانے کے مقیم رہے۔ بعد وصال حضرت حکیم الامتؒ آپ بادلِ نخواستہ مسکنِ شیخ جانے پر مجبور ہوئے۔ لیکن وطن میں بھی آپ کو قرار نصیب نہ ہوا۔ آپ ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر کے شہر لاہور (پاکستان جمہوریہ) میں مقیم ہو گئے اور ایک عرصہ تک وہاں حیات رہے۔"

حضرت مولانا مفتی محمد جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور نے آپ کی وفات حسرت آیات پر حسب ذیل قطعہ تاریخ فرمایا۔

قطعہ تاریخ وفات

آں جلیل احمد کہ شروانی رئیس — فقر و صبر و معرفت چوں برگزید

کرد دل لبریز از شوقِ جہاد — نیک می آید زنا لیفش پدید

چوں بیماری سل در او فتاد — ناگاہ بیک اجل بروے رسید

جستم از دل تاریخِ وفات

گفت مردِ مومنے خرفی شہید

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

نوٹ:۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ۱۲۹ خلفاء میں سے ۸۸ حضرات کے حالات پیشِ خدمت ہیں۔ بقیہ ۴۱ حضرات کے حالات حصہ دوم میں پیش کئے جائیں گے